ہر گل کو باغِ دہر میں کھٹکا ہے خار کا
الجھا ہوا خزاں سے ہے دامن بہار کا

حضرت مجدِّدؒ
اور
اُن کے ناقدین

ابوالحسن زید فاروقی - شاہ ابوالخیر مارگ - دہلی ۶

ہر گل کو باغِ دہر میں کھٹکا ہے خار کا
الجھا ہوا خزاں سے ہے دامن بہار کا

حضرت مجدّدؒ
اور
اُن کے ناقدین

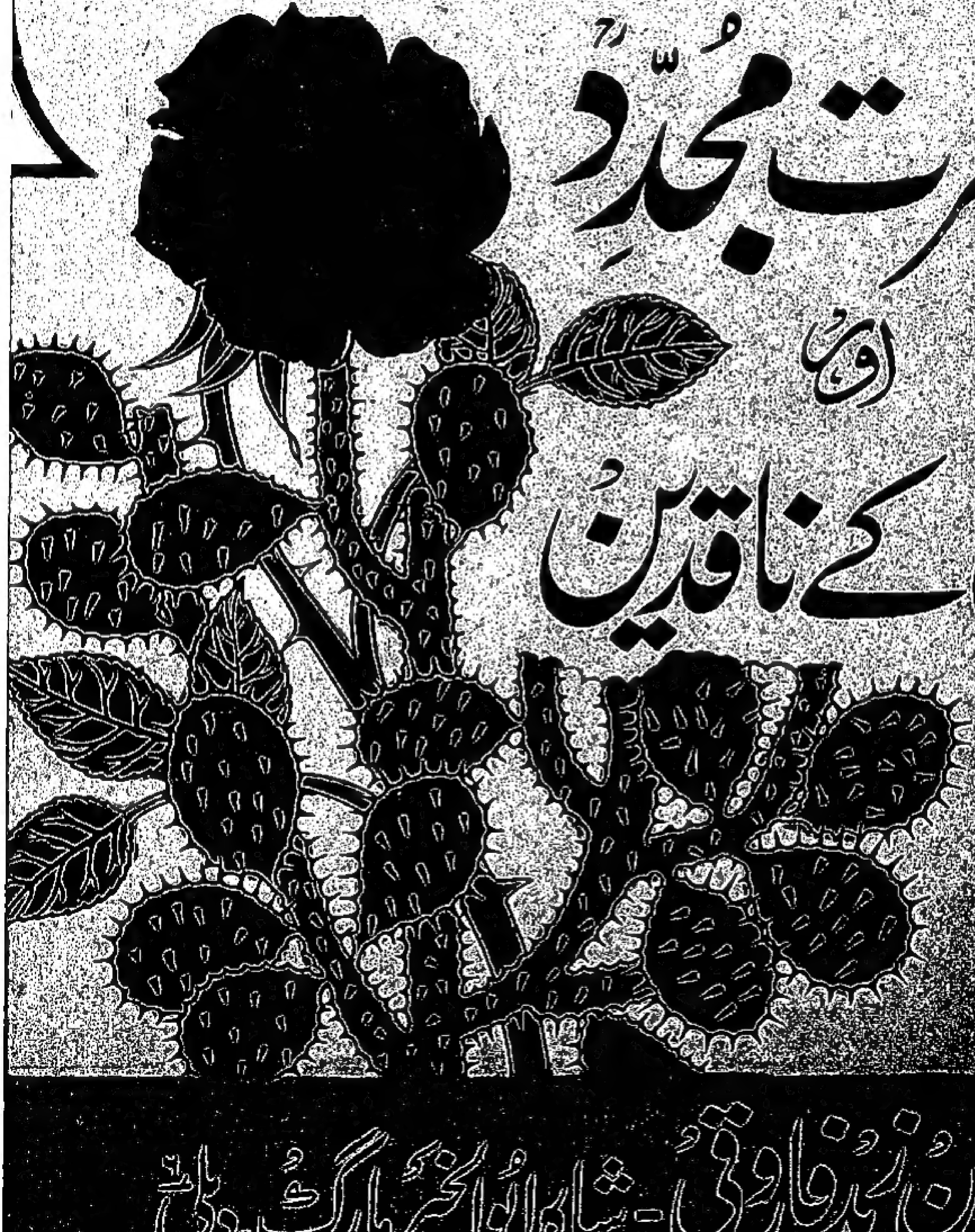

ابوالحسن زید فاروقی - شاہ ابوالخیر مارگ۔ دہلی

جملہ حقوق محفوظ

باراوّل

۱۳۹۷ھ ۔ ۱۹۷۷ء

کتاب کا نام : حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین

صفحات : ۲۵۶

مصنف : حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی دامت برکاتہٗ (فاضلِ ازہر)

مہتمم : ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی (ڈائرکٹر)

طابع و ناشر : شاہ ابوالخیر اکاڈمی
درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرّہٗ
شاہ ابوالخیر مارگ ۔ دہلی ۔ ۶

کتابت : محمد منظورالدین ۔ ۱۴۹۵ [illegible] محل ۔ دہلی

تعداد : ایک ہزار

قیمت : پندرہ روپے

فہرست کتاب "حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین"

مضمون	نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ
فہرست	۳	نعمتوں کا اظہار	۷۸
علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے لکھا ہے	۵	شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے نظریات	۸۰
شیخ عبدالحق نے لکھا ہے	۶	دونوں کے نظریات میں فرق	۸۵
شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے	۷	ازالۂ فرق کی کوشش	۸۸
اقبال بر مزار حضرت مجدد	۸	آپ کے زمانے کی مذہبی حالت	۹۰
حضرت مجدد کے مکتوب کا عکس	۹	مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر	۹۱
افتتاحیہ	۱۰	خواجۂ کلاں کی تحریر	۹۱
تعارف	۱۱	مولانا ذکاء اللہ کی تحریر	۹۲
گزارشِ احوال	۱۴	جناب شیخ عبدالحق کی تحریر	۹۳
پہلا حصہ ۔ حضرت مجدد الف ثانی	۲۲	حضرت مجدد کی تحریرات	۹۴
وصول بہ کعبۃ الآمال	۲۶	قباحتوں کی تفصیل	۱۰۳
حضرت خواجہ باقی باللہ کا بیان	۲۸	مجدد کس کو کہتے ہیں	۱۰۵
حضرت خواجہ کے چار رقعات	۳۰	حدیثِ صِلَہ	۱۰۸
حضرت خواجہ سے محبت اور ان کا ادب	۳۶	شواہدِ تجدید	۱۱۰
اتباعِ سُنن وعزائم امور	۴۰	۱۔ استیصال اکبری الحاد	۱۱۰
ایک شبہ	۴۵	۲۔ رَدِّ ملحدین صوفیہ	۱۱۱
آپ کی تالیفات	۴۶	۳۔ رَدِّ بے باک علماء	۱۱۱
آپ کے مکتوباتِ قدسی آیات	۵۰	۴۔ ردِّ جاہل صوفیہ	۱۱۱
احیائے سُنّت کی تحریک	۵۳	۵۔ افراطِ عقیدت	۱۱۱
رابطہ	۵۷	۶۔ کثرت وقلتِ خوارق	۱۱۲
کمالات کا اظہار	۶۰	۷۔ رہبانیّت سے یوگیّت	۱۱۳
اولیائے حق	۶۳	محمد غوث گوالیاری	۱۱۶
حضرت شیخ اکبر	۶۷	کتاب بحر الحیات	۱۱۷
دِعائیں کا بیان	۶۹	کتاب مجمع البحرین	۱۱۸
مردِ میدان	۷۱	۸۔ وحدتِ وجود وحدتِ شہود	۱۱۹
توحید کا مسئلہ	۷۳	۹۔ طریقت وحقیقت خادمانِ شریعت	۱۱۹
توحیدِ وجودی وشہودی	۷۴	**آپ کی مخالفت**	۱۲۳
روحی سیر کا بیان	۷۶	مفتی غلام سرور کا بیان ..	۱۲۳

مضمون	نمبر صفحہ
شیخ بدرالدین کا بیان	۱۲۳
داراشکوہ کا بیان	۱۲۴
شاہ فتح محمد کا بیان	۱۲۶
عبداللہ خویشگی کی تحریر	۱۲۹
ایک مکتوب	۱۳۱
جناب شیخ عبدالحق کا اختلاف	۱۳۱
مقامِ ایقان	۱۳۲
جناب شیخ کے متعلق	۱۳۷
مکتوبِ شیخ کا کچھ بیان	۱۴۱
اخلاص نامہ	۱۵۵
حضرت مجدد کی گرفتاری اور اس کا مآل	۱۵۸
نظر بندی	۱۶۰
ارادتمندوں کی غلطی	۱۶۲
جہانگیر کو ترویجِ شریعت کا خیال	۱۶۳
ایک سوال	۱۶۵
عرض نیاز عبدالسلام اثیم	۱۶۷
دوسرا حصہ	۱۶۸
اطہر عباس رضوی کی کتاب	۱۷۱
سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن کا تبصرہ	۱۷۱
کتابیات کی حقیقت	۱۷۳
مصنف کا مبلغ علم	۱۷۴
مصنف کی غیر جانبداری	۱۷۵
پیشواؤں کو بُرا کہنے کی مُہم	۱۷۶
سب و شتم کی بارش	۱۷۷
شبیر احمد خاں غوری کا تبصرہ	۱۷۹
یُوحنا فریڈمان کی تحریر	۱۸۱
رضوی کا مفروضہ دعویٰ بلا دلیل ہے	۱۸۲
تبصرہ بر کتاب ایم۔ مجیب	۱۸۳
جہانگیر کا خودمیلان	۱۸۶
مکتوب کا غلط حوالہ اور جھوٹے الزامات	۱۸۹
ظواہر۔ نماز، روزہ	۱۹۰
جہانگیر کا بیان	۱۹۱
روح کی عظمت	۱۹۳
شیخ فرید کے نام مکاتیب	۱۹۶
فضولیت کا نمونہ	۱۹۹
خوشامد کی آمیزش	۲۰۲
شیخ فرید بخارا کے سیّد تھے	۲۰۳
حضرت خرقانی اور حکیم ابوعلی سینا	۲۰۵
حضرت مجدد کو صالح المومنین کیلئے چھوڑدو	۲۰۷
ضمیمہ۔ انوارالحق کی کتاب	۲۰۸
انوارالحق کی تحریر	۲۰۸
اظہارِ خیال	۲۱۳
ردِّ شیعہ اور کفار دارالحرب	۲۱۴
اطلاقاتِ علماء کا بیان	۲۱۷
حضرت مجدد اور حضراتِ صوفیہ	۲۱۹
کعبہ کی بُتوں سے تطہیر	۲۲۱
سرہند کی بربادی	۲۲۲
حضرت مجدد کی تحریک احیائے دین	۲۲۴
سید احمد شہید کی تحریک	۲۲۵
مولانا محمد الیاس کی تحریک	۲۲۵
دوسرا ضمیمہ۔ ایک مکتوب	۲۲۷
مولانا شہاب کا بیان	۲۲۷
حدیث دل بہ کہ گویم	۲۲۷
کتاب روضۂ قیومیّہ	۲۲۸
حرفِ دل۔	۲۳۰
نظر بر کلام شہاب	۲۳۳
مختصر احوال حضرت محمد سیف الدینؒ	۲۳۴
آئینۂ جہاں نما	۲۴۷
دو واقعات	۲۴۷
بُوئے گُلِ ربانی	۲۵۲
مراجع کتاب	۲۵۴

حضرت مجدد کے بارے میں
علّامہ عبد الحکیم سیالکوٹی نے لکھا ہے

"قدح کردن در سخنِ بزرگان بے مُرادِ ایشان جہل است و نتیجۂ نیک نہ دارد، پس رَدِّ کلامِ مشیخت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد از جہل و نافہمیدگی است۔"

علامۂ روزگار عبد الحکیم سیالکوٹی

ماخوذ از ہدیۂ مجدّدیہ کہ از رسالہ کشف الغطاء نقل کردہ

از حضرت محمد فرخ نبیرۂ حضرت مجدد

بزرگوں کے کلام پر اُن کی مراد اور مقصد کے خلاف اعتراض کرنا نہایت جہالت ہے اور اس کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ لہٰذا مشیخت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد کے کلام کو رد کرنا جہالت اور ناسمجھی ہے۔

حضرت مجدّد کے بارے میں

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے لکھا ہے

نسبتِ ایں فقیر دریں ایام وصفائے باطن بہ خدمت ایشان از حد متجاوز است واصلا پردۂ بشریت وغشاوۂ جبلّت درمیان نہ ماندہ، نہ می داند کہ از کجا است سبحان اللہ مقلب القلوب ومبدل الاحوال۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

ماخوذ از کتاب بشاراتِ مظہری

(ترجمہ) ان دنوں شیخ احمد سے اس فقیر کا تعلق اور اس کے دل کی صفائی حد سے زیادہ ہے۔ آپس کے تعلقات میں بشریت اور جبلّت کا کوئی پردہ یا حجاب حائل نہیں رہا۔ فقیر نہیں جانتا کہ کس بنا پر یہ صورت ہوئی، پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے اور حالات کا بدلنے والا۔

حضرت مجدّد کے بارے میں
حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے

لَقَدْ جَرَتْ عَلَى الْإِمَامِ قُدِّسَ سِرُّهٗ سُنَّةُ اللّٰهِ وَعَادَتُهٗ فِيْ أَنْبِيَائِهٖ مِنْ قَبْلُ بِإِيْذَاءِ الظَّلَمَةِ وَالْمُبْتَدِعِيْنَ وَإِنْكَارِ الْفُقَهَاءِ الْمُتَقَشِّفِيْنَ وَذٰلِكَ لِيَزِيْدَ اللّٰهُ فِيْ دَرَجَاتِهٖ وَيُلْحِقَ بِهِ الْحَسَنَاتِ مِنْ بَعْدِ وَفَاتِهٖ۔ لَا يُحِبُّهٗ إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهٗ إِلَّا فَاجِرٌ شَقِيٌّ۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی
ماخوذ از رسالہ "تَرْجَمَةُ أَحْوَالِ الْإِمَامِ الرَّبَّانِيِّ"
برحاشیہ مکتوباتِ عربی

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادتِ مستمرہ اپنے انبیاء کے ساتھ رہی ہے اُسی کو اس نے حضرت مجدّد کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشّف فقہا نے آپ کا انکار کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو۔

مؤمن ہی کو آپ سے محبت ہوگی اور شقیِ فاجر ہی کو آپ سے عداوت۔"

اقبال در حضورِ حضرت مُجدّد

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مَطلعِ انوار
اِس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اِس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جُھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نَفَسِ گرم سے ہے گرمیٔ اَحرار[1]
وہ ہند میں سرمایۂ مِلّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

---

[1] ہو سکتا ہے کہ علامہ اقبال نے گرمیِ احرار سے اشارہ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے اس طریقہ کی طرف کیا ہو جس کا بیان مولانا جامی نے نفحات الانس میں کیا ہے اور جس کا احیار ہندوستان میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے کیا اور حضرت مجدد نے اس کو فروغ دیا۔

عکس مکتوبِ مُبارک حضرت امام ربّانی مجدد اَلفِ ثانی قدس سرہٗ کہ بہ دستِ حق پرست خود نوشتہ بہ نواب والاجاہ سیادت پناہ مرتضٰی خاں سید فرید بخاری رحمہ اللہ و رضی عنہ ارسال فرمودہ اند۔ ایں مکتوب دو صد و سیز دہم است از دفتر اول۔ بقیہ مکتوب کہ بر حاشیہ نوشتہ شدہ بر پشت کاغذ اندراج یافتہ۔ چوں کہ حضرات اجداد کرام رحمہم اللہ از وجہ بوسیدگی کاغذ جا بجا چسپانیدہ اند خواندہ نہ می شود۔ و عبارت "عصمکم اللہ سبحانہ" و "بجنابکم" و "سابق فرق" از وجہ بوسیدگی کاغذ ضائع شدہ است۔ اَلْبَقَاءُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَحْدَہٗ۔

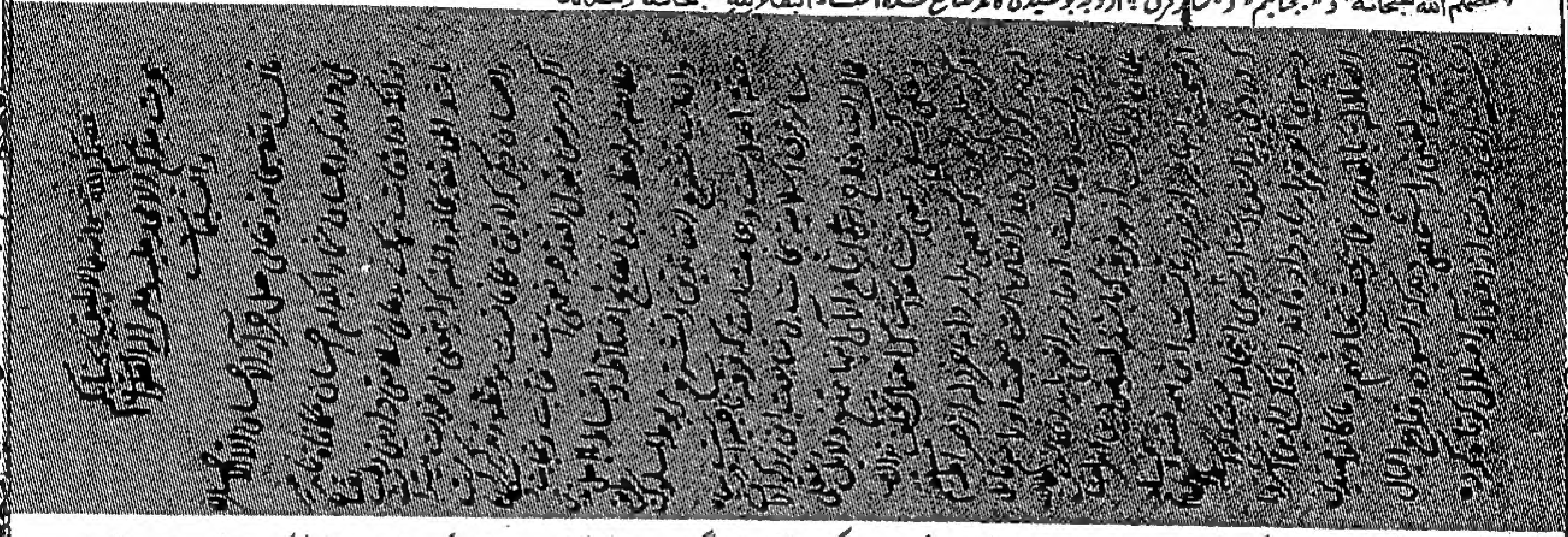

(بقیہ مکتوب) سزا آنرا بر سید لعین گفت کہ علماء سوء ایں وقت کارِ مرا کفایت کردہ اند و متکفل اغوا و اضلال گشتہ، از طلبۂ آنجاے مولانا عمر نیک نہاد است بشرط آنکہ او با دل بدہند در اظہار حق دلیر سازند و حافظ امام نیز جنون اسلام دارد کہ در اسلام ازاں جنون چارہ نبود لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ۔ معلوم شریف است کہ ایں فقیر بگفتن و نوشتن در تحریض بر صحبتِ نیک تقصیر نکردہ است و در مبالغہ نمودن از اجتناب از مصاحب سوء خود را معاف نداشتہ کہ آں را اصل عظیم میداند، وَالْقُبُوْلُ عِنْدَکُمْ بَلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَطُوْبٰی لِمَنْ جَعَلَهُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَظْھَرًا لِّلْخَیْرِ، تذکرِ احسانہاے شما برین گفتگوے می آرد و ملاحظہ تصدیع و ملال را از میان بر می اندازد۔ والسلام

افتتاحیّہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَارۡحَمۡ وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ عَلٰی مَنۡ اَنۡزَلۡتَ عَلَیۡہِ
اے اللہ اس پر درود اور رحمت اور برکت اور سلام بھیج جس پر تو نے اُتاری ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ مٰلِکِ
سب تعریف اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا ، بہت مہربان نہایت رحم والا ؛ مالک

یَوۡمِ الدِّیۡنِ ○ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ○ اِھۡدِنَا
انصاف کے دن کا ، تجھی کو بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں ، چلا ہم کو

الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ○
راہ سیدھی ، راہ اُن کی جن پر تو نے فضل کیا [1]

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ○
نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بھٹکنے والے [2]

---

[1] جو کہ تیرے چنے ہوئے نیک بندے ہیں، جن کی یاد کرتے وقت تو یاد آتا ہے۔

[2] جو لینن اور ماؤ کے پرستار ہو کر بھٹک گئے ہیں۔

تعارُف

از

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مدظلہ العالی

بے تحاشا مصروفیتوں اور مسلسل سفروں کی وجہ سے "حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین" کو اگرچہ اطمینان سے نظر ڈالنے کا موقع نہیں ملا اور کتاب کے جستہ جستہ حصے ہی دیکھ سکا، لیکن جتنا کچھ دیکھ سکا، اس کی روشنی میں بے تامّل کہا جا سکتا ہے کہ "حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین" اپنے رنگ کی محققانہ بلکہ مختلف حیثیتوں سے لاجواب تالیف ہے جس میں حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات، ان کی غیر معمولی اصلاحی خدمات، مجددانہ کارناموں اور پیغامِ حق و صداقت کو نہایت مؤثر اور سادہ قالب میں پیش کیا گیا ہے اور جدید ذہن کے ناقدوں نے وقت کے اس مجدد اور امامِ ربّانی پر جو بے باکانہ اور بے رحمانہ حملے کئے ہیں، اُن کی مدافعت سنجیدہ، متین اور بلیغ و پُر حکمت انداز میں کی گئی ہے۔ حضرت مجدد سرہندی پر اُردو، انگریزی میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور اُن کے نظریات کو تحقیق کی کسوٹی پر کسا گیا ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس خلار کو جنابِ مؤلف نے پُر کیا ہے وہ ابھی تک پُر نہیں ہو سکا تھا۔ حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید صاحب مسائلِ تصوّف کا عام طور پر اور طریقۂ مجددیہ کا خاص طور پر نہایت پختہ اور گہرا مذاق رکھتے ہیں، اس لئے اُن کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے، قدرتی طور پر اس میں حقیقت کا عکس جلوہ گر ہے اور اُن کے بیان میں ایک صاحبِ خانہ کے اندازِ بیان کی جھلک نظر آتی ہے۔ ڈھائی سو صفحات کی اس محققانہ تالیف میں ایک سو سے زیادہ عنوانات ہیں اور ہر عنوان اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتا ہے۔ مباحثِ کتاب کی ترتیب میں کم سے کم ۷۶ معتبر و مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فاضل مؤلف نے کتاب کی ترتیب و تہذیب میں کتنی غیر معمولی کاوش سے کام لیا ہے۔

یوں تو پوری کتاب ہی خزینۂ معلومات ہے اور اس کا ایک ایک باب پڑھنے کے لائق ہے، لیکن وہ حصّہ جس میں حضرت مجدد صاحب کے زمانے کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں نہ صرف معلومات افزا ہے بلکہ عبرتوں کے دفتر اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق محدث، خواجہ کلان، مولانا ذکا اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد اور خود حضرت مجدد صاحب کی جو تحریریں اور بیانات پیش کئے گئے ہیں ان کو پڑھ کر اُس دَور کی مکمل تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں فاضل مؤلف نے حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کے جو

بصیرت افروز اقتباسات درج کئے ہیں وہ خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہیں اور اس کاوش و عرق ریزی کے لئے فاضل مولف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

فاضل مؤلف نے مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک تحریر جو اُن کی کتاب "تذکرہ" سے نقل کی ہے، وہ لائقِ مطالعہ ہے۔ مولانا آزاد نے حضرت مجددؒ کے زمانہ میں عام مذہبی حالات کی جو دردناک کیفیت تھی، مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اکبر نے تمام عاملینِ مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب ہی کو خیرباد کہنا چاہا۔ خود ابوالفضل و فیضی کو بھی انہی لوگوں نے اپنی ہوا پرستیوں اور ظلم و عدوان کے نمونے دکھلا کر اس طریقہ میں آنے کی دعوت دی تھی جس کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر وہ خود بھی متاسف ہوتے ہوں گے کہ مقصود کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا۔ انھوں نے علماءِ سوء کے غرور و پندار کا بُت توڑنے کے لئے ایک دوسرا بُت تیار کیا جس کا نام اکبر تھا لیکن آگے چل کر خود اسی بُت کی پرستش شروع ہو گئی۔"

حضرت مجدد صاحب کے طریقِ فکر اور خاص خاص نظریوں میں توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی کا مسئلہ ایک نازک اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور نظریوں کے اختلاف کے اس مرحلہ پر مشہور محقق اور عارف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور حضرت مجددؒ کے نظریوں کا ٹکراؤ ذہنی تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس عنوان کے تحت دونوں نظریوں کے فرق کی وضاحت اور اس فرق کے ازالہ کی کامیاب کوشش فاضل مؤلف نے کی ہے۔

آخر میں ہم "گزارشِ احوالِ واقعی" کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں، جس سے کتاب کے مقصدِ تالیف پر خاطر خواہ روشنی پڑتی ہے۔

"عام طور پر جھوٹ اُسی وقت تک پھلتا پھولتا ہے جب تک اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی، جب اس کا اظہار ہو جاتا ہے تو اُس کی وقعت نہیں رہتی اور نہ کوئی اس کو زبان پر لاتا ہے، لیکن حضرت مجددؒ کے معاملہ میں یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ جو پُشتارۂ کذب و افترا پونے چار سو سال قبل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہا تھا وہ آج تک اپنا رنگ روپ بدل بدل کر سامنے آ رہا ہے، اگر پہلے اس کام کو وہ افراد سرانجام دے رہے تھے جن کا تعلق مدارسِ عربیہ سے تھا تو اب یہ خدمت اُن لوگوں نے سنبھال لی ہے جو کالجوں سے وابستہ ہیں۔ اگر پہلے اس جھوٹ کا بیان عربی یا فارسی زبان میں ہوا کرتا تھا تو اب ہندی یا انگریزی میں ہو رہا ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مجھ کو یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خوب لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادتِ مستمرہ اپنے انبیاء کے ساتھ رہی ہے اُسی کو اس نے حضرت مجددؒ کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشّف فقہا نے آپ کا انکار کیا تاکہ اللہ تعالےٰ

آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو۔ اھ

حضرت مجدد کے نادان معاند جب تک جھوٹے الزامات کی ترویج کرتے رہینگے یقیناً آپ کے درجات اور حسنات میں اضافہ ہوتا رہیگا۔ ایسے افراد سے حضرت مجدد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ عَلٰی رَغْمِ اُنُوفِہِمْ آپ کے درجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور یورپ کے یہودی اور عیسائی ان نادانوں کی کذب بیانی کا پردہ فاش کر رہے ہیں اور وہاں کے نومسلم آپ کے سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں، ہاں یہ نادان حضرت مجدد کے متبعین و معتقدین کا دل زخمی کر رہے ہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔

مولانا آزاد نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں علماءِ سُوء اور ملا مبارک اور اُن کی اولاد کا ذکر کرکے لکھا ہے۔

"اس دَور میں بھی افراط و تفریط کی دو جماعتیں پیدا ہوگئیں۔ پہلی جماعت علماءِ دنیا پرست اور متعصبین جاہلین کی تھی جو اپنی ہَوا پرستیوں اور تعصب و جہالت سے اصل مذہب کو بدنام کر رہے تھے اور دوسری جماعت اُنکے مدمقابل مدّعیانِ تحقیقِ جدید و اجتہادِ فکر کی تھی، جنھوں نے حکمت و دانشمندی اور مذہبِ عقلی و طریقِ حکیمانہ کے نام سے الحاد و بے دینی اور اباحت و بے قیدی کی گرم بازاری کر رکھی تھی اور اہلِ حق واقتصا کا طریق ان دونوں سے الگ تھا۔ وہ جس طرح پہلی جماعت کے تسبیحِ زُور اور خرقۂ سالوس سے بیزار تھے اسی طرح دوسری جماعت کے فریبِ عقل اور فتنۂ دانش و آزادی سے۔

ازاں دعویٰ بہ شیخ و برہمن ماند … کہ ہر یک دَادرے رامی پرستند

یہی صورت آج بھی درپیش ہے کہ مذہب کے دوکانداروں نے جہل و تقلید اور تعصب و ہَوا پرستی کا نام مذہب رکھا ہے اور روشن خیال و تحقیقِ جدید کے عقل فروشوں نے الحاد و بے قیدی کو حکمت و اجتہاد کے لباسِ فریب سے سنوارا ہے، نہ مدرسہ میں علم ہے، نہ محرابِ مسجد میں اخلاص، اور نہ میکدے میں رندانِ بے ریا، اربابِ صدق و صفا ان سب سے الگ ہیں اور سب سے پناہ مانگتے ہیں ان کی راہ دوسری ہے۔"

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کے متعلق تحقیق و ریسرچ کے نام پر جدید ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں، توقع رکھنی چاہیئے کہ "حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین" کے مطالعہ سے وہ صاف ہو جائینگی اور حقیقت کا چہرہ پوری طرح روشن ہو جائے گا۔ بُری شکل یہ ہوتی ہے کہ ہمارے یہ محقق علم و تحقیق کے نام پر اپنے من مانے فیصلوں کو زبردستی دوسروں سے منوانا چاہتے ہیں اور انصاف کی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اگر تلاشِ حق کا معمولی سا جذبہ بھی ان میں موجود ہے تو اُن کو اِن اوراق میں بہت کچھ ملے گا اور حضرت مجدد کے نظریوں اور کارناموں کا حقیقی نقشہ سامنے آجائے گا۔

جمعہ ۲۹۔ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ
۱۴۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء

(مفتی) عتیق الرحمان عثمانی
ندوۃ المصنفین۔ اُردو بازار۔ دہلی۔ ۶

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی

سیدی الوالد حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ قدس سرہٗ نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر گُل کو باغِ دہر میں کھٹکا ہے خار کا
اُلجھا ہوا خزاں سے ہے دامن بہار کا

دیکھنے میں آیا ہے جب بھی دنیا میں کوئی مصلح آیا، اس کے مخالف بھی پیدا ہو گئے اور جس پایہ کا مصلح ہوا اُسی پایہ کے مخالف بھی ہوئے۔

امامِ ربّانی مجددِ الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی قُدِّسَ سرہٗ کے ساتھ بھی یہی ہوا آپ کا ظہور اُس وقت ہوا جب کہ اکبر بادشاہ کی بے دینی شباب پر تھی، خود غرض خوشامد پیشہ لوگوں نے اُسے گھیر رکھا تھا، ابوالفضل وغیرہ مراتبِ چہارگانہ کی تشکیل و ترتیب میں مصروف تھے، اگر کوئی اکبر کو خوش کرنے کے واسطے اللہ اکبر کی صدا لگاتا تھا تو دوسرا اُس کے جواب میں جَلَّ جَلَالُہٗ کہتا تھا۔

حضرت مجدد نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ بے دینوں کی جماعت جو کچھ کر رہی ہے اسلام کے نام پر کر رہی ہے۔ یہ لوگ حضراتِ صوفیہ کی اصطلاحات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، انھوں نے شریعت کو ظاہر اور اپنے الحاد کو باطن کا نام دے کر سادہ لوحوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اِن بد باطنوں نے حلال و حرام کا امتیاز ہی ختم کر دیا ہے، بادشاہ کو ظل اللہ کے نام سے صنمِ اکبر بنا لیا ہے۔

حضرت مجدد نے یہ بھی دیکھا کہ جاہل صوفیہ کی جماعت ملحدین کے طور طریقے لے رہی ہے اس نے شیخ اکبر کے نظریۂ توحید کو غلط رنگ دے کر طریقت کو شریعت کے مقابلہ میں لے آئی ہے بلکہ طریقت کا مرتبہ شریعت سے برتر قرار دیتی ہے اور کہتی ہے کہ دُرَرِ حقائق، بحرِ طریقت ہی میں مستتر ہیں، اس جماعت کا استناد حضراتِ مشائخِ کبار کے اُن اقوال سے ہے جو اُن سے سُکر و مدہوشی کے وقت صادر ہوئے تھے، بلکہ اس جماعت کی نظر میں اصحابِ سُکر کا مرتبہ

اَصحابِ صحو و آگاہی سے کہیں اَرفع و اَعلیٰ ہے، لہٰذا یہ جماعت اپنے کو اصحابِ سُکر و مدہوشی کے رنگ میں ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور کہتی ہے۔

وَتَشَبَّهُوْا اِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ   اِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحٌ

(ترجمہ) اگر اُن جیسے نہیں ہو تو اُن جیسی شکل بنا لو کیونکہ کریموں کی شکل اختیار کرنے میں بھلائی ہے۔

حضرت مجددؒ نے یہ بھی دیکھا کہ ایران کے شیعہ شقاق و نفاق کا بیج ہندوستان میں بو رہے ہیں یہ لوگ حضرات اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام پر اپنی متاعِ کاسد کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔

ایسے پُرآشوب دَور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مجددؒ کو پیدا کیا تا کہ اسلام کی نَضارت عَود کرے اَہلِ اَہوا اور منافقوں کی گمراہی زائل ہو، حضرت مجددؒ کو بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلاۃ والسلام سے جو نسبتِ غلامی تھی اس کا اثر آپ کے کلام پر ظاہر و باہر تھا۔ آپ نے اپنے پیر بھائی خواجہ حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا ہے۔

"اس طائفۂ عالیہ کے معارف و اسرار کے بیان میں یہ تمام دفاتر جو اس فقیر نے لکھے ہیں، شاید آپ خیال کرتے ہوں کہ یہ سب صحوِ خالص کی حالت میں لکھے ہیں جس میں سرور و خمار کا اثر تک نہیں، حاشا و کلا یہ صورت نہیں ہے کیونکہ یہ حرام و نا جائز اور سخن طرازی ہے، وہ سخن طراز جو بہ صحوِ خالص متصف ہیں کیوں نہ ایسی باتیں لکھ سکے اور کیوں نہ لوگوں کے دلوں کو گرما سکے۔"

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہ ہرزہ نیست   ہم قصۂ غریب و حدیثے عجیب ہست

(ترجمہ) حافظ کی یہ ساری فریاد آخر بکواس نہیں ہے، قصّہ بھی نرالا ہے اور بات بھی عجیب۔ [لہ]

سرشارِ بادۂ احمدی خواجہ محمد ہاشم کشمی جامع دفترِ سوم مکتوبات نے دفترِ سوم کے مقدمہ میں کیا خوب لکھا ہے۔

زہر یک نقطہ اَش چوں نافۂ تر   شمیمِ وَصلِ جاناں می زند سر
ولے آں کز برودت در زکام است   چہ داند نافہ اَش گر در مشام است
سرایم مدحِ آں سیّاحِ غوّاص   کنم خورشید را چوں ذرہ رَقّاص

(ترجمہ) مکتوبات کے ہر ایک نقطہ سے تازہ نافۂ مشک کی طرح وصلِ جاناں کی لپٹیں نکل رہی ہیں، لیکن جو شخص ٹھٹھر کر زکام میں مبتلا ہو گیا ہے، اگر اس کے نتھنے میں پورا نافہ رکھ دیا جائے تب بھی وہ بوئے خوش سے محروم ہی رہے گا۔ میں اب اُس غواصِ بحارِ معارف و اسرار کی مدح سرائی کر کے آفتابِ معارف کو مثلِ ذرہ وجد و رقص میں لاتا ہوں۔"

[لہ] دفترِ سوم کا مکتوب ۱۲۱ -

شیخ بدرالدین نے بلخ کے میر مومن کا واقعہ لکھا ہے جو کہ سلسلۂ کبرویہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے کہ وہ کلاں سالی اور ضعیفی کی وجہ سے خود حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے، لیکن انھوں نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا تا کہ ان کی طرف سے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو اور آپ کے بعض مکاتیب شریفہ لے کر ان تک پہنچائے۔ جب وہ قاصد آپ کے چند مکاتیب لے کر اُن کے پاس پہنچا اور انھوں نے مکاتیب کو پڑھا وجد میں آ گئے "رقص کردند و فرمودند اگر سلطان العارفین و سید الطائفہ دریں وقت می بودند غاشیہ برداری ایں عزیز می کردند"

(ترجمہ) وہ رقصاں ہو گئے اور انھوں نے فرمایا اگر اس وقت سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ اور سید الطائفہ جنید بغدادی ہوتے تو اس عزیز کی پیروی کرتے۔[1]

حضرت مجدد پورے عزم اور اخلاصِ نیت کے ساتھ اس کام میں مصروف ہو گئے جس کیلئے آپ کی تخلیق ہوئی تھی آپ کے پاس نہ دولت تھی نہ حشمت اور نہ کوئی رُکنِ شَدِیدٍ[2] (محکم اسرا) البتہ اعجازِ کلامی کی قوت و کشش جو حضرت واہب العطایا نے خزانۂ غیب سے آپ کو عطا کی تھی آپ کا واحد حربہ تھا اور نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ پر آپ کا یقین۔ (مدد اللہ کی طرف سے اور فتح شتاب اور خوشی سُنا ایمان والوں کو)

آپ نے اپنی جدوجہد کی ابتدا رسائل سے کی اور پھر مکاتیب لکھے، آپ کے پاکیزہ دل میں جو واردات ہوتی تھیں وہ قلم کی زبان سے دُررِ منثورہ کی شکل میں صفحات پر ثبت ہو جاتی تھیں اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ گنجینۂ معارفِ لدنیہ آج بھی ہزارہا بندگانِ خدا کو فیوضاتِ ربانیہ سے سرشار کر رہا ہے۔

حضرت مجدد کے رسائل اور مکاتیب کا جو اثر ہوا ہے اس کا بیان آئندہ صفحات میں ناظرین ملاحظہ کریں گے۔ یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ خود پسند اور کور باطن لوگ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور انھوں نے آپ پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے۔ آپ کی تحریرات میں تزویرات کر کے چہار اطراف میں پھیلایا۔ تحریفات و تزویرات کو پڑھ کر بعض سادہ لوح علماء پر اثر ہوا اور انھوں نے اس سلسلہ میں کچھ تحریریں بھی چھوڑی ہیں۔ حضرت مجدد نے یہ سب کچھ دیکھا اور سُنا لیکن بال برابر فرق آپ کی رَوش اور معمولات میں نہ آیا۔ اگر کسی مخلص نے اس سلسلہ میں کبھی کچھ عرض بھی کی تو آپ نے تبسم فرما کر یہ شعر پڑھ دیا۔

یارب آں غنچۂ خنداں کہ تو دادی بہ منش   می سپارم بہ تو از چشمِ حسودی چمنش

(ترجمہ) اے پروردگار وہ کھلی ہوئی کلی جو تو نے مجھ کو عنایت کی ہے اس کی بہاروں کو حاسدوں کی نظرِ بد

---

[1] حضرات قدس کے حضرت ثالثہ کے اواخر میں۔ [2] اشارہ ہے "آوِی اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ" کی طرف جو حضرت لوطؑ کا قول سورۂ ہود میں ہے۔

سے بچانے کے لئے تیرے حوالے کرتا ہوں[1]

عام طور پر جھوٹ اسی وقت تک پھلتا پھُولتا ہے جب تک اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی جب اس کا اظہار ہو جاتا ہے تو اس کی وقعت نہیں رہتی اور نہ کوئی اس کو زبان پر لاتا ہے، لیکن حضرت مجددؒ کے معاملے میں یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ جو پشتارۂ کذب و افترا ہوئے چار سو سال قبل ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہا تھا وہ آج تک اپنا رنگ و رُوپ بدل بدل کر سامنے آرہا ہے۔ اگر پہلے اس کام کو وہ افراد سر انجام دے رہے تھے جن کا تعلق مدارسِ عربیّہ سے تھا تو اب یہ خدمت ان لوگوں نے سنبھال لی ہے جو کالجوں سے وابستہ ہیں، اگر پہلے اس جھوٹ کا بیان عربی یا فارسی زبان میں ہوا کرتا تھا تو اب ہندی یا انگریزی میں ہو رہا ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مجھ کو یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ‏ ‏ ‏ من اندازِ قدت را می شناسم

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے بہت خوب لکھا ہے کہ۔

"اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور اس کی جو عادتِ مستمرہ اپنے انبیا کے ساتھ رہی ہے، اُسی کو اس نے حضرت مجدد کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہا نے آپ کا انکار کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو۔"[2]

حضرت مجدد کے نادان مُعاند جب تک جھوٹے الزامات کی ترویج کرتے رہیں گے، یقیناً آپ کے درجات اور حسنات میں اضافہ ہوتا رہیگا۔ ایسے افراد سے حضرت مجدد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ علیٰ رَغْمِ اُنُوفِہِمْ آپ کے درجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور یورپ کے یہودی اور عیسائی ان نادانوں کی کذب بیانی کا پردہ فاش کر رہے ہیں اور وہاں کے نومسلم آپ کے سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہاں یہ نادان حضرت مجدد کے متبعین و معتقدین کا دل زخمی کر رہے ہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ

مولانا آزاد نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں علمائے سوء اور مُلّا مبارک اور اُن کی اولاد کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

"اُس دَور میں بھی افراط و تفریط کی دو جماعتیں پیدا ہو گئیں، پہلی جماعت علمائے دنیا پرست اور متعصّبین جاہلین کی تھی جو اپنی ہوا پرستیوں اور تعصّب و جہالت سے اصل مذہب کو بدنام کر رہے تھے۔ دوسری جماعت اُن کے بمقابل مدعیانِ تحقیقِ جدید و اجتہادِ فکر کی تھی، جنھوں نے حکمت و دانشمندی اور مذہبِ عقلی و طریقِ حکیمانہ کے نام سے الحاد و بے دینی اور اباحت و بے قیدی

---

[1] زبدۃ المقامات کے فصل ہفتم کے اوائل میں ملاحظہ کریں۔ [2] عربی مکتوبات کی پہلی جلد کے صفحہ ۶۶ کو ملاحظہ کریں۔

کی گرم بازاری کر رکھی تھی۔ اور اہلِ حق و اقتصاد کا طریق ان دونوں سے الگ تھا۔ وہ جس طرح پہلی جماعت کے تسبیحِ زُور اور خرقۂ سالوس سے بیزار تھے، اسی طرح دوسری جماعت کے فریبِ عقل اور فتنۂ دانش و آزادی سے۔

ازاں دعویٰ بہ شیخ و برہمن ماند　　کہ ہر یک دادرے رامی پرستند

یہی صورت آج بھی درپیش ہے کہ مذہب کے دوکانداروں نے جہل و تقلید اور تعصب و ہواپرستی کا نام مذہب رکھا ہے اور روشن خیال و تحقیقِ جدید کے عقل فروشوں نے الحاد و بے قیدی کو حکمت و اجتہاد کے لباسِ فریب سے سنوارا ہے، نہ مدرسہ میں علم ہے نہ محرابِ مسجد میں خلاص اور نہ میکدے میں رندانِ بے ریا، اربابِ صدق و صفا ان سب سے الگ ہیں اور سب سے پناہ مانگتے ہیں، ان کی راہ دوسری ہے۔"[1]

مولانا آزاد نے اکبری دَور کا جو نقشہ کھینچا ہے اور پھر آجکل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے حضرت مجددؒ کے ساتھ وہی سب کچھ ہوا ہے اور اب ہو رہا ہے۔ آپ کی مخالفت ان لوگوں نے بھی کی جو مذہب کے دوکاندار تھے اور ان لوگوں نے بھی کی جو الحاد و نفاق اور اباحت و بے قیدی کے دلدادہ تھے اور اب اس دَور میں وہ لوگ کر رہے ہیں جو اپنے کو روشن خیال اور تحقیقِ جدید کا علمبردار سمجھتے ہیں اور جو کہ الحاد و بے قیدی اور فلسفۂ ویدانت و وحدتِ اَدیان کو حکمت و اجتہاد کے لباسِ فریب سے سنوار رہے ہیں۔

ہم کعبہ و ہم بت کدہ سنگِ رہِ ما بود　　رفتیم و صنم بر سرِ محراب شکستیم

یورپ میں ایک جماعت کا ظہور ہوا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اقوامِ عالم کے متعلق تحقیقات کرتی ہے، عرب ممالک میں اس جماعت کو "مستشرقین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسلام اور مسلمانوں پر اس جماعت کی خاص نظرِ عنایت ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض آزاد خیال مسلمان اس جماعت کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کے متعلق جو کچھ ان کے اساتذہ نہیں لکھ سکتے وہ سب کچھ اُن کے یہ نام لیوا لکھ رہے ہیں۔

میں جب اس قسم کے آزاد خیال افراد کی دروغ بیانیاں پڑھتا ہوں تو وہ حدیث شریف یاد آجاتی ہے جس کی روایت بخاری و مسلم نے حضرت ابوسعید خدری سے کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى قَالَ

---

[1] تذکرہ صفحہ ۳۷ و ۳۸

فمن۔ [1]

(ترجمہ) "تم قدم بہ قدم اُس روش پر چلوگے جو تم سے پہلوں کی ہے، اگر وہ گوہ کے غار میں (کسی جانور کے غار میں) گھسے ہیں تم بھی گھسوگے۔ کسی نے کہا، کیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں، آپ نے فرمایا۔ تو پھر کون"

اگر اسلام اور پیشوایانِ اسلام کے متعلق مستشرقین ہرزہ گوئی میں مصروف رہتے ہیں تو اُن کا دم بھرنے والے آزاد خیال نام نہاد مسلمان اسلام اور اکابرِ اسلام کے متعلق اُن سے بھی دو قدم آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فریاد کہ از زیرکی مرغِ سخن سنج　　بے دانہ زدش راہ و بہ دامِ خطر افتاد

اگر ان لوگوں کو مذہب اور اہلِ مذہب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے تو کم از کم اپنے کو دائرۂ انسانیت سے تو نہ گرائیں۔ کیا نقد اور تبصرہ اسی کو کہا جاتا ہے کہ الزام تراشی، تہمت طرازی اور تبرا بازی کی جائے۔

یار سُومِ پیلبانان یاد گیر　　یا مدہ ہندوستان برباد پیل

ایسے ہی لوگوں کے متعلق عارفِ نامی مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔

"مردمِ بدنفس چوں خواہند کہ عیب کسے برشمارند اول بدیہائے کہ در ذاتِ ایشان موجود است برزبان ایشان جاری می شود چہ آں بہ فہمِ ایشان نزدیک تراست۔" [2]

(ترجمہ) بدطینت افراد جب چاہتے ہیں کہ کسی کے عیوب کو ظاہر کریں تو پہل اُن برائیوں سے کرتے ہیں جو خود اُن کی ذات میں موجود ہیں کیونکہ وہ ان کی فہم اور سمجھ سے زیادہ قریب ہیں"

پانچ سال ہوئے مجھ سے ایک کرم فرما نے کہا تھا کہ لندن میں "جارج ایلین اینڈ اُون" نے ایک کتاب "دی انڈین مسلمز" (مسلمانانِ ہند) ۱۹۶۷ء میں شائع کی ہے۔ اس کے مصنف پروفیسر ایم۔ مجیب (شیخ الجامعہ) ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۴۳ سے ۳۱۵ تک حضرت مجددؒ کا ذکر ہے۔ مصنف نے حضرت مجددؒ پر اعتراضات کئے ہیں۔ یہ سن کر خیال ہوا کہ اس ترکشِ نو کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کے تیر کیسے ہیں اور کس قسم کے زہر میں بجھے ہوئے ہیں۔ اب دقت یہ پیدا ہوئی کہ کتاب انگریزی میں اور میں انگریزی سے نابلد۔ اتفاق سے دیرینہ کرم فرما عابد رضا بیدار صاحب نے یہ مشکل آسان کردی اور مطلوبہ انگریزی حصہ کا ترجمہ اُردو میں کرکے میرے حوالے کردیا۔ اللہ ان کو اس کا اجر عنایت کرے۔

میں ابھی اس ترجمہ کا مطالعہ اور کچھ یادداشتیں لکھ رہا تھا کہ ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ

---

[1] مشکات باب تغیر الناس فصل اوّل [2] رشحات میں مولانا جامیؒ کے نفائسِ قدسیہ میں دوسرا شعر۔

"بال کرشن بُک کمپنی" نے حضرت گنج لکھنؤ سے ۱۹۶۵ء میں مسلم ریوائیولسٹ مُوومینٹس" (مسلمانوں کی نشاتِ ثانیہ کی تحریکیں) شائع کی ہے اور اس کے مصنّف سید اطہر عباس رضوی شیعی ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لٹ۔ ایف۔ آر۔ ایس وغیرہ بھی تحریر ہے۔ اور اس خبر کے دینے والے صاحب نے یہ بھی بتایا کہ جن کے اشارے پر سید اطہر عباس نے یہ کتاب لکھی ہے، انھوں نے خوش ہو کر ان کو کسی یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کا صدر بنا دیا ہے۔ اے کاش سید اطہر عباس کی نظر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر بھی رہتی "مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیلٌ وَالآخِرَۃُ خَیرٌ لِّمَنِ اتَّقیٰ" فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت کا بہتر ہے پرہیزگار کو"

اور ان صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کتاب پر مجلّہ معارف میں جو کہ ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے۔ ۱۹۶۶ء کے جنوری، مارچ، مئی، ستمبر، اکتوبر، نومبر کے اعداد میں تحقیقی مقالات چھپے ہیں، چنانچہ میں نے اُن مقالات کو پڑھا اور مئی کے پرچے میں درج ذیل عبارت نظر سے گزری۔

"مصنّف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انبیائے کرام کی ذواتِ مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے۔ مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہیئے اُسے تبرّا نہیں بنا دینا چاہیئے"

یہ عبارت اگرچہ مختصر ہے لیکن اس سے مصنف کے میلانِ طبع "تبرّا بازی" کا پتہ چلتا ہے۔

خوے بد کہ در سرشت نشست
نہ رَوَد جز بہ مرگ زینہار

ان مقالات کے پڑھنے سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ پروفیسر مجیب کی کتاب کا سرچشمہ یہی کتاب ہے۔

میں اس زمانے میں "مقاماتِ خیر" کی تالیف میں مصروف تھا۔ یہ کتاب اُردو میں حضرت سیدی الوالد شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین قدس سرہٗ کی سوانح حیات ہے۔ اس کتاب کی تالیف و طباعت کے بعد "مقاماتِ اخیار" کی تالیف و تدوین اور طباعت میں مصروف ہو گیا۔ یہ کتاب اسی موضوع پر فارسی میں ہے اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے بہ خیر و خوبی اس کام سے فارغ کیا۔ اب مجھ کو اس خلش کے ازالہ کا موقع ملا جو کہ پانچ سال سے کھٹک رہی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ کتاب "حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین" معرضِ وجود میں آئی۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں حضرت مجدد کا مختصر حال اور آپ کی دینی خدمات کا اور آپ کی مخالفت کے اسباب کا بیان ہے اور جناب شیخ عبدالحق کے مکتوب پر کچھ تبصرہ بھی کیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو آپ کی شخصیت اور حقیقتِ حال کا علم ہو اور دوسرے حصہ میں ڈاکٹر اطہر عباس رضوی اور پروفیسر ایم۔ مجیب کی تحقیقات کا جائزہ لیا ہے۔

برادرِ طریقت محمد نعیم اللہ بہرائچی نے اس کتاب کی دو تاریخیں نکالی ہیں۔

ہجری سن سے :۔

آہ مُجدّدِ الفِ ثانی اور محقّقین = ۱۳۹۶

اور عیسوی سن سے :۔

حضرت مُجدّد اور عجیب معاندین = ۱۹۷۶

دونوں تاریخوں سے حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے۔ جَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

ابوالحسن زید فاروقی

یکشنبہ { ۲۸۔ صفر ۱۳۹۶ھ
۲۹۔ فروری ۱۹۷۶ء

خانقاہ حضرت شاہ غلام علی معروف بہ درگاہ شاہ ابوالخیر
شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶

پہلا حصہ

آہ مُجدّدِ الفِ ثانی اور مُحقّقین

۶ ۴ ھ ۳ ۱

آپ کا اسمِ گرامی احمد ہے۔ کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور خطاب امامِ ربّانی مجدّدِ الفِ ثانی۔

آپ کی ولادت سرہند میں شبِ جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو ہوئی۔ لفظ "خاشع" سے سالِ ولادت ظاہر ہے۔ گریگواری شمسی عیسوی حساب سے ۵۔ جون ۱۵۶۴ء تاریخ تھی۔

آپ کی وفات روزِ سہ شنبہ ۲۸۔ صفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند شریف میں ہوئی۔ بعض نے چاند کی ستائیس اور بعض نے انتیس بھی لکھی ہے اور یہ اختلاف مطالع کی بنا پر ہے۔ دن سہ شنبہ ہی ہے۔ گریگواری حساب سے شمسی تاریخ ۱۰۔ دسمبر ۱۶۲۴ء تھی۔[1]

عمرِ شریف قمری حساب سے باسٹھ سال چار ماہ چودہ دن اور شمسی حساب سے ساٹھ سال چھ ماہ پانچ دن کی ہوئی۔

اپنے مسکن اور مسجد شریف کے قریب اپنے محبوب فرزند حضرت محمد صادق کے گنبد میں اُن کے پہلو میں بہ جہتِ غرب مدفون ہوئے۔ سَلَامٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (ترجمہ) سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر۔

سلام از ما رسد ہر دم بہ جانش الٰہی از تو رحمت بر روانش

آپ کا سلسلۂ نسب امام الاعدلین امیر المومنین حضرت عمر الفاروق تک اکتیس وسائط سے پہنچتا ہے۔[2]

---

[1] واضح رہے کہ مقاماتِ خیر اور مقاماتِ اخیار میں تاریخ وفات شمسی حساب سے ۲۶۔ نومبر ۱۶۲۴ء اور عمرِ شریف ۵ ماہ ۲۱ دن سہواً لکھی گئی ہے، اس کی تصحیح کر لی جائے۔

[2] اس سلسلہ میں اگر تحقیق مطلوب ہو تو مقاماتِ خیر کے صفحہ ۳۳۔ اور مقاماتِ اخیار کے صفحہ ۲۴ کو دیکھا جائے۔

آپ کے چھٹے دادا امام رفیع الدین ہیں۔ اُن کا مزار پُرانوار مضافاتِ سرہند میں ہے۔ اُن کے نویں دادا شہاب الدین علی معروف بہ فرخ شاہ کابلی تھے۔ اُن کا مزار کابل سے شمال کی طرف تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر دَرّہ کوہ میں واقع ہے۔ انہی کی نسبت کی وجہ سے حضرت مجدد کے نام کے ساتھ لفظ کابلی لکھا جاتا تھا۔ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر کا سلسلۂ نسب بھی حضرت فرخ شاہ کابلی سے ملتا ہے۔ وہ حضرت گنج شکر کے چھٹے دادا ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم العلیۃ۔

آپ کے والد بزرگوار کا نام عبدالاحد اور شہرت مخدوم سے تھی۔ اسی مناسبت سے آپ کی اولاد کو مخدومی کہا جاتا ہے۔ آپ کے سات صاحبزادے تھے۔ وَسَطِ قِلَادَہ حضرت مجدّد کی ذاتِ بابرکات تھی۔ خوردسالی ہی سے آپ کے اوضاع واطوار عام بچّوں سے جُدا تھے۔ آپ کی جبینِ مبین سے سیمائے ہوشمندی اور ستارۂ بلندی کی چمک دَمک ظاہر تھی۔ اصحابِ بصیرت وارباب خِرد آپ کو دیکھ کر محسوس کرتے تھے کہ آپ اپنے وقت کے مایۂ ناز فرد ہوں گے۔ خواجہ محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ خوردسالی میں آپ علیل ہوگئے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ آپ کو حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری کے پاس لے گئیں اور التماسِ دعا کی۔ شاہ کمال نے فرمایا۔ پریشان خاطر نہ ہو یہ بچہ عمر پائے گا اور خلقِ خدا اس سے فیضیاب ہوگی۔ [1]

حضرت مخدوم جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ زبدۃ المقامات میں آپ کی دو تالیفات کا ذکر آیا ہے جن کا نام کنوزالحقائق اور اَسرارِ تشہّد ہے۔ اسرار تشہد کا کچھ حصّہ خواجہ ہاشم نے نقل بھی کیا ہے جو عربی میں ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صاحبِ تحقیق وتدقیق تھے۔ علومِ اَسرار و معارف میں آپ کا پایہ بلند تھا۔ آپ کی نہاد میں خداطلبی کا جذبہ بہ درجۂ اتم موجود تھا۔ ابھی آپ علمِ ظاہر کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ کششِ باطن آپ کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں لے گئی اور آپ حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کریں لیکن حضرت شیخ نے آپ سے فرمایا پہلے علمِ ظاہر حاصل کرلو پھر علمِ باطن حاصل کرنا۔ آپ نے عرض کی۔ آپ کی ضعیفی ہے شاید پھر ملاقات نہ ہوسکے۔ حضرت شیخ نے کہا۔ میرے فرزند رکن الدین سے معارف حاصل کرلینا۔ چنانچہ یہی صورت واقع ہوئی اور آپ نے بعد میں شیخ رکن الدین سے استفادہ کیا اور خلافت پائی۔ شیخ رکن الدین نے جو خلافت نامہ عربی میں لکھ کر عنایت کیا، وہ فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ خلافت نامہ تین اوراق میں ہے۔ میں ابتدا کی چند سطریں نقل کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بُشْرٰى لَقَدْ اَنْجَزَ الْاِقْبَالُ مَا وَعَدَا　　　وَكَوْكَبُ الْمَجْدِ فِي الْاُفُقِ الْعَلٰى صَعِدَا

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۹۹

بشری ترا کہ دولتِ اقبال رُو نمود   انجازِ وعدہ کرد و نقابے ز رُخ کشود
در آسمانِ رفعت شمسے برآمدہ   نورے ازاں بتافتہ اندر جہاں نمود

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ وَکَرَّمَهٗ بِخِلَافَتِهٖ وَاَجْرٰی تِلْكَ السُّنَّةَ بَیْنَ اَنْبِیَائِهٖ وَاَوْلِیَائِهٖ وَقَدَّمَ اِحْسَانَهٗ عَلٰی مِنَّتِهٖ وَاَخَّرَ شُکْرَهٗ عَلٰی نِعْمَتِهٖ وَهُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، لَامُؤَخِّرَ لِمَا قَدَّمَ، وَلَامُقَدِّمَ لِمَا اَخَّرَ وَلَامُعْلِنَ لِمَا اَبْطَنَ وَلَامُخْفِیَ لِمَا اَظْهَرَ۔ الخ[1]

آپ نے یہ خلافت نامہ ۹۷۹ھ میں لکھ کر دیا۔ حضرت مخدوم کو اگرچہ خلافت مل گئی لیکن آپ کے جذبۂ خدا طلبی کو تسکین نہیں ہوئی، لہٰذا آپ نے دُور دراز مقامات کا سفر کیا۔ لاہور، رہتاس، جونپور، بنگال وغیرہ گئے اور مشائخ سے فوائد حاصل کئے۔

آپ کو فصوص الحکم اور عوارف المعارف سے خاص لگاؤ تھا اور ان دونوں کتابوں کو تحقیق و تدقیق سے پڑھایا کرتے تھے۔ بیعت کسی کو نہیں کیا۔ البتہ حضرت مجددؒ آپ سے بیعت ہوئے اور منازلِ سلوک طے کئے۔ "مبدا و معاد" میں تحریر فرماتے ہیں: "اس درویش کو فردیت کی نسبت جس سے عروجِ اخیر وابستہ ہے حضرت والد سے حاصل ہوئی ہے۔"

حضرت مجددؒ نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم و فنون کی زیادہ تر کتابیں اور تصوّف کی ساری کتابیں حضرت مخدوم سے پڑھیں اور پھر فضلائے روزگار سے جا کر تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں سے کمال الدین کشمیری، قاضی بہلول بدخشانی، شیخ یعقوب صرفی قابلِ ذکر ہیں۔ خواجہ ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ آپ سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔

اس زمانہ میں آگرہ دارالسلطنت اور مرکزِ اہلِ فضل و کمال تھا۔ اصحابِ استعداد کو اہلِ فضل و کمال کی ملاقات کا شوق ہوا کرتا ہے اور خاص کر اوائل دور میں یہ شوق غالب رہتا ہے چنانچہ حضرت مجددؒ کو بھی یہ شوق ہوا اور آپ نے آگرہ کا قصد کیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ آپ اوائل عقدِ سوم میں آگرہ تشریف لے گئے یعنی بائیس تیئیس سال کی عمر میں۔

خواجہ ہاشم نے قیامِ آگرہ کا ایک واقعہ لکھا ہے جس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

"حضرت مجددؒ احیاناً ابوالفضل کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ابوالفضل فلاسفہ کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔ حضرت مجددؒ نے ان سے کہا۔ امام غزالی نے رسالۂ "اَلْمُنْقِذُ مِنَ الضَّلَال" میں لکھا ہے کہ وہ علوم جو کار آمد ہیں جیسے علمِ نجوم، ہیئت، طب، تو ان علوم کو

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۴۹ - اور مطبوعہ محمود پریس لکھنؤ کے صفحہ ۹۲ ، ۹۳ -

فلاسفہ نے انبیائے ماسبق کی کتابوں سے لیا ہے اور جن علوم کا بیان خود فلاسفہ نے کیا ہے جیسے ریاضی تو وہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ یہ سُن کر ابوالفضل متغیر ہوئے اور انھوں نے کہا "غزالی نامعقول گفتہ است" غزالی نے سمجھ میں نہ آنے والی بات کہی ہے۔ اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے اس کلام میں چنداں قباحت نہیں لیکن بہ اعتبار استعمال کے متضمن قباحت ہے۔ حضرت مجدد کو اس کی تاب نہ ہوئی اور یہ فرماکر چلے آئے "اگر ذوقِ صحبت ما اہل علم داری ازیں حرفہائے دور از ادب زبان باز دار" اگر ہم جیسے اہلِ علم سے تم کو ملنے کا شوق ہے تو ایسے دور از ادب الفاظ سے اپنی زبان کو روکو"[1] ابوالفضل کی بات کا جو اثر حضرت مجدد پر ہوا اور جو کچھ آپ نے ابوالفضل کے احوال ملاحظہ کئے اس کے نتیجے میں آپ نے عربی میں رسالہ "اثباتِ نبوت" تحریر کیا، لیکن یہ رسالہ ناتمام رہ گیا، آخری حصہ "المَقَالَةُ الثَّانِيَةُ فِي ذَمِّ الْفَلْسَفَةِ" کی سُرخی آپ نے لکھی ہے اور مضمون تشنۂ تحریر ہے۔ انہی ایام میں آپ نے رسالہ ردِّ شیعہ بھی لکھا ہے جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

ان دو رسالوں کے مطالعہ سے آپ کے جذبۂ ایمانی اور غیرتِ اسلامی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کی نکتہ سنجی اور دقّتِ نظر کس پایہ کی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ شیخ عبداللہ نے تفسیر "تبصیر الرحمٰن" از شیخ علی مہائمی آپ کے پاس ارسال کی۔ آپ نے بعض مواضع سے اس کو دیکھا اور ایک مکتوب کے ساتھ وہ تفسیر واپس کردی۔ آپ کے مکتوب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"مؤلف کا رُجحان فلسفہ اور فلاسفہ کی طرف بہت ہے۔ سورۂ ہُود کی سولھویں آیت ہے "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ" اس کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (بِاتِّفَاقِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْحُكَمَاءِ) اِلَّا النَّارُ (الْمَحْسُوْسَةُ اَوِ الْمَعْقُوْلَةُ) یعنی "جن کو کچھ نہیں پچھلے گھر میں (بہ اتفاق انبیاء وحکما) سوائے آگ (آگ حسّی ہو یا عقلی ہو)" مؤلف نے انبیا کے ساتھ فلاسفہ کا ذکر کیا اور پھر انبیا کے مسلک کے ساتھ کہ وہ آگ حسّی ہے فلاسفہ کا مسلک بیان کردیا کہ چاہے وہ آگ عقلی ہو۔ اس طرح کے بیان سے فلاسفہ کی ہمسری انبیا کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ ایسی کتاب کا مطالعہ نقصان سے خالی نہیں۔[2]

جس حقیقت اور مفسدہ کی طرف حضرت مجدد کا ذہنِ وَقّاد گیا ہے عوام تو درکنار خواص تک اِس کے ادراک سے قاصر ہیں۔ یہ ہے "اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" کی ایک مثال "بے شک یہ کام ہمّت کے ہیں"۔

---

[1] زبدۃ المقامات کے صفحہ ۲۰۳ سے ۲۰۵ تک ملاحظہ فرمائیں۔ [2] مکتوب ۱۰۱ دفتر سوم کو مطالعہ کریں۔

آپ کا قیامِ آگرہ میں کچھ زیادہ ہوگیا، حضرت مخدوم تابِ ہجراں نہ لاسکے اور باوجود پیرانہ سالی کے عازمِ آگرہ ہوئے۔ آگرہ میں بعض فضلا نے آپ سے دریافت کیا۔ یہ زحمت کیوں برداشت کی۔ آپ نے فرمایا "شوقِ ملاقات فرزندِ دلبند شیخ احمد سلمہٗ، مجھ کو کھینچ لایا۔ ع "یوسف نہ رود کنعاں یعقوب بروں آید" آپ حضرت مخدوم کے ساتھ سرہند شریف آئے۔ سلسلۂ ازدواج میں منسلک ہوئے اور جب تک حضرت مخدوم باحیات رہے اُن کی خدمت میں رہے اور استفادہ کرتے رہے۔ آپ کو جو بھی نعمت ملی وہ حضرت مخدوم کی دعاؤں کا ثمرہ تھا۔

وصول بہ کعبۃ الآمال

سالہا سال سے آپ حج و زیارت کے متمنّی تھے لیکن حضرت مخدوم کی وجہ سے سفر نہیں کرسکتے تھے۔ جب حضرت مخدوم دنیا سے سفر کرگئے تو آپ کو موقع ملا کہ اپنی خواہش پوری کریں۔ چنانچہ ۱۰۰۸ھ میں حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا یہ شعر آپ کے حسبِ حال واقع ہوا۔

می گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں　　عالم آشوب نگاہے سرِ راہم بگرفت

آپ دہلی پہنچے مولانا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی۔ وہ آپ کے شناسا اور حضرت خواجہ کے مُرید تھے۔ انھوں نے حضرت خواجہ کے کمال کا ذکر کیا کہ طریقۂ نقشبندیہ کے صاحبِ کمال ہیں۔ چونکہ آپ نے حضرت مخدوم سے بارہا سُنا تھا "مرکزِ ایں دائرہ و شاہ راہِ ایں بادیہ بہ دست طائفہ نقشبندیہ افتادہ است" اور حضرت مخدوم کہا کرتے تھے۔ یا تو اللہ مجھ کو حضراتِ خواجگان کے دیار میں پہنچادے یا اُن میں سے کسی صاحب کمال کو یہاں لے آئے تاکہ ان کی نسبت سے استفادہ کروں" اب جب آپ نے مولانا حسن سے حضرت خواجہ کا ذکر سُنا تو ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ کی خواہش پر دو ہفتہ کی مہمانی قبول کی۔ ابھی دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ کی کیفیت بدلی اور حضرت خواجہ کی کشش غالب آئی اور آپ بہ زبانِ حال

كَمُلَتْ مَسَافَةُ كَعْبَةِ الْآمَالِ　　حَمْدًا لِمَنْ قَدْ مَنَّ بِالْإِكْمَالِ

کہتے ہوئے حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے یعنی کعبۂ مرادات تک پہنچنے کی مسافت پوری ہوئی، شکر ہے اُس پاک ذات کا جس نے دولتِ اکمال سے مالا مال کردیا۔

آپ نے سالہا سال ریاضتیں کی تھیں، مختلف سلاسل سے فیضیاب ہوئے تھے، ساحتِ سینہ پاک صاف اور مجلّیٰ مزکّیٰ تھا۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ کی کیفیت ظاہر تھی۔ یعنی ایسا لگتا ہے کہ اس کا تیل سلگ اُٹھے اور ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ" صرف تیل دکھانے کی کسر تھی اور وہ حضرت خواجہ کی صحبت تھی۔ آپ نے مہمانی چھوڑی اور ڈھائی مہینے حضرت خواجہ کی دربانی کرکے دولتِ اکمال و تکمیل اور مبشّراتِ خلافتِ الٰہیہ حاصل کرکے سرہند مراجعت فرمائی،

پھر اپنے گھر کے قریب "مسجدِ مردانِ خدا۔ سنہ ۱۰۰۸ھ" تعمیر کی۔ یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کا ہر ذرہ فلکِ ہدایت پر مہرِ درخشاں بن کر چمکا، یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے ہزاروں بندگانِ خدا اپنے سر پر تاجِ رضا رکھ کر مملکتِ قناعت و تسلیم کے بادشاہ بنے۔ یہی وہ مبارک مسجد ہے جہاں سے طریقۂ مبارکۂ نبویّہ علیٰ صاحبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ کی ترویج اطرافِ عالم میں ہوئی، یہی وہ مبارک مسجد ہے، جہاں سے سلسلۂ نقشبندیہ کی نہریں بدخشاں اور ماوراالنہر پہنچیں اور یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کی خاک پر بیٹھ کر ایک مردِ خدا آگاہ نے اکبر کی طاغوتی طاقتوں کو شکست دی اور "وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَھُوْنَ" کا ظہور ہوا۔ (ترجمہ) اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

حضرت خواجہ نے اُنہی دنوں میں ایک مخلص کو تحریر فرمایا ہے۔

"شیخ احمد نام مردے است در سرہند کثیر العلم و قوی العمل روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کرد، عجائب بسیار از روزگار و اوقات او مشاہدہ کردہ، بہ آں می ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردند، بحمد اللہ تعالیٰ احوال کاملۂ او مرا بہ یقین پیوستہ ایں شیخ مشار الیہ برادران و اقربا دارد، ہمہ مردم صالح واز طبقۂ علماء، چندے را دعا گو ملازمت کردہ از جواہرِ عالیہ دانستہ استعدادہائے عجیب دارند، فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال و اسرارِ الٰہی اند بالجملہ شجرہ طیبہ اند، اَنْبَتَہُ اللّٰہُ نَبَاتًا حَسَنًا۔ الغرض بہ جہتِ کثرتِ عیال و علو فقر و بے معاشی تفرقہ در اوقات آں جماعت ہست، اگر از وجہ چہل یک ہر سال قدرے معین بہ آں خانوادہ برسد، چنانچہ کاتب قسمتی درمیان ایشان قرار دہد بہ غایت مستحسن است موروثِ خیر بسیار، ہر چند کہ اندکے باشد رکن عظیم از خیرات خواہد بود، فقرائے باب اللہ اند دلہائے عجب دارند، زیادہ جرأت است۔"[1]

(ترجمہ) "سرہند میں بہت علم اور قوی عمل والے ایک شخص رہتے ہیں، ان کا نام شیخ احمد ہے۔ کچھ دن فقیر ان کے ساتھ رہا، اُن کے اوضاع و اطوار سے بہت کچھ عجائبات ظاہر ہو رہے ہیں میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایسا روشن چراغ ہوں گے جس سے دنیا روشن ہو جائیگی۔ ان کے کمالات کو دیکھ کر اللہ کے فضل سے مجھ کو اس کا یقین ہے۔ آپ کے برادران اور اقربا بھی نیک اور علماء کی جماعت میں سے ہیں۔ ان میں سے بعض افراد سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ میری نظر میں وہ سب جواہرِ عالیہ ہیں، عمدہ صلاحیت کے مالک ہیں۔ شیخ مذکور کی اولاد جو ابھی کم عمر بچے ہیں اسرارِ الٰہی ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ مثلِ شجرۂ طیبہ کے ہیں اللہ ان کی اچھی پرورش فرمائے۔

عیال کی کثرت اور فقر و بے معاشی کی وجہ سے اس جماعت کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] رقعات خواجہ باقی رقعہ ۶۵۔

اگر چالیس میں سے ایک کی کوئی مقدار اس گھرانے کے واسطے مقرر کردیں کہ ہر سال پہنچ جایا کرے اور یہ کاتب اس کی تقسیم مقرر کردے تو بہتر اور مورثِ خیر کثیر ہے۔ یہ مقدار چاہے کتنی ہی کم ہو، خیرات میں رکنِ عظیم رہے گی۔ یہ لوگ اللہ کے در کے فقراء ہیں، عجیب وغریب دل رکھتے ہیں۔ زیادہ گستاخی۔"

مولانا بدرالدین سرہندی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کا یہ بیان لکھا ہے۔

"چوں حضرت مخدوم مولانا خواجگی امکنگی مارا امر کردند کہ بہ ہندوستان بروید تا ایں سلسلۂ شریفہ را از شما رواجے پیدا شود و ما خود را شایان ایں معنی نہ دیدہ تواضع نمودیم ایشاں امر بہ استخارہ فرمودند۔ استخارہ نمودیم، دراں استخارہ دیدیم کہ گویا طوطی بر سر شاخے نشستہ است و ما در دل خود نیت کردیم کہ اگر ایں طوطی ازاں شاخ پریدہ بر دست ما نشیند پس مارا دریں سفر کشائشہا خواہد بود، بہ مجرد خطور ایں خاطر آں طوطی پرواز نمودہ بر دست ما نشست و ما منقارِ وے را در دہانِ خود گرفتیم از لعاب خود بہ وے چشانیدیم گویا گر دید بار دگر منقارش در دہان خود گرفتیم و در دہان ما شکر ریخت، تعبیر ایں واقعہ چنیں کردیم کہ طوطی چوں از طیور ہندوستان است عزیزے از ہندیہ ما متوسل شود کہ بہ معارف وحقائق واسرار گویا گردد و مارا نیز از وے فائدہ رسد، ایں واقعہ را با تعبیر آں در خدمت مولانا گزرانیدیم، مولانا فرمود، تعبیر ایں واقعہ را چنیں است کہ بہ خاطر شما راہ یافتہ، دیرگاہ است کہ بزرگانِ منتظر قدوم آں عزیز اند شتابید و آں عزیز را دریابید، معلوم شد کہ آں عزیز از دامن شما پرواز خواہد کرد۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ بعد اتمام ایں کلام خطاب بہ آں قطب الاقطاب کردہ فرمودند کہ ما ایں واقعہ را اشارت وبشارت نسبت بہ حال شما می دانیم، آخر کار موافقِ تعبیر حضرت خواجہ بہ وقوع آمد۔[1]

(ترجمہ) "جب مجھ کو مولانا خواجگی امکنگی نے حکم دیا کہ ہندوستان جاؤ تاکہ وہاں یہ سلسلہ تم سے رائج ہو، میں نے اپنے کو اس کام کے لائق نہ پاکر عذر کیا۔ آپ نے استخارے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے استخارہ کیا اور دیکھا کہ ایک طوطا ٹہنی کے سرے پر بیٹھا ہے۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ اگر یہ طوطا ٹہنی پر سے اُڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو میرے واسطے یہ سفر اچھا رہے گا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ طوطا میرے ہاتھ پر آبیٹھا میں نے اپنے منہ میں اس کی چونچ لے کر اپنا لعاب اس کے منہ میں ڈالا وہ چبھایا۔ جب دوسری مرتبہ اس کی چونچ اپنے منہ میں لی تو اُس نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ میں نے اس واقعہ کی تعبیر اس طرح کی کہ طوطا ہند کا پرندہ ہے، مجھ سے ہند میں کوئی عزیز وابستہ ہوگا اور معارف وحقائق واسرار پر گویا ہوگا اور مجھ کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ میں نے یہ واقعہ اور تعبیر مولانا سے بیان کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہی حقیقت ہے جو تم نے بیان کی۔ ایک

---

[1] حضرات القدس، حضرت سوم، درجہ پنجم ص۱۳۰ و ۱۳۱

مدّت سے اس عزیز کے انتظار میں بزرگ ہیں، جلد جاؤ اور اس کو پاؤ۔ وہ عزیز تمہارے دامنِ تربیت سے نکلے گا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت خواجہ نے حضرت مجدد سے کہا میں اس اشارت و بشارت کو تمہارے حسبِ حال پاتا ہوں۔ اور جو حضرت خواجہ کا خیال تھا وہی ظاہر ہوا"

حضرت خواجہ نے اس واقعہ کے بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے مُریدوں کو بھی آپکے حوالہ کر دیا ہے۔ خواجہ ہاشم نے اپنے مرشد میر محمد نعمان کا بیان لکھا ہے کہ۔

"بہ ایں فقیر محمد نعمان نیز فرمودند کہ خدمت ایشان را سعادت خود دانستہ ملازم باش — بہ مقتضائے ہم پیرگی در نفوس چوں رعونتہا متمکن بود معروض داشتم کہ قبلۂ توجہ من درگاہِ شما است ہر چند ایشان بزرگ باشند حضرت خواجہ از روئے غضب فرمودند کہ میاں شیخ احمد آفتابے است کہ مثل ما ہزاراں ستارگاں در ضمن ایشان گم است و از کمل اولیائے متقدمین خال خالے مثل ایشان گزشتہ باشند" [1]

(ترجمہ) حضرت خواجہ نے مجھ فقیر محمد نعمان سے فرمایا کہ میاں شیخ احمد کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھو اور ان سے وابستہ ہو جاؤ چونکہ وہ میرے پیر بھائی تھے اس لئے میرے نفس میں خودداری تھی۔ میں نے عرض کی کہ میری توجہ تو آپ کا سنگِ در ہے وہ چاہے جتنے بڑے بزرگ ہوں۔ آپ نے ازروے غضب مجھ سے فرمایا۔ میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اُن کے ضمن میں گم ہیں اور کاملین اولیائے متقدمین میں اُن جیسا خالِ خال ہوا ہو گا۔ یعنی بہت کم۔"

شیخ بدرالدین نے حضرت القدس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نے پہلی مرتبہ حضرت مجدّد کو دولتِ کمال و تکمیل کی بشارت دی اور دوسری مرتبہ اپنے مُریدوں کو آپ کے حوالے کیا اور تیسری مرتبہ الطاف و عنایات کی حد کر دی۔ حضرت خواجہ کا مسکن قلعہ فیروزی میں تھا۔ آپ کو جب تیسری مرتبہ حضرت مجدّد کی تشریف آوری کا علم ہوا تو پا پیادہ دروازۂ کابلی تک برائے استقبال تشریف لے گئے

"دریں مرتبہ حضرت خواجہ ایشان را اکرام و احترام فوق الحدمی نمودند چناں کہ ہر گاہ از مجلس بر می خواستند و یا بہ راہے می رفتند رجوع القہقری می کردند مبادا کہ پشت بہ جانب ایشان شود و در راہ رفتن نیز ایں رعایت می نمودند و بہ طُلّاب و حُضّار می فرمودند کہ زنہار در حضور ایشان تعظیم من نہ کنید و جمہور اصحاب خود را بہ ایشان حوالہ نمودند و بالکل معاملۂ مشیخت و ارشاد را بہ ایشان سپردند بلکہ فرزندان گرامی خود را کہ اطفال رضیع بودند طلبیدہ از آنحضرت طلب توجہ در بابِ ایشان کردند" ص ۲۱۔ اس مرتبہ حضرت خواجہ نے حضرت مجدّد کے اکرام و احترام میں حد کر دی۔ جب آپ کی مجلس سے اُٹھتے تھے یا کسی راہ پر چلتے تھے تو اُلٹے پاؤں مراجعت کرتے تھے اور طالبانِ حق اور حاضرینِ مجلس

---

[1] زبدۃ المقامات در احوال میر محمد نعمان ص ۲۶۳

سے فرماتے خبردار آپ کے سامنے میری تعظیم نہ کرو اور اپنے جمہور اصحاب کو آپ کے حوالے کرکے مشیخت وارشاد کا معاملہ بالکلیہ آپ کے سپرد کر دیا بلکہ اپنے دونوں شیر خوار بچوں کو طلب فرما کر آپ سے ان کے واسطے توجہ طلب کی۔" خواجہ ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات کے صہ۲۴۱ میں لکھا ہے کہ دونوں صاحبزادے اناؤں کی گود میں تھے اور آپ نے ان کو توجہ دی اور پھر حضرت خواجہ نے ان کی والدات کے واسطے غائبانہ توجہ کرنے کو فرمایا اور آپ نے امتثالِ امر کیا۔"

حضرت خواجہ کے مبارک احوال ورسائل اور ملفوظات ورقعات کو آپ کے کسی صادق مُرید نے جمع کیا ہے وہ حضرت مجدد کو استادی لکھتا ہے۔ اس نے حضرت خواجہ کا مرثیہ سات بند کا نہایت دردانگیز لکھا ہے۔ ہر بند کے آٹھ شعر ہیں، بجز تیسرے بند کے کہ اس میں سات شعر ہیں ہو سکتا ہے کہ ناسخ سے نقل کرتے وقت ایک شعر رہ گیا ہو، پانچویں بند میں اپنا تخلص رشدی لکھا ہے، میں تبرکاً آخری بند نقل کرتا ہوں۔

از حق ہزار مکرمت وآفریں برو　　شد ختم سرفرازی دنیا و دیں برو
چوں مادرِ زمانہ نہ دارد چو او پسر　　زاں است گریہائے زمان و زمیں برو
بربام خود کشید پئے فخر چوں مسیح　　دل بستہ بود چوں فلکِ چارمیں برو
دانستم آں کہ بود چو من عاشقِ رخش　　کز بام ریخت زہرہ گلِ یاسمیں برو
بلبل نہفت در غزلش خنجر و سناں　　گل چاک کرد پیرہنِ نازنیں برو
دلہا بہ خاک او چو مگس بر شکر گرو　　صد حسرت است در جگرِ انگبیں برو
برقدرِ دردِ او نہ توانیم گریہ کرد　　گریند تا بہ حشر شہور و سنیں برو

آہ ایں چہ ماتم است کہ خونِ جگر بسوخت
ہر لحظہ ام بہ درد و غم تازہ تر بسوخت

آخر کے چار رقعات حضرت مجدد کے نام ہیں۔ ہر رقعہ کے ساتھ جامع نے کچھ حال بھی لکھا ہے بنابریں میں اس حصہ کو نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

رقعہ (صہ۸۳) حق سبحانہ وتعالیٰ باعلیٰ مراتبِ کمال واکمال برساند، وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ۔ تکلفے نیست آنچہ حقیقتِ حال است نوشتہ می شود، پیرِ انصار قدس سرہٗ می فرمودند کہ من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود باوجود پیریش مُریدی من می کرد، ہر گاہ صفتِ آں بے صفتاں ایں باشد گرفتارانِ آثارِ صفات چرا جاں فدائے لوازمِ طلب گاری نکنند واز ہر کجا بوئے بہ مشامِ ایشان برسد درپے آں نہ روند، اکنوں توقف واہمالِ ما نہ از استغنا و بے نیازی است موقوفِ اشارت است ہ

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں   خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

بارے نسخۂ حال و ارادۂ ما اینست، خدا برآنچہ می باید فہستہ گرداند و از عُجب و پندار مخلص بخشد بقیۃ المقصود، جناب سیادت مآب امیر صالح سلمہ اللہ اظہار طلب نمودند چوں وقت فقیر مقتضی آں نہ بود تضییع اوقات ایشان دادن از مسلمانی نہ نمود، لاجرم بہ صحبت شما فرستادہ شد، ان شاء اللہ بہ قدرِ استعداد بہرہ مند گردند و توجہ لطفِ کامل بیابند۔ والدعاء۔

بعد ازاں کہ جناب مخدومی استادی میاں شیخ احمد سرہندی بہ درجۂ کمال و تکمیل بلوغ نمودند و از بس دید عظمت و بے نہایت حضرت مقصود عزّ قدرہ و مزید طلب کہ آخر نفس حضرت ارشاد پناہی خود را مبتدی می دیدند و نظر در حاصل خود نہ می انداختند، مکاتبات بہ روشِ مذکورہ بہ مخدومی مذکور شرفِ صدور می یافت و در خلاو ملا بر وفق ایں مضمون ناطق بودند و کمالات جناب مشار الیہ را زیادہ از آنچہ سلیقۂ کاتب در قلم آرد از حضرتِ ایشان شنودہ در چنیں اوقات بہ ایں عنایت نامہ نوازش فرمودند۔

رقعہ (۸۴) حق سبحانہٗ و تعالیٰ بہ کمال صفا برساند، جمعے از دوستان کہ گرفتارِ بار وجود ما بودند، چوں ما در مضیق "وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" در بند مصلحت فکر و عقل ما اقتضائے آں کرد کہ دریں برشگال از مقابلۂ ایں بوقلمون دور افتادہ در تحت اشعۂ آفتاب شہود زندگانی نمایند، ان شاء اللہ العزیز بہ نیکی و پاکی آخر رسد، فوائد جماعت و صحبت محقق است و روشن، چہ حاجتِ اظہار۔

ما گرفتاریم بر ما ناوکِ بے داد ریز   سنبل و گل بر کنارِ مردمِ آزاد ریز

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ جَمِيْعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ، دیگر دیرے است کہ از احوالِ شریفِ خود چیزے رقمے نہ فرمودہ اند، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ خیر مانع باشد، بعد از برشگال اگر راہ استخارہ باشد خواہد آمد وَاِلَّا فَلَا، لیکن آنچہ در استخارہ ظاہر شود بہ ما بنویسند، اگر تعبیر خود نیز نویسند نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ۔ والدعاء۔

بعد از ترکِ مشیخت و شروع در مزید انزوی سوائے چند نفر مخصوص ہمہ حاضران را در اول فرمودہ بودند کہ بہ خدمت استادی میاں شیخ احمد سلمہ اللہ بروند چوں گسیختن ایں چنیں مخلصان بہ یکبارگی ازیں درگاہ بغایت امر دشوار بود، ملول شدند، آخر جمع را بہ الطاف و ترغیبات راضی کردہ فرستادند و آنہا کہ بے رضا بہ محض امر عالی می رفتند منع کردند در آں وقت ایں عنایت نامہ نوشتہ شدہ بود۔

رقعہ (۸۵) اللہ تعالیٰ فقرا و مساکین درماندہ را از برکات برگزیدگان بہ درمانی برساند، مدتے است کہ نیازے بہ درگاہ ولایت عرض نہ کردہ ایم، آرے ایں پاک کلمہ را قاصدانِ صادق حامل می توانند شد، بحمد اللہ ایں قسم خود صورت می بندد، دیگر چہ نویسم، سخن درویشاں بہ حضرت شما نوشتن بہ غایت بے شرمی است و حکایاتِ اوضاع صوریہ بسیار بے جا، الغرض ما لا حدّ خود می باید دانست

واز فضول احتراز می باید کرد۔

رقعہ (۸۶) معروض مخادیم می گرداند کہ روزے چند مصلحت خود درآں می بینند کہ بہ مقتضائے کلمۂ قدسیہ حضرت عبدالخالق غجدوانی کہ درِ شیخی را بر بندد و درِ یاری را برکشائے، نمودہ آید۔ اکنوں التماس آن است کہ ہمچناں کہ کرم نمودہ مشایعت ترک نمودہ اند، تواضع و تعظیم را در مسجد نیز ترک نمایند در نشست و برخاست و آمد و رفتِ مسجد ہماں معاملہ کہ بہ مرزا حسام الدین و خدمت مولانا یوسف و امثال ایشان می نمایند بہ فقیر نیز نمایند، خورد و بزرگ از دلہ تا میاں شیخ الہداد بریں عمل نمایند ان شاء اللہ مثاب شوند۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی"

یعنی حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے رقعہ ۸۳ میں شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہراتی معروف بہ پیرِ انصار و پیرِ ہرات کا قول نقل کرکے لکھ دیا ہے کہ اب توقف اور اہمال کا وقت نہیں ہے کام آپ کے سپرد ہے اور جامعِ مکاتیب اپنا چشم دید بیان لکھ رہے ہیں کہ حضرت مجدد کی بلند پروازیوں کو دیکھ کر حضرت خواجہ خلا و ملا میں آپ کی تعریف ایسے الفاظ سے فرماتے تھے کہ کاتب کا سلیقہ (اس کی ہمت) آپ کے بیان کو قلمبند کرنے سے قاصر ہے۔ اور حضرت خواجہ نے رقعہ ۸۶ میں خواجۂ خواجگاں حضرت عبدالخالق غجدوانی کا قول نقل فرما کر اشارہ کر دیا کہ جب طالبِ راہِ مولیٰ درجاتِ عالیہ پر فائز ہو جاتا ہے تو اس سے مرشد کو ایسی اُنسیت ہو جاتی ہے جیسی ایک صادق المحبت دوست سے ہوا کرتی ہے۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کو اپنا صدیق و یار بنا کر اسرارِ صدیقیت سے پوری طرح نواز دیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہو نہیں سکتا۔

خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے "حضرت خواجہ آپ سے اپنے اُن مریدوں کا حال دریافت فرماتے تھے جو آپ کے پاس رہتے تھے اور حضرت مجدد ان کے متعلق اپنے کشف کی رُو سے جواب تحریر فرماتے تھے۔ ایک مخلص مرید نے حضرت خواجہ سے نظرِ خاص کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا جب وہ (حضرت مجددؒ) سرہند سے آئیں گے اُن سے کہوں گا تاکہ وہ توجہ خاص کرکے تھوڑی مدت میں مقاماتِ عالیہ تک تم کو پہنچا دیں۔ اور حضرت خواجہ اربابِ معرفت و تحقیق کے درجات مقامات اور دقائقِ علوم آپ سے استفسار فرمایا کرتے تھے اور آپ کے جوابات سے خورسند ہوتے تھے"

حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ سے درج ذیل مکتوب حضرت مجدد کو لکھا تھا۔ میں نے وہ مکتوب شریف دیکھا ہے اور اسی سے نقل کر رہا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

"مسند ارشاد اَوْسَع و اَنْوَر باد، مسودۂ رسالہ کہ در طریقۂ خواجگان تمام شدہ خواجہ برہان کُحْلُ الْبَصَرِ مشتاقان گردانید، حمد للہِ سبحانہٗ وَالْمِنَّۃ بہ غایت عالی است و لطیف، لیکن بہ خاطر می رسد کہ التماس نمودہ آید کہ قدرے در احوالِ حضرت خواجۂ احرار قدس سرہٗ تفتیش فرمایند، شاید کہ امورِ دیگر ہم ظاہر شود،

ہماں روز کہ بہ مطالعۂ آں لطیفۂ غیبیہ مشرف شد در اثنائے نُعاس خاطرے آمد کہ دست چپ یعنی عالمِ ارواح بہ ایشاں تعلق دارد چوں حاضر شد بہ جہتِ ضعف حافظہ متردد گشت کہ مشار الیہ کہ بود لیکن ظنِ غالب آں بود کہ اشارہ بہ حضرت خواجہ بود، یکے در طبقۂ ائمہ دیدہ شود ممکن کہ چیزے ظاہر گردد، دیگر از سخنان ایشاں معنی عصمتی مفہوم می شود و ایں نیز از بعض خوابہا دریافتہ شدہ کہ ایشاں بہ حسبِ خلقت نہایت در ہدایت مخلوق شدہ اند، چہ عجب اگر فوقِ نقطۂ علم در زیرِ مقامِ وحدتِ علیا کہ قابلیتِ مطلقہ است مخلوق باشند، یکے کرم نمودہ آں جائے دیدہ شود، ایضاً در مقامِ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نظر بیندازند کہ داخلِ آں مقام شدہ بہ نزول آمدہ اند یا از راہِ دیگر یکبار آمدہ اند، شاید کہ مخلوقیتِ فوقِ نقطہ سبب عدم تقرر دراں مقام شدہ باشد، بارے البتہ عنایت نمایند و نیک تفتیش فرمایند کہ خیلے خاطر نگران است۔ التماس دیگر آں کہ در باب فنائے بشریت نیز توجہے فرمایند کہ از غیر مقام فنائے فی اللہ نیز مقامے دارد، یا منحصر است در داخل شدن بہ ہمیں مقام، از جملہ جماعتے کہ در فوق ایں مقام مخلوق شدہ اند ظاہر ایں است کہ ہمچناں محفوظ باشند و حاجت بہ کسب در ظہور فنائے بشریت محفوظ باشند و ایضاً جماعتے کہ در زیر ہماں مقامِ وحدت محو شدہ باشند و اگرچہ از راہ جذبۂ قیومیت یا غیر آں رفتہ باشند نیز از عود بہ وجودِ بشریت محفوظ باشند ایضاً یک نظرے در خانۂ جبروت کہ مقامِ انبیاء است صلوٰت الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہم نیز بکنند کہ در آنجا نیز مقامے خواہد بود کیاز عود مذکور ایمن گرداند۔ ایضاً در مقامِ فنائے فی اللہ نیز نظرے فرمایند کہ شاید غیر ازیں راہِ ظاہر بہ تفصیل راہِ دیگرے ہم داشتہ باشد و بعضے ازیں عزیزاں از آں راہ داخل شدہ باشند، باقی احوالِ آں متوقف ایشاں را بہتر معلوم است چہ نویسیم۔ چنداں اسامی و علاماتِ مقامات مارا معلوم نیست تغیرات را چہ نوع تواں نوشت۔ ان شاء اللہ آنچہ مرضی است ہماں شود، محمد صادق و جمیع برادران و اعزہ نیازمندی قبول فرمایند" انتہیٰ [1]

(ترجمہ) آپ کا ارشاد وسیع اور انور رہے، طریقۂ خواجگاں کے رسالہ کا مسودہ اتمام کو پہنچا اور خواجہ برہان نے اس کو مشتاقین کے واسطے کحل البصر بنایا۔ حمد و شکر اللہ کے لئے ہے کہ رسالہ نہایت بلند پایہ اور لطیف ہے لیکن خیال آتا ہے کہ حضرت خواجۂ احرار کے اقوال کی تفتیش کے متعلق آپ سے التماس کی جائے۔ شاید کچھ اور بھی ظاہر ہو۔ اس لطیفۂ غیبیہ کے مطالعہ سے جس دن سرفرازی ہوئی اثنائے وارفتگی میں یہ خیال آیا کہ بائیں جانب کا یعنی عالمِ ارواح کا تعلق اُن سے ہے۔ جب ہوشیار ہوا تو حافظہ کی کمزوری کی بنا پر متردد ہوا کہ اشارہ کس کی طرف تھا۔ البتہ ظنِ غالب یہی ہے کہ اشارہ خواجہ احرار ہی کی طرف تھا۔ اب ائمہ کے طبقہ میں دیکھا جائے شاید کوئی بات ظاہر ہو۔

---

[1] زبدۃ المقامات، فصل سوم صفحہ ۲۳۳ سے ۲۳۶ ملاحظہ کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے کلام سے عِصمت کے معنی کا پتہ چلتا ہے اور احوال وارفتگی ہی میں یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ آپ بہ حسبِ خِلقت نہایت درہدایت مخلوق ہوئے ہیں۔ کیا عجب کہ انکی پیدائش نقطۂ علم سے اوپر اور مقامِ وحدتِ علیا کے نیچے ہوئی ہو جو کہ قابلیتِ مطلقہ کا مقام ہے۔ مہربانی فرما کر اس مقام کو دیکھیں۔

اور اسی طرح حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مقام کو بھی دیکھیں کہ اسی مقام میں داخل ہو کر نزول کیا ہے یا کسی دوسری راہ سے یکبارگی آمد ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نقطۂ علم سے بالاتر مقام میں تخلیق کی وجہ سے اس مقام میں عدم تقرر ہوا ہو۔ عنایت فرما کر آپ خوب تفتیش کریں کیونکہ مجھ کو بہت خیال لگا ہوا ہے۔

اور دوسری التماس یہ ہے کہ آپ فنائے بشریت کے سلسلہ میں تحقیق کریں کہ کیا فنا فی اللہ کے مقام کے علاوہ بھی اس کا کوئی مقام ہے یا اس کا انحصار اسی مقام کے داخلہ پر ہے۔ اُس جماعت کے متعلق جس کی تخلیق اس مقام سے بالاتر مقام میں ہوئی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی طرح محفوظ رہیگی اور فنائے بشریت کے ظہور کے لئے محتاجِ کسب نہیں ہے۔ اور اسی طرح وہ جماعت جو اس مقام کے نیچے مقامِ وحدت میں محو ہو گئی ہے۔ چاہے اس کا جانا از راہِ جذبۂ محبوبیت ہوا ہو چاہے کسی اور راہ سے۔ وہ بھی وجودِ بشریت کے عود سے محفوظ ہے۔

اور آپ خانۂ جبروت پر بھی ایک نظر ڈالیں جو کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ وہاں بھی ایک ایسا مقام ہونا چاہیئے جو بازگشت مذکور سے اَیمن ہو۔ اور فنا فی اللہ کے مقام میں بھی خیال کریں۔ وہاں بھی بیان شدہ راہ کے علاوہ کوئی ایسی راہ ہوگی جس سے بعض مشائخ وہاں داخل ہوئے ہونگے۔

متوقف کے احوال آپ کو بہتر معلوم ہیں لہٰذا اس سلسلہ میں آپ کو کیا تحریر کیا جائے۔ کتنے ہی مقامات ہیں کہ ان کے نام اور احوال کا علم نہیں ہے لہٰذا ان کے تغیرات کا کیا بیان کیا جا سکتا ہے البتہ اللہ سے امید ہے کہ بہتر صورت ہمارے پیش آئے۔

محمد صادق اور تمام برادران و اعزہ نیازمندی قبول فرمائیں"

اس مکتوب بدیع الاسلوب کو ملاحظہ کیا جائے کہ حضرت خواجہ نے آپ سے کیسے اَدَق سوالات کئے ہیں اور کیسے اَعلیٰ مقامات میں تفتیش کرنے کو کہا ہے۔ شیخ بدر الدین نے جہاں حضرت مجدد کی تیسری حاضری اور حضرت خواجہ کے استقبال کرنے کا حال لکھا ہے وہاں تحریر کیا ہے کہ حضرت خواجہ بہ انواعِ اعزاز و اکرام آپ کو لے گئے اور جب مجلس منعقد ہوئی حضرت خواجہ نے آپ سے دریافت کیا کہ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی) نے فرمایا ہے۔

"لَوْ طُلِبْنَا بِمَا عَلَيْهِ الْخَرَّازُ لَهَلَكْنَا" یعنی اگر مطالبہ کنند ما را بہ آنچہ خراز بران بودہ ہر آئینہ

ہلاک شویم۔ گفتہ اند کہ آن آگاہی و عدم غفلت بود بین الخرزتین، چوں آخر وقت از خرّاز پرسیدند کہ چہ آرزو داری گفت حسرت دارم بر غفلت، تطبیق چہ گونہ باشد، حضرت ایشان در جواب گفتہ اند کہ آرزوئے خرّاز حضور بالکلیہ بود بہ ظاہر و باطن کہ ورلے آں را غفلت می دانست دوام حصول آں متعسر بود بر اں تحسر داشت و آں کہ گفتہ اند کہ بین الخرزتین او را غفلت نہ بود، مراد حضور باطنی است فقط۔"[1]

اگر خرّاز کی کیفیت کا مطالبہ ہم سے کیا جائے تو ہم ہلاک ہو جائینگے۔ کہا گیا ہے کہ خرّاز دائمی حضور و آگاہی کے قائل تھے، ایسا دائمی حضور کہ اس میں غفلت اتنی دیر کے لئے بھی طاری نہ ہو جتنی دیر ایک ٹانکے سے دوسرے ٹانکے میں لگتی ہے۔ اور پھر جب حضرتِ خرّاز کا آخر وقت تھا اُن سے دریافت کیا گیا، کیا کوئی تمنا رہ گئی ہے فرمایا کاش غفلت نہ ہوتی۔ حضرت خواجہ نے یہ بات فرما کر ارشاد کیا کہ حضرت خرّاز کے دونوں اقوال میں تطابق کی کیا صورت ہے۔ حضرت مجددؒ نے بہ جواب عرض کی کہ خرّاز کی تمنا اس حضور و آگاہی کی تھی جو ظاہراً اور باطناً حاصل ہو اور اس کے سوا کو وہ غفلت سمجھتے تھے۔ اور وفات سے قبل جو بات انھوں نے فرمائی ہے اس سے مراد حضور باطنی ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کو حضرت مجددؒ کے کشف و حقائق سنجی پر کامل اعتماد ہو گیا تھا اور آپ حضرت مجددؒ سے اَدَق مسائل حل کراتے تھے اور آپ اُن معارف و دقائق کا بیان کرتے تھے اور یارانِ طریقت کی کیفیت "از تحسر دست بر رو می زند مسکیں نگس " کے مصداق تھی اور جناب شیخ عبدالحق اپنے مکتوب طولانی لایعنی میں لکھ رہے ہیں۔

"در خدمتِ خواجہ محمد باقی افتادند و از صحبت شریف ایشان استفادۂ ایں نسبت کردند، و رُو بہ ترقی نہادند، در حیات و بعد از وفات ایشان از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حصر و قیاس چناں کہ و چنداں کہ مردم حیراں شدند۔" الخ[2]

جو سوالات حضرت خواجہ نے حضرت مجددؒ سے کئے ہیں کیا اُن کا جواب اور کیا اُن مقاماتِ عالیہ پر استطلاع اور پھر اُن کا بیان کوئی کر سکتا ہے؟ یقیناً حضرت خواجہ کے سوالات اور حضرت مجددؒ کے جوابات نے لوگوں کو متحیر کیا ہوگا۔

خواجہ ہاشم نے اس مکتوب کو نقل کر کے لکھا ہے "جس طرح روایت عالی از سافل حضرات محدثین میں رائج ہے اسی طرح حضرت خواجۂ بزرگوار اپنے نائبِ عالی مقدار سے اخذ فوائد کرنے لگے تھے۔" یعنی جس طرح استاد اپنے شاگرد سے کوئی ایسی حدیث سُنے جو اس نے نہیں سُنی ہے اور پھر وہ اس حدیث کی روایت اپنے شاگرد سے کرے۔

---

[1] حضرات القدس صفحہ ۲۰ [2] حیاتِ عبدالحق صفحہ ۳۱۳

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت خواجہ نہایت باکمال و مشفق مربّی و ہادی تھے اور استعداد کو پرکھنے اور پھر کام پر لگانے کی قابلیت سے بہ درجۂ اتم متصف تھے، آپ کے اس مکتوبِ گرامی سے اگر کوئی صورتِ استفادہ سمجھا ہے تو میں صورتِ افادہ سمجھتا ہوں۔ آپ نے ایک مشفق و مہربان اُستاد و مربّی کی طرح مقاماتِ عالیہ کی طرف حضرت مجدد کو متوجہ کیا ہے، بے شک اس مبارک مکتوب سے حضرت مجدد کی استعدادِ اتم اور فوق التصور بلند پروازی کا بھی پوری طرح اثبات ہو رہا ہے اور حضرت خواجہ کے اس ارشاد "اور کامل اولیائے متقدمین میں اُن جیسا خال خال (کوئی کوئی) ہوا ہوگا" کی حقیقت واضح ہو رہی ہے۔ حضرت خواجہ نے آپ پر اسرارِ قیومیت روشن کئے اور آپ کو اَلفِ ثانی کا آفتابِ معَارِف بنایا۔ حضرت خواجہ نے اجازتِ ارشاد اور دعوت الی اللہ افرادِ کثیرہ کو دی ہے لیکن خلعتِ خلافتِ عظمیٰ آپ ہی کو عنایت کی ہے۔ اس عنایت اور نوازش نے آپ کو محسودِ اقران بنایا جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

اگر حضرت خواجہ نے آپ کو ایسے مکاتیب ارسال کئے ہیں اور پیرِ انصار کا قول تحریر کیا ہے یا خواجۂ خواجگان کا ارشاد نقل کیا ہے اور اپنے مریدوں کو آپ کے حوالے کیا ہے تو آپ بھی حضرت خواجہ کی محبت میں فانی تھے اور اسی فنائیت نے آپ کو فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ کے مراتب پر پہنچایا۔ میں مختصر طور پر آپ کی محبت اور آپ کے ادب و احترام کے طریقہ کو بیان کرتا ہوں تاکہ اہلِ فضل و کمال کے فضل و کمال کا مزید اظہار ہو۔

حضرت خواجہ سے محبت اور ان کا ادب

عربی کا مشہور قول ہے "إِنَّمَا يَعْرِفُ الْفَضْلَ ذَوُوْهُ" یعنی فضل و کمال کی قدر و قیمت اصحابِ فضل ہی جانتے ہیں۔ اگر حضرت مجدد ایک دُرِّ یتیم تھے تو حضرت خواجہ بھی ایک بے مثال خِرِّیت[1] تھے اور حضرت مجدد حضرت خواجہ کے دل و جان سے عاشق تھے۔ خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے۔

"مجھ سے خواجہ حسام الدین احمد نے جو حضرت خواجہ کے مقبول ترین افراد میں سے تھے بیان کیا کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ تمہارے پیر و مُرشد (حضرت مجدد) کا نہایت احترام کرتے تھے، یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ نے مجھ کو تمہارے مُرشد کے بُلانے کو بھیجا۔ جب میں نے آپ سے حضرت خواجہ کے یاد کرنے کا ذکر کیا تو آپ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ خوف کے آثار ظاہر ہو گئے۔ انتہائے خشیت کی وجہ سے بدن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو گئی گویا کہ آپ پر رعشہ طاری ہو گیا ہے ان کی اس حالت کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا۔ اب تک سنتا آیا تھا "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" لیکن آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔"[2]

---

[1] خِرِّیت بمعنی رہبر حاذق آگاہ بہ مسالکِ خفیہ۔ [2] زبدۃ المقامات فصل سوم صفحہ ۲۳۱۔

مولانا حسن کشمیری آپ کو حضرت خواجہ کی خدمت میں لے گئے تھے اس کے سالہا سال بعد جب کہ حُلّۂ قطب الاقطابی آپ کے تن پر آراستہ ہو چکا تھا اور اقطار و اکنافِ عالم سے اہل اللہ آپ کی خدمت میں پہنچ رہے تھے۔ آپ نے مولانا حسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔

"تعریف اللہ کے واسطے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔ آپ کا مبارک صحیفہ جو کہ اس فقیر کے نام تھا مولانا مہدی علی نے پہنچایا۔ بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ آپ نے شیخ اکبر کی اس عبارت کے متعلق دریافت کیا ہے "سَبَبُ خِلَافَتِہِم مُدَّۃُ اَعْمَارِہِم" (حضرات خلفائے اربعہ کی خلافت کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے) مخدوما، مدت ہوئی فتوحات میں یہ عبارت دیکھی تھی۔ اب باوجود تلاش کے نہ ملی۔ اگر یہ عبارت پھر نظر سے گزری ان شاء اللہ فقیر آپ کو مطلع کرے گا۔

ثانیاً، فقیر آپ کی رہنمائی کا شکر ادا کرنے سے اور آپ کے احسان کی مکافات سے عاجز اور قاصر ہے فقیر کو اعتراف ہے کہ یہ سارا معاملہ اُسی نعمت پر مترتب ہے اور یہ سب داد و دید اُسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حسنِ توسّل کی بدولت وہ کچھ فقیر کو ملا ہے کہ کم کسی نے دیکھا ہوگا اور جو کچھ کہ فقیر کو عطا کیا گیا ہے اس قدر کم کوئی لطف اندوز ہوا ہوگا۔ مخصوص عنایات کی وہ کثرت ہے کہ اکثر افراد کو اُس مقدار میں عام عنایات میسر نہیں۔ احوال و مقامات و اذواق و مواجید و علوم و معارف و تجلیات و ظہورات کو راہِ عروج کی سیڑھی بنا کر مدارجِ قرب اور منازلِ وصول تک فقیر کو لے جایا گیا۔ قرب اور وصول کے الفاظ کا استعمال بھی تنگیٔ دامانِ عبارت کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول نہ عبارت نہ اشارت نہ شہود نہ حلول نہ اتحاد نہ کیف نہ اَین نہ زمان نہ مکان نہ احاطہ نہ سَرَیان نہ علم نہ معرفت نہ جہل نہ حیرت۔

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ　　کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم　　ز مرغِ من بود آں نام ہم گم

(ترجمہ) میں اس مرغ کے بارے میں تم سے کیا کہوں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہے۔ عنقا کا نام تو لوگوں کے سامنے ہے لیکن میرے مرغ کا وہ نام تک غائب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جو بے حساب عنایتیں اس عالمِ اسباب میں مجھ پر ہوئی ہیں اُن کا سبب آپ ہی کی نوازش ہوئی ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں آپ کی شکر گزاری کا مفہوم شامل ہے۔ پھر بھی یہ چند کلمات آپ کو لکھے گئے تاکہ آپ کی نوازش کا شکر کسی قدر ادا ہو سکے۔ آپ پر اور ان سب افراد پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی سلام ہو"[1]

---

[1] مکتوب ۲۷۹ دفتر اول۔

حضرت مجدد کے دونوں مرشدزادوں کی ولادت سنہ ۱۰۱۰ھ میں ہوئی ہے خواجہ کلاں عبیداللہ کی اول ماہ ربیع الاول کو اور خواجہ خورد محمد عبداللہ کی چھ ماہِ رجب کو۔ باغِ ولایت کے یہ دونوں پھول جب اپنی بہار دکھانے لگے تو آپ نے ان کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کیا۔

"حمد وصلاۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والدِ بزرگوار کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔ فقیر نے اس طریقہ کی الف بے کا سبق انہی سے لیا ہے اور اس کے حروفِ تہجی کو انہی سے سیکھا ہے۔ "اندراجِ نہایت در بدایت" کی دولت ان کی بابرکت صحبت سے حاصل کی ہے۔ "سفر در وطن" کی سعادت بہ طفیل ان کی خدمت کے ملی ہے۔ ان کی توجہِ شریف نے اس ناقابل کو ڈھائی مہینے کے عرصہ میں نقشبندیہ نسبت سے روشناس اور ان اکابر کے حضورِ خاص سے سرفراز کر دیا۔ آپ کے طفیل سے اس راہ میں جو تجلیات وظہورات اور انوار و الوان و بے رنگی و بے کیفیتیں[1] ظاہر ہوئیں ان کی تشریح و تفصیل کیسے بیان کی جائے، توحید کے معارف اور اتحاد و قرب و معیت و احاطہ و سریان کے دقائق میں سے شاید ہی کوئی معرفت یا دقیقہ رہ گیا ہو جو اُن کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے اس فقیر پر ظاہر نہ ہوا ہو اور اس کی حقیقت واضح نہ ہوئی ہو، وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے۔ اختصار کے ساتھ عرض یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت اور ان حضرات کا حضورِ خاص جس مرتبہ اور مقام پر ہے اس کے پیشِ نظر ان معارف کا نام زبان پر لانا اور شہود و مشاہدہ کا نشان بیان کرنا کوتاہ نظری کی بنا پر ہے۔ ان بزرگوں کا کارخانہ نہایت بلند ہے۔ اس کو زرّاقی اور رقّاصی سے کیا مناسبت حضرت خواجہ سے ایسی اعلیٰ دولت جو اس فقیر کو ملی ہے اُس کے عوض اگر وہ ساری عمر اپنے سر کو اپنے صاحبزادگان کے عتبۂ عالیہ کے خدام سے پامال کراتا رہے تب بھی ہیچ ہے۔ یہ فقیر اپنی کوتاہیوں کا کیا بیان کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے۔ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کوتاہی کرنے والوں کا بوجھ اُٹھا لیا ہے اور عتبۂ عالیہ کی خدمت کے واسطے کمرِ ہمت باندھ رکھی ہے۔

گر برتنِ من زباں شود ہر موئے   یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

(ترجمہ) اگر میرے تن کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی ہزار میں سے ایک شکر ان کا ادا نہ کر سکوں۔

حضرت خواجہ کی آستان بوسی سے یہ فقیر تین مرتبہ مشرف ہوا ہے۔ آخری مرتبہ حضرت نے

---

[1] اللہ تعالیٰ بے مثال ہے وہ مشبّہ بھی ہے منزّہ بھی ہے تشبیہی اوصاف میں رنگارنگی کی کیفیات ہیں اور تنزیہی میں بے کیفی اور بے رنگی۔

زباں گنگ ہے وصف میں مدعا کے
ذرا اڑا اڑا ہے   ذرا اڑا اڑا ہے

[2] یعنی کیفیات اور احوالِ ظاہری سے برتر ہے۔

فرمایا۔ مجھ پر ضعف غالب ہو گیا ہے حیات کی اُمید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے باخبر رہنا۔ پھر آپ دونوں کو طلب کیا۔ آپ اپنی انّاؤں کی گود میں تھے اور فقیر کو حکم دیا کہ دونوں کو توجہ دے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ان کی والدات کو غائبانہ توجّہ دو۔ چنانچہ فقیر نے امتثالِ امر کیا۔ اللہ سے اُمید ہے کہ حضرت خواجہ کی برکت سے وہ توجہات مثمرِ برکات ہوئی ہوں گی۔" الخ[1]

آپ نے جمال الدین حسین فرزند مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا ہے۔

میرے پیران اور مجھ کو اللہ کی راہ بتانے والوں نے (جن کے توسّل سے میں نے اس راہ میں آنکھ کھولی ہے اور جن کے توسّط سے میں نے اس علم میں لب کشائی کی ہے، جن سے میں نے طریقت کی الف با پڑھی ہے، جن کی توجہات سے میں نے مولویت کا ملکہ پیدا کیا ہے، اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کا طفیل ہے اگر معرفت ہے تو انہی کے التفات کی یہ دولت ہے، میں نے انہی بزرگواروں سے "اندراج نہایت در بدایت" کی راہ و رسم سیکھی ہے اور انہی سے انجذاب بہ قیومیت حاصل کی ہے۔ ان کی ایک نظر سے وہ کچھ پایا کہ لوگوں کو چلّوں میں نہ ملے اور ان کی ایک بات سے وہ کچھ حاصل ہوا جو دوسروں کو سالوں میں حاصل نہ ہو) عُلوِّ استعداد اور بلند ہمّتی کی بنا پر سَیرِ انفسی سے ابتدائے کارِ طریقت کی ہے۔" الخ[2]

آپ نے خواجہ ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا ہے۔

وہ طریقہ جو اَسبَق، اَوفَق، اَوثَق، اَسلَم، اَحکَم، اَصدَق، اَدَل، اَعلیٰ، اَجَل، اَرفَع اور اَکمَل ہے، طریقۂ نقشبندیہ ہے، اللہ اس کے اَہالی کی ارواح کو اور مَوَالی کے اسرار کو مقدس کرے، یہ ساری بزرگی جو اس طریقہ کو حاصل ہے اور یہ سب عُلوِ شان جو ان بزرگوں کو ملی ہے بہ وجہ تمسّک اور اتّباعِ سنّتِ مبارکہ کے ہے عَلیٰ صَاحِبِہَا الصَّلَاۃُ وَالتَّحِیَّۃُ اور بدعتِ نامرضیہ سے بچنے کی بنا پر۔ یہ وہ مبارک جماعت ہے کہ حضرات صحابہ کی طرح کام کی بدایت میں اِن کی نہایت مندرج ہے۔ ان کا حضور و آگاہی بہ وجہ اپنے کمال و دوام کے اوروں کے حضور و آگاہی سے برتر ہے۔

اے بھائی! اللہ تم کو سیدھی راہ پر چلائے۔ جب اس راہ کی ہوس اس درویش کو ہوئی تو اللہ کی ہدایت نے دستگیری کر کے ولایت پناہ حقیقت آگاہ ہادیِ طریقِ اندراج نہایت در بدایت و مرشدِ راہِ موصل بہ درجاتِ ولایت، دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولیٰ و امام شیخ رضی الدین محمد الباقی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا جو کہ خانوادۂ نقشبندیہ کے اکابر خلفا میں سے تھے۔" الخ[3]

ان تحریروں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو حضرت خواجہ سے کیسی محبت اور کتنی عقیدت تھی جبکہ آپ سلطانِ مسندِ ارشاد تھے اور آپ کی عمر کا کارواں منازلِ آخریں قطع کر رہا تھا۔

---

[1] مکتوب ۲۶۶ دفتر اول [2] مکتوب ۴۲ دفتر دوم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸ [3] مکتوب ۲۹۰ دفتر اول۔

آپ نے اپنے مخدوم زادوں کو لکھا ہے کہ اگر ساری عمر اپنے سر کو آپ حضرات کی چوکھٹ کے خدام سے پامال کراتا رہوں تب بھی ہیچ ہے۔ جو شخص اپنے مربی ومحسن کے احسان کو نہ بھولے اور ہمیشہ اس کے واسطے دعا کرے اس نے محبت کا حق ادا کیا ہے۔

آپ نے خواجہ ہاشم کو طریقہ نقشبندیہ کے فضائل تحریر فرمائے ہیں، چوں کہ آپ شروع میں دیگر سلاسل سے مستفید و مستفیض ہوئے اور پھر آپ اس مبارک طریقہ سے وابستہ ہوئے، آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ یہ سلسلۂ مبارکہ آدابِ نبویہ سے پوری طرح محلّٰی ہے جس کی طرف مولانا جامیؒ نے اشارہ کیا ہے۔

سکّہ کہ در یثرب و بطحا زدند   نوبتِ آخر بہ بخارا زدند
از خطِ آں سکّہ نہ شد بہرہ مند   جز دلِ بے نقشِ شہِ نقشبند
آں گہرِ پاک بہ ہر جا بود   معدنِ او خاکِ بخارا بود
اوّلِ او آخرِ ہر منتہی   زآخرِ او جیبِ تمنّا تہی

اس مبارک سلسلہ کا انتساب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور آپ کو جو تعلق سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کا اثر اس مبارک سلسلہ میں بہ درجہ اتم موجود ہے۔ اس کی اساس اتباعِ سنّت، اجتناب از بدعت اور آدابِ صحبت پر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند   کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را
از دلِ سالکِ رہ، جاذبۂ صحبتِ شاں   می برد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلہ را
ناقصے گر کند ایں سلسلہ را طعن قصور   حاش للّٰہ کہ برآرم بہ زباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند   روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اکابر میں سے کسی نے کہا ہے اور حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "سلسلۂ نقشبندیہ اہلِ علم اور اصحابِ عزیمت کا سلسلہ ہے۔" یہ سلسلہ بلخ و بدخشان اور بخارا میں تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کے واسطے سے حضرت مجدد کو اس سلسلہ سے بہرہ مند کیا اور آپ نے اس سلسلۂ عالیہ کی بہ دولت مسلمانانِ عالم کو اللہ تعالیٰ کے رنگ سے رنگ دیا اور ان میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔ ہر ایک کی زبان پر تھا۔

گر تو صد پارہ ام کنی زیں رنگ   برنہ گردم کہ صبغۃ اللہ ام

اتّباعِ سُنن وعزائمِ امور

آپ کے مبارک رسائل اور مکتوبات کے پڑھنے سے عشق و سوز اور محبتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ جب بھی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں نہایت ادب واحترام سے کرتے ہیں اور پھر ہدیۂ صلوٰۃ وسلام بہ وجہ اتم واکمل واحسن پیش کرتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد رہا کرتا تھا جس کو ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔

"اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَحْسِنُوا الصَّلَاۃَ عَلَیْہِ فَاِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّ ذٰلِکَ یُعْرَضُ عَلَیْہِ" (جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اچھے طریقے اور الفاظ سے بھیجو۔ تم نہیں جانتے کہ شاید وہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہو) علمی اور مہتم بالشان مکاتیب کا اختتام ذکر نبوی پر کرتے ہیں۔ کہیں تحریر فرماتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔ اور کہیں دعا کر کے لکھا ہے۔ بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَآلِہِ الْکِرَامِ۔ اور کہیں یہ بھی لکھا ہے۔ ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی اِطَاعَۃِ الرَّسُوْلِ الَّتِیْ ھِیَ عَیْنُ اِطَاعَۃِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔ اپنے عشق و محبت کا اظہار طرح طرح سے کرتے ہیں اور دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ خوش نصیب افراد جو آپ کے مکاتیب شریفہ کا مطالعہ کیا کرتے ہیں آپ کی مبارک روش کی پیروی کر کے اسباب سعادت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے۔[لہ]

"اس کمترین نے بارہا آپ سے سنا ہے کہ کیا ہم اور کیا ہمارا عمل۔ جو کچھ بھی ہم کو ملا ہے وہ صرف اللہ کا کرم ہے۔ اور اگر کوئی چیز اس کے کرم کے واسطے بہانہ بنی ہے تو وہ سید الاولین والآخرین کی متابعت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہمارے کام کا مدار اسی پر ہے جزوی یا کلی طور پر جو بھی ملا ہے اتباعِ سنت ہی کی بدولت ملا ہے اور جو کچھ نہیں ملا ہے اس وجہ سے نہیں ملا ہے کہ بشریت کی وجہ سے ہم سے اتباعِ سنت میں کوتاہی ہوئی ہے۔

ایک دن آپ اسرار و معارف تحریر فرما رہے تھے۔ ناگاہ ضرورتِ بشری کی وجہ سے بیت الخلا تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ باہر تشریف لائے اور آپ نے پانی طلب فرما کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا اور آپ نے فرمایا ناخن پر سیاہی کا دھبا تھا اور سیاہی حروفِ قرآنی کے اسبابِ کتابت میں سے ہے۔ بنابریں لائقِ ادب نہ سمجھا کہ اس دھبہ کے ہوتے ہوئے طہارت کروں۔ اور پھر آپ برائے طہارت تشریف لے گئے۔

ایک دن آپ نے کالی مرچ کے چند دانے طلب کئے۔ مولانا صالح ختلانی تھیلی میں سے چھ دانے نکال کر لائے۔ آپ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا۔ ذرا ہمارے صوفی کو دیکھو کہ انھوں نے آج تک "اَللّٰہُ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ" نہیں سنا ہے (اللہ طاق ہے اس کو طاق پسند ہے) وتر کی رعایت کرنی مستحب ہے یعنی پسند کیا ہوا۔ خبر نہیں لوگ مستحب کو کیا سمجھتے ہیں۔ مستحب وہ کام ہے جو حضرت مولیٰ جل شانہٗ کو پسند ہے۔ اگر کسی ایسے کام کے لئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے دنیا اور آخرت

[لہ] زبدۃ المقامات کی فصل ششم کو مطالعہ کیا جائے میں نے اس سے بعض فوائد اخذ کئے ہیں۔

دے دی جائے تب بھی کچھ نہیں دیا۔ یعنی

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ایک دن آپ چارپائی پر بیٹھے تھے۔ ناگاہ گھبرا کر اُٹھے۔ اور ایک کاغذ کو جس پر کچھ تحریر تھا اُٹھایا اور فرمایا۔ بے ادبی ہے کہ کوئی تحریر ہم سے نیچے رہے۔

آپ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے۔ فقہ کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا کرو تاکہ تم کو معلوم ہو کہ کونسا فعل مسنون ہے اور کونسا مردود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے یہ زمانہ بہت دور ہو گیا ہے۔ بدعات اور فجور کی تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا ہے۔ اس تاریکی اور اندھیرے میں چراغِ سنّت نبوی ہی کی روشنی سے راستہ نظر آسکتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے عمدہ کوئی فضیلت نہیں ہے آنحضرت سے تشبہ نہایت سعادت ہے۔ چاہے وہ ظاہری تشبہ ہو، ایک مبارک سنّت کی ناتمام پیروی اس ہزار شب بیداری سے بڑھ کر ہے جو اپنے طور پر کی جائے۔

آپ نے فرمایا بڑے شرم کا مقام ہے کہ کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور وہ رکوع اور سجدے میں تین مرتبہ تسبیح کہنے پر اکتفا کرے (یعنی پانچ، یا سات مرتبہ نہ کہے)۔

آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو ریاضت اور مجاہدے کا شوق ہے۔ حالانکہ نماز کے آداب کو صحیح طور پر بجالانے سے بڑھ کر کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں ہے۔ نماز کے واجبات اور سنن کی پوری طرح رعایت کرنی بڑا مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ "اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی پر جن کے دل پگھلے ہیں"

یعنی اصحابِ خشوع کے لئے جن کے دل پگھل گئے ہیں نماز راحت ہی راحت ہوتی ہے۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال سے جب فرماتے تھے۔ اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ۔ اے بلال مجھ کو راحت پہنچا، تو وہ عاشقِ صادق اذان دیتے اور آپ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے۔

آپ نے فرمایا۔ اولیاء کے احوال شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت ان کے احوال کے تابع نہیں۔ شریعت قطعی ہے۔ اس کا ثبوت وحی سے ہوا ہے اور احوال ظنّی ہیں اُن کا ثبوت کشف والہام سے ہے کشف والہام میں خطا کی گنجائش ہے بخلاف وحی کے کہ وہ حق ہے اس میں خطا کا شائبہ تک نہیں ہے تعجب ہے کہ بعض خام و ناتمام درویش اپنے کشف پر بھروسہ کرکے شریعت کی مخالفت کر جاتے ہیں۔ حالاں کہ اگر اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے جو کہ خود صاحب شریعت پیغمبر تھے۔ اسی شریعتِ محمدی کی پیروی کرتے۔ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ۔ اور اپنی شریعت کی پیروی نہ کرتے۔

حضرت مجدد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرکے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے،

جس کی روایت امام احمد اور بیہقی نے حضرت جابر سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہم کو اچھی لگتی ہیں کیا ہم اُن سنی ہوئی باتوں میں سے کچھ لکھ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم بھی حیرت و شک میں پڑ گئے ہو جیسا کہ یہود اور نصاریٰ پڑ گئے ہیں۔ میں تمہارے پاس ایسی پاک ملت لایا ہوں کہ اگر موسیٰ باحیات ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لئے کوئی دوسری سبیل نہیں تھی۔[1]

شیخ بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس میں لکھا ہے۔

یہ عاجز مرید ہونے سے پہلے کبھی جمعہ کے دن آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا اور آپ کے نماز پڑھنے کو دیکھا کرتا تھا اور بے اختیار ہو کر آپ کی طرف سرکتا رہتا تھا۔ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ کو ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا دیکھتے ہیں اور اسی طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں۔ شیخ بدرالدین نے آپ کے نماز پڑھنے کی کیفیت از تکبیر افتتاح تا سلام دادن۔ تفصیل سے بیان کر کے لکھا ہے۔ اس حقیر نے علماء و مشائخ کو دیکھا ہے لیکن ہر وقت اور ہمیشہ ایک ہی طرح بجز آپ کے کسی کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ آپ کی نماز خوارق میں سے ایک خرقِ عادت ہے۔ بغیر کسی کلال و ملال کے نہایت توقیر و تعظیم اور خشوع و عاجزی سے نماز ادا کرنی، اتباعِ سنّت کے کمالِ رسوخ پر دال ہے۔[2]

اور حضرات القدس ہی میں ہے۔ ایک دن برائے قضائے حاجت بیت الخلا گئے۔ وہاں مٹی کا ناتمام ایک پیالہ تھا جس پر لفظ مبارک اَللّٰہ نقش تھا اور مہتر اس سے قاذورات اُٹھاتا تھا آپ کی نظر اس پیالہ پر اور اللہ کے مبارک نام پر پڑی۔ آپ نے اس کو اُٹھایا، باہر تشریف لائے اور پانی منگوا کر اپنے ہاتھ سے اس ناتمام پیالہ کو پاک کیا اور پھر اس کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر ادب سے طاق میں رکھ دیا۔ جب پانی پیتے تو اس پیالے میں پیتے اور اس سلسلہ میں آپ کو اِلہام ہوا تم نے ہمارے نام کا احترام کیا ہم تمہارے نام کو رفعت دیں گے۔[3]

آپ کو جو الہام ہوا روزِ روشن کی طرح اس کا ظہور تمام عالم میں ہوا۔ بد طینت اور معاند کچھ بھی کریں دنیا آپ کو امامِ ربّانی مُجَدِّدِ اَلفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے نام سے یاد کرتی ہے اور آپ کے واسطے دعا کرتی ہے۔ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ الْاَقْدَس۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کے فصل نہم میں آپ کی علالت اور وفات کا حال لکھا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ ایک تہائی رات باقی تھی۔ آپ اُٹھے اور وضو کیا اور کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر فرمایا۔ تہجد کی یہ آخری نماز ہے۔ وفات سے کچھ پہلے آپ پر بیخودی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مخدوم زادہ

---

[1] مشکات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [2] حضرت خامسہ میں [3] حضرت سابعہ میں۔

خواجہ محمد سعید نے عرض کی۔ یہ بیخودی اور فرو رفتگی کمزوری کی وجہ سے ہے یا استغراق کی۔ آپ نے فرمایا بعض عظیم معاملات درپیش ہیں اور میں ان کی طرف متوجہ ہوں تاکہ وہ مکشوف اور ظاہر ہو جائیں۔ آپ کو اس حال سے جب بھی کچھ افاقہ ہوتا تھا اتباع سنّتِ مبارکہ، اجتناب از بدعت اور ذکر و مراقبہ کی تاکید فرماتے تھے۔ اتباع سنّت کے سلسلہ میں آپ کے الفاظ یہ ہوتے تھے "سنّت را بہ دندانِ خواہید گرفت" یعنی سنّتِ نبوی پر پختگی اور مضبوطی کے ساتھ عمل کرنا ہوگا۔

خواجہ ہاشم نے اس کے بعد لکھا ہے۔ آپ کی اس وصیت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا جذبہ کارفرما ہے۔ ترمذی اور ابوداؤد نے عرباض بن ساریہ سے جو روایت کی ہے اس کا آخری حصّہ اس طرح پر ہے "جو بھی تم میں سے زندہ رہے گا وہ اختلافاتِ کثیرہ دیکھے گا لہٰذا تم میری سنّت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنّت کو اپنے دانتوں سے پکڑ لو اور اپنے کو نئی باتوں سے بچاؤ کیونکہ ہر نئی بات گمراہی ہے"

خواجہ ہاشم نے یہ بھی لکھا ہے کہ اشراق کے وقت آپ نے پیشاب کے لئے برتن طلب فرمایا۔ جب برتن آیا تو اس میں ریت نہ تھی۔ فرمایا چھینٹ اڑنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا برتن لے جاؤ اور مجھ کو لٹا دو۔ جب آپ کو لٹایا گیا تو مسنون طریقہ پر داہنے ہاتھ پر رخسار کو رکھا اور ذکر شریف میں مصروف ہو گئے۔ خواجہ محمد سعید نے سرعتِ نفس دیکھ کر عرض کی۔ حالِ اشرف کیسا ہے۔ ارشاد کیا۔ بہتر ہے اور پھر فرمایا "نماز کی وہ دو رکعت جو میں نے پڑھی ہیں کافی ہیں" خواجہ ہاشم نے لکھا ہے کہ آپ کا آخری کلام یہی تھا اس کے بعد آپ کی روح جسدِ خاکی اور دارِ فانی کو چھوڑ کر رفیقِ اعلٰی کی طرف روانہ ہو گئی۔

مشکات کی کتاب الجہاد میں مسروق سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۶۹ کے متعلق دریافت کیا (آیت) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو تو مردہ نہ سمجھ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اُن کی ارواح سبز پرندوں کے اندر ہیں، ان کے واسطے عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں جنت میں سیر کرتے ہیں اور پھر قنادیل کی طرف لوٹ آتے ہیں" الخ کُشتگانِ خنجرِ تسلیم و رضا کو مقتولانِ تیغِ اعداء سے کم نہ سمجھنا چاہیئے یہ پاک نہاد مدت العمر جہادِ اکبر میں مصروف رہے ہیں۔

در سفالیں کاسۂ رنداں بہ خواری منگرید کیں عزیزاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند
قدسیاں بے بہرہ اند از جرعۂ کاس الکرام ایں تطاوُل بیں کہ با عشاقِ مسکیں کردہ اند

خواجہ ہاشم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا شوق آپ پر غالب آگیا تھا آنکھوں سے آنسو

اور زبان پر مسنون دُعا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْق الاَعْلیٰ جاری تھی اور فرماتے تھے اگر طبیب مجھ کو بشارت دے کہ مرض لاعلاج ہے میں خیرات و صدقات کروں۔ چنانچہ آپ نے بہ کثرت صدقات و خیرات کیں اور فرمایا۔ یہ سب از وجہِ شوقِ وصال ہے، پھر آپ نے محبت کے آنسو بہاتے ہوتے ہندی کا یہ مصرع پڑھا۔

آج ملاوا کنت سوں، سکھی، سب جگ دیہوں وار

(ترجمہ) اے محرمِ راز آج دوست کے وصال کا دن ہے میں تمام عالم کو اس دولت و نعمت کے نثار کرتا ہوں۔

آپ جس طرح خالی ہاتھ اس دنیا میں تشریف لائے تھے اسی طرح متاعِ دنیا سے خالی ہاتھ تشریف لے گئے، البتہ بہ وقتِ قدوم حضرت مخدوم نے اذان و اقامت کی صدا آپ کے مبارک کانوں میں پہنچا کر میثاقِ اَلَست کی یاددہانی کردی تھی، آپ اُسی دولتِ لازوال کو نہاں خانۂ دل میں ساتھ لئے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں پہنچے ؎

یارب چہ عہد بود کہ عہدِ وصال بود　　درگلشنِ اُمید نسیمِ شمال بود
آسودہ بود دل زفراق و ز سوزِ جاں　　ہر دم ز دوست تازہ نویدِ جمال بود
گیتی چناں ربود ز ما عہدِ آں وصال　　گفتی مگر در آئینہ جانِ خیال بود

ایک شبہ:۔ بعض افراد نے کہا ہے کہ حضرت مجدد حجِ بیت اللہ کی نیت سے اپنے وطن سرہند سے روانہ ہوئے تھے، راستہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہو گئے اور پھر وطن واپس آ گئے، اس کے بعد پھر حج کو نہیں گئے اور آپ نے فرض ادا نہ کیا۔

بظاہر یہ شبہ وجیہ ہے لیکن حقیقتِ حال کچھ اور ہے، ۱۰۰۸ھ میں آپ کا قصدِ حج کرنا غلبۂ شوق کی بنا پر تھا اور آپ نے ازراہِ توکل و رخصت ارادہ کیا تھا، حضرت خواجہ کے فیضانِ صحبت نے آپ پر ابوابِ عزائم کھول دیئے لہٰذا آپ نے رخصت کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷) "اور خرچ راہ لیا کرو کہ خرچ راہ میں بہتر ہے گناہ سے بچنا اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو" حضرت شاہ عبدالقادر نے یہ ترجمہ لکھ کر موضحِ قرآن میں لکھا ہے "کفر کی غلطی ایک یہ تھی کہ بغیر خرچ حج کو جانا ثواب گنتے تھے اور توکل، مقدور ہوتے ہوئے خرچ نہ لیتے، اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مقدور ہو تو خرچ لے کر جاؤ۔ بڑا فائدہ یہ کہ سوال نہ کرو" یعنی زادِ راہ لے لیا کرو تاکہ سوال نہ کرنا پڑے۔ زادِ راہ بہتر پرہیزگاری ہے۔

حضرت مجدد کی مالی کمزوری اور علوِ فقر کا بیان حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے رقعہ میں کیا ہے اور وہ گزر چکا ہے۔ حضرت مجدد نے پہلے راہِ توکل، فرطِ شوق و محبت میں اختیار کی تھی اور بعد میں راہِ عزیمت، تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے۔

دردم از یار است و درماں نیز ہم　　دل فدائے اُو شد و جاں نیز ہم

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (میری نماز اور قربانی اور میرا جانا اور مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب سارے جہان کا، کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں)

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

آپ کی تالیفات

حضرت مجدد کی تالیفات کی ابتدا رسائل سے ہوئی ہے اور انتہا مکتوبات پر ہوئی شیخ صفر احمد مخدومی نے آپ کے سات رسائل اور تین دفتر مکتوبات کا ذکر کیا ہے۔[1]

۱۔ رسالہ تہلیلیہ، اس کو رسالۂ تحقیق در کلمۂ طیبہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ رسالہ اثباتِ نبوت، اس کو رسالۂ تحقیقِ نبوّت بھی کہتے ہیں۔

۳۔ رسالۂ ردِّ شیعہ، اس کو رسالۂ ردِّ روافض بھی کہتے ہیں۔ منشی نول کشور نے ۱۲۹۴ھ میں اس رسالہ کو مکتوبات شریف کے آخر میں طبع کیا ہے۔

میرے پاس رسائل سبعۂ مبارکہ کا مجموعہ ۱۲۶۷ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس میں اور مطبوعہ نسخہ میں فرق ہے قلمی نسخہ کے دیباچہ میں ہندوستان میں اسلام کی آمد اور وحدت کلمۂ مسلمین کا ذکر ہے۔ پھر تحریر فرمایا ہے "وحضرت خواجہ خسرو علیہ الرحمۃ والرضوان در تعریف ملک ہندوستان می فرماید" اور پھر آپ نے ان کے چودہ اشعار لکھے ہیں۔

۴۔ رسالۂ معارفِ لدُنّیہ۔

۵۔ رسالہ شرح الشرح بعض رباعیات حضرت خواجہ۔

۶۔ رسالۂ مَبْدَا و مَعَاد۔

۷۔ رسالۂ مکاشفاتِ غَیْبِیّہ۔

اول الذکر دو رسالے عربی میں اور باقی پانچ (از نمبر "۳" تا ۷) فارسی میں ہیں۔

شیخ صفر احمد نے لکھا ہے کہ رسالۂ مکاشفاتِ غیبیہ کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے اور رسالۂ مبدا و معاد کو خواجہ محمد صدیق بدخشی نے جمع کر کے ابتدا میں خطبہ کا اضافہ کیا ہے باقی تمام مضامین حضرت مجدد کے تحریر کردہ ہیں۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں رسالہ اثباتِ نبوّت کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالۂ جذبہ و سلوک کا ذکر کیا ہے۔

شیخ بدرالدین نے حضرات القدس میں رسالہ تہلیلیہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالہ آداب المریدین کا نام

---

[1] برکاتِ معصومی مفتاح اول صفحہ ۴۷

لکھا ہے۔ آخر میں وَغَیْرُ ذٰلِكَ لکھا ہے، یعنی ان کے سوا اور بھی ہیں۔

خواجہ ہاشم اور شیخ بدرالدین نے تعلیقاتِ عوارف کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شہاب الدین کے ادب کے پیشِ نظر آپ نے لکھنا بند کر دیا۔ خواجہ ہاشم نے آپ کی تالیفات کے بیان کرنے سے چار ورق پہلے لکھا ہے کہ بعض فضلا کی التماس پر آپ نے عوارف کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی [1]

رسالہ تہلیلیہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدّد نے یہ رسالہ اس وقت لکھا ہے جبکہ آپ حضرت مخدوم سے عوارف و فتوحات اور فصوص کے حقائق و دقائق کو حل کر رہے تھے۔ علومِ ظاہری کی مروّجہ کتابوں کی انتہا اور علومِ باطنی کی ابتدا کا دَور تھا اور یہ بارہ صفحے کا رسالہ آپ کی پہلی تالیف ہے آپ نے اس رسالہ کی ابتدا "فَاِنْ قُلْتَ لَابُدَّ مِنْ تَقْدِیْرِ خَبَرِ لَا" سے کی ہے۔ یہ عبارت غمّازی کر رہی ہے کہ ہنوز تحصیلِ علم کا سلسلہ جاری تھا۔ بعض افراد کا خیال ہے کہ یہ رسالہ آپ نے اپنے حضرت والد کی وفات کے بعد لکھا ہے کیونکہ آپ نے صفحہ چھ پر لکھا ہے۔ "قَالَ شَیْخِیْ وَ وَالِدِیْ قُدِّسَ سِرُّہٗ فِیْ رِسَالَتِہٖ" آپ نے اپنے والد کا ذکر قدس سرہٗ سے کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رحلت فرما چکے تھے۔ اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ یہ دعائیہ جملہ مبیضہ کرتے وقت اضافہ کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح صفحہ گیارہ پر "وَقَدِ اسْتَقْصَیْنَاہُ فِیْ رِسَالَتِنَا الْمُحَرَّرَۃِ لِاِثْبَاتِ النُّبُوَّۃِ" کا اضافہ ہوا ہے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد آپ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ کے فیوضات سے سرشار ہوئے۔ حضرت خواجہ سے وابستگی کے بعد آپ کی ہر تحریر میں نسبتِ نقشبندیہ موجیں مار رہی ہے لیکن رسالہ تہلیلیہ اس سے مُعرّیٰ ہے۔ یہی کیفیت رسالہ اثباتِ نبوّت اور رسالہ ردِّ شیعہ کی ہے۔ یہ تینوں رسالے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے پہلے تالیف ہوئے ہیں۔

آپ کے رسالہ ردِّ شیعہ پر اس دَور کے آزاد خیال افراد کو اعتراض ہے۔ ان لوگوں کی نظر میں یہ رسالہ اخوتِ اسلامی کے منافی ہے۔ یہ لوگ اُن اَسباب و عِلَل سے چشم پوشی کر رہے ہیں جن کی بنا پر حضرت مجدد اس رسالہ کے لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے رسالہ کے دیباچہ میں واضح طور سے اس کا ذکر کیا ہے میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

"ماوراء النہر کے علماء نے ایک رسالہ ردِّ روافض میں لکھا تھا۔ اس رسالہ کے جواب میں شیعوں نے بھی ایک رسالہ لکھا۔ اس میں خلفائے ثلاثہ (یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کی تکفیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تشنیع اور ذم ہے اور شیعوں کے بعض طلبہ جو اس ملک (ہندوستان) میں آگئے ہیں وہ اس رسالہ کی تحریرات پر افتخار و مباہات کرنے لگے اور بادشاہ و امراء کی محفلوں میں اُن

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۳۲۶

مغالطات کی تشہیر کرنے لگے۔ جس مجلس میں یہ فقیر ہوتا تھا اُن کی غلط بیانیوں کا رد مقدماتِ معقولہ سے کرتا تھا۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ اس سلسلہ میں رسالہ لکھا جائے چنانچہ میں یہ رسالہ لکھ رہا ہوں۔"

حضرت مجدد نے اس رسالہ میں شیعیت کی ابتدائی تاریخ لکھی ہے اور پھر شیعوں کے طوائف کا بیان بصورتِ اختصار کیا ہے۔ وہ طوائف یہ ہیں:۔ ۱۔ طائفہ سبائیہ ۲۔ طائفہ کاملیہ ۳۔ طائفہ بیانیہ ۴۔ طائفہ مغیریہ ۵۔ طائفہ جناحیہ ۶۔ طائفہ منصوریہ ۷۔ طائفہ خطابیہ ۸۔ طائفہ غرابیہ ۹۔ طائفہ ذمیہ ۱۰۔ طائفہ یونسیہ ۱۱۔ طائفہ مفوضہ ۱۲۔ طائفہ اسماعیلیہ باطنیہ ۱۳۔ طائفہ زیدیہ ۱۴۔ طائفہ امامیہ۔

آپ نے ان طوائف کے عقائد بیان کرکے ان کی ذہنی کیفیت عیاں کردی ہے اور پھر آپ نے علماءِ ماوراالنہر کے رسالہ کی عبارت نقل کی ہے۔ یہ عبارت آٹھ سطر کی ہے۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

"جبکہ شیعہ حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) اور ذوالنورین (عثمان) اور بعض ازواجِ طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعن کرتے ہیں اور یہ کفر ہے۔" الخ

آپ نے اس کے بعد قرآن و حدیث اور ائمۂ دین کے اقوال سے علماءِ ماوراالنہر کے فتوے کو صحیح بتایا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہبِ اہلِ سنّت و جماعت کی رُو سے حضرت مجدد کی یہ تحریر درست ہے یا غلط۔ اگر معترضین کا خیال یہ ہے کہ غلط ہے تو وہ اس کو ثابت کریں۔ اہل سنت و جماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے۔ حضرت عائشہ کی برأت قرآن سے ثابت ہے۔ اب اگر کوئی آپ کی برأت کو تسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

جو لوگ حضرت مجدد پر اعتراض کر رہے ہیں اور آپ کی تحریر کو اخوت و محبت کے خلاف قرار دے رہے ہیں، کیا کبھی ان کو اس بات کی توفیق ہوئی ہے کہ انھوں نے از روئے اخوت شیعوں سے کہا ہو کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ اور اُن تمام صحابہ کو جن سے پروردگار جل شانہٗ نے اپنی رضامندی کا اظہار قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے، گالیاں نہ دو، ان پر لعنت نہ بھیجو، مسلمانوں کے دلوں کو زخمی نہ کرو۔ دیکھو، عکرمہ فرزندِ ابوجہل جب اسلام لانے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنیوالے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا "یَأْتِیکُمْ عِکْرِمَۃُ مُؤْمِنًا مُّھَاجِرًا فَلَا تَسُبُّوْا اَبَاہُ فَاِنَّ سَبَّ الْمَیِّتِ یُؤْذِی الْحَیَّ وَلَا یَلْحَقُ الْمَیِّتَ۔" وفی روایۃ "لَاتَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْاَحْیَاءَ"[1]

(ترجمہ) "تمھارے پاس عکرمہ مومن اور مہاجر ہو کر آرہا ہے۔ پس تم اس کے باپ کو گالی نہ دو کیونکہ مُردے کو گالی دینے سے زندوں کو تکلیف پہنچتی ہے مُردے کو نہیں لگتی" اور ایک روایت میں ہے "مُردوں کو گالی دے کر زندوں کو ایذا نہ پہنچاؤ"

---

[1] لسان العیون معروف بہ سیرتِ حلبی۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ اللہ اور رسول کی بات کریں، ائمہ کے اقوال نقل کریں تو مجرم اور شیعہ ہمارے سردارِ دوجہاں کے جاں نثاروں اور آپ کی زوجات مطہرات کو گالیاں دیں، اُن پر جھوٹے الزام لگائیں تو یہ کوئی بات نہیں، کیا اس سے اخوتِ اسلامی کو تقویت پہنچتی ہے۔

لِمِثْلِ هٰذَا اَفْلَیَذُوْبُ الْقَلْبُ مِنْ کَمَدٍ اِنْ کَانَ فِی الْقَلْبِ اِسْلَامٌ وَّاِیْمَانٌ

حضرت مجدد کا رسالہ کل چالیس صفحے کا ہے، نوخاستہ محققین حضرت شاہ عبدالعزیز کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" اُٹھا کر دیکھیں جو سات سو چھہتر صفحات کی بے مثل کتاب ہے۔ اس کا ہر صفحہ حضرت مجدد کے رسالہ کے دو صفحے سے زائد ہے اس میں غُلاتِ[1] شیعہ کے چوبیس ۲۴، فرقۂ زیدیہ کے نو ۹، اور فرقۂ امامیہ کے انتالیس ۳۹ فرقوں کا اور ان کے ایک سو نو سات مکائد اور سینتیس ۳۷ عقائد کا تفصیل سے ذکر ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۷۱ھ میں دلی کے مطبع حسنی میں چھپی ہے، اس کا اُردو ترجمہ عبدالمجید خاں صاحب پیلی بھیتی نے کیا ہے جو کہ تحفۂ مجیدیہ کے نام سے سنہ ۱۳۱۰ھ میں باہتمام عبدالواحد خاں مطبع مصطفائی میں چھپا۔ اس کتاب کی جامعیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ حضرت مصنف قدس سرہٗ کی حیات میں علامہ غلام محمد بن محی الدین بن عمر اسلمی نے سنہ ۱۲۲۷ھ میں اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اور پھر سید محمود شکری آلوسی بغدادی نے اس کو مختصر کر کے سنہ ۱۳۰۱ھ میں بنام "مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ" طبع کیا، اور اب سنہ ۱۳۹۶ھ میں حسین حلمی ایشیق بن سعید استانبولی نے ترکیہ میں اس کو پھر چھپوایا ہے جو کہ تین سو چھتیس ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو بھی ذرا اہلِ علم ہوگا وہ اس کتاب کا دلدادہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے علم و فضل و وسعتِ معلومات کا دل سے معترف ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے شاہ بخارا کے دریافت کردہ دس ۱۰ مسائل کا جواب لکھا ہے اس میں بعض سوالات کا تعلق روافض سے ہے۔ یہ رسالہ فتاویٰ عزیزی کے اواخر میں چھپا ہے، شایانِ دید ہے۔

حضرت مجدد کے رسالہ ردِّ شیعہ کی تعریب حضرت شاہ ولی اللہ نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ محمد اکرم نے لکھا ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد کے رسالہ ردِّ روافض کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے شروع میں عہدِ اکبری کے مذہبی رجحانات پر تبصرہ ہے اور حضرت مجدد کے تمام احسانات و کارنامے ایک ایک کر کے تفصیل سے گنائے گئے ہیں۔[2]

حضرت قاضی ثناء اللہ نے بھی فارسی میں ایک رسالہ ردِّ روافض لکھا ہے جو کہ میرے پاس محفوظ ہے۔

روافض نے جو فتنہ حضرت مجدد کے زمانہ میں برپا کیا تھا وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے دور میں شدت سے برپا ہوا لہٰذا ان حضرات نے یہ کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو روافض کے فتنہ سے محفوظ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر عنایت کرے۔

---

[1] غلات جمع غالی کی بمعنی حد سے تجاوز کرنے والے۔ [2] ردِ کوثر صفحہ ۲۷۹۔

حضرت مجددؒ کے مکتوبات

آپ کے مکتوبات کا آغاز اُن عرائض سے ہوا ہے جو آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں سنہ ۱۰۰۸ھ سے ارسال کرنے شروع کیے۔ آپ کے مکتوبات کے تین دفتر یعنی حصے ہیں۔ پہلے حصہ کو خواجہ یار محمد الجدید بدخشی طالقانی نے جمع کیا ہے۔ جب سنہ ۱۰۲۵ھ میں مکتوبات کی تعداد تین سو تیرہ کو پہنچی جو کہ انبیائے مرسل اور اصحابِ بدر کی تعداد ہے تو حضرت مجددؒ کے اشارے پر اس دفتر کو بند کیا گیا۔ اس کا تاریخی نام "درالمعرفت" ہے۔ دوسرے دفتر کو خواجہ عبدالحی حصاری نے جمع کیا ہے۔ اس دفتر کو ننانوے ۹۹ مکتوبات پر حضرت مجددؒ نے سنہ ۱۰۲۸ھ میں بند کرا دیا۔ آپ نے فرمایا اسمائے حسنیٰ بھی ننانوے ہیں۔ اس دفتر کا تاریخی نام "نورالخلائق" ہے۔ تیسرے دفتر کو جمع کرنے کی ابتدا میر نعمان نے کی تھی۔ انھوں نے تیس مکاتیب جمع کیے تھے کہ یہ خدمت اُن کے مُرید سَرمستِ جامِ احمدی خواجہ ہاشم کشمی کے سپرد ہوئی۔ جب مکاتیب کی تعداد ایک سو چودہ کو پہنچی حضرت مجددؒ نے فرمایا، قرآن مجید کی سورتیں ایک سو چودہ ہیں لہٰذا اس عدد پر اس دفتر کو بند کر دو۔ خواجہ ہاشم نے اس کا نام "بحرالمعارف" رکھا ہے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰۳۳ھ کا ہے۔ اس کے بعد چند ماہ حضرت مجددؒ بہ حیات رہے۔ اس عرصہ میں دس مکتوبات تحریر فرمائے اور آپ کی وفات کے بعد ان کو اسی دفتر میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ دفتر ایک سو چوبیس مکتوبات پر حاوی ہوا اور آپ کے کل مکتوبات کی تعداد پانچ سو چھتیس ہے۔ ان میں بیس عرائض ہیں جو آپ نے اپنے پیر و مرشد کو ارسال کیے ہیں۔ اگر آپ کے رسائل سبعہ کو بھی ان میں ملا لیا جائے تو تعداد پانچ سو تینتالیس ہوئی۔ یہ ہے آپ کا مبارک اثاثہ جو اہلِ اسلام کے لیے سرمایۂ سعادت و نورِ ہدایت بنا ہوا ہے۔ اور ہزارہا بندگانِ خدا اس کی بدولت مراتبِ عالیہ کو پہنچ چکے ہیں۔ حضراتِ عالی قدر آپؒ کے مکتوباتِ قدسی آیات کا ہر روز درس دیا کرتے تھے۔

صدہا مشائخ عظام اور علمائے اعلام کے مکاتیب کو اُن کے مخلصوں اور شاگردوں نے جمع کیا ہے۔ خود آپ کے فرزندانِ گرامی قدر اور اُن کے صاحبزادگانِ عالی گہر کے مکتوبات کو بھی جمع کیا گیا ہے لیکن جو قبولیت آپ کے مکاتیبِ مبارکہ کو حاصل ہوئی ہے کسی کے مکاتیب کو نصیب نہ ہوئی، محبوبانِ پروردگار کے متعلق صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: "ثُمَّ یُوضَعُ لَہُ الْقُبُولُ فِی الْاَرْضِ" پھر اہلِ زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ یعنی وہ نیک بندہ مقبولِ خلائق ہوتا ہے۔ اِس مبارک حدیث کی روشنی میں آپ کے مکتوبات کی قبولیت دیکھ کر آپ کی محبوبیت عنداللہ کا اندازہ کیا جائے۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کے مکتوبات کا ہر لفظ نسبتِ نقشبندیہ سے بھرا ہوا جامِ معرفت ہے جو پڑھنے والے کو اعلیٰ درجۂ احسان (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو) پر پہنچاتا ہے۔ ہزارہا اہلِ غفلت اس شرابِ معرفت کو پی کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر گرویدہ

ذاتِ بحث ہوئے ہیں، اُن کے تن کا ذرّہ ذرّہ صدا لگا رہا ہے۔

خواہم کہ مدام در ہوائے تو زیم　　خاکے شوم و بہ زیر پائے تو زیم
مقصودِ من خستہ زکونین توئی　　از بہرِ تو می زیم، برائے تو زیم

مصر میں جامعِ ازہر کے ایک سِن رسیدہ جلیل القدر عالم کے ہاتھ اتفاق سے مُعرّب مکتوبات کا نسخہ آگیا میں ان کے پاس بیٹھا تھا، کم و بیش ایک گھنٹہ تک وہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ پھر انھوں نے کہا "سبحان اللہ کیا گنجینۂ اسرار و معارف ہے"

آپ کے مکتوبات کا ترجمہ اردو میں بھی ہوا ہے۔ اگرچہ وہ ترجمہ اصلاح طلب ہے تاہم از مغتنمات ہے۔ مولانا ہدایت علی نقشبندی ساکن جے پور نے دفترِ اوّل کے تمام مکتوبات کا خلاصہ اُردو میں "دُرِّ لاثانی" کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں طبع کیا ہے۔ مکتوب نمبر ۲۸ کا ترجمہ بہ طور نمونہ لکھتا ہوں۔

"خواجہ عمک، آپ نے یاد فرمایا، خوشی ہوئی، لیکن فقیر نے جب اپنے آپ کو اس لائق نہ پایا تو ناچار گوشۂ تنہائی میں پوشیدہ ہوا اور قُرب سے بھاگ کر بعد میں آرام لیا اور اتصال سے انفصال کے ساتھ قرار پکڑا اور جب آزادی میں گرفتاری دیکھی تو ناچار گرفتاری کو اختیار کیا۔"

دفترِ دوم اور سوم کا خلاصہ کیا ہے یا نہیں اور چھپا ہے یا نہیں اس کا علم مجھ کو نہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے بھی مکتوبات شریف کی تلخیص بنام "تجلیاتِ ربانی" کی ہے لیکن آپ نے تمام مکاتیب کا خلاصہ نہیں کیا ہے بعض کو چھوڑ دیا ہے پہلے حصّہ کی تلخیص مکتبہ فرقان لکھنؤ سے حال میں چھپی ہے۔ بہ طور نمونہ ایک مکتوب لکھتا ہوں جو کہ مکتوب نمبر ۱۴۱ ہے۔

"حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ترقیات نصیب کرے، بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ احوالِ قلبی کے متعلق کبھی نہ لکھا کہ کیا صورت ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ لکھتے رہا کرو کیونکہ یہ امر موجبِ توجّہ غائبانہ ہوتا ہے۔ محبّت و اخلاص راہِ سلوک میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ اگر اس وقت ترقی مفہوم و محسوس نہیں ہوتی تو کچھ غم نہیں ہے۔ جب اخلاص پر استقامت ہے تو امید ہے کہ برسوں کا کام گھنٹوں میں حاصل ہو جائے گا۔ والسلام

غرضیکہ حضرت کے مکتوباتِ قدسی آیات سراسر اکسیرِ ہدایت ہیں پروفیسر محمد فرمان نے بہت ٹھیک لکھا ہے۔

"آپ کی دو کرامتیں دنیا کے لئے بڑے فیوض کا باعث ہوئی ہیں۔ ایک آپ کی نیک و صالح اولاد ہے جن میں سے ہر ایک یگانۂ روزگار تھا۔ آپ کے صاحبزادے محمد صادق، محمد سعید، محمد معصوم ظاہری اور باطنی علوم میں اعلیٰ پائے کے بزرگ ہوئے ہیں اور انھوں نے ترویجِ شریعت میں اپنے والد ماجد کے ہر ارشاد کی تعمیل کی ہے اور اُن کے بعد اُن کی مشعلِ ہدایت کے نُور کو دُور دُور تک

پھیلایا ہے۔ دوسری کرامت جناب کے یہ مکتوبات ہیں، جن کے مطالعہ سے آپ کی علمیت، معرفت، خلوص اور شرع کی پابندی کا ایک ایسا حسین، دلکش اور مستحکم منظر آنکھوں کے آگے آجاتا ہے جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور اور سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج و افعال میں نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔[لہ]

حضرت محمد عبداللہ جان مجددی معروف بہ شاہ آغا، ساکن ٹنڈہ سائینداد ضلع حیدرآباد سندھ متوفی ۱۳۹۳ھ نے مکتوبات شریف کا انتخاب باعتبارِ مضامین کیا ہے۔ انھوں نے چار ابواب قائم کئے ہیں، پہلا اصول و عقائدِ اہلِ سنّت و جماعت کا، دوسرا مسائل و احکام کا، تیسرا حقائق و معارف و انوار و اذواق و مواجید کا، چوتھا مواعظ و نصائح کا۔ اور اس کا نام "فیض البرکات من عین المکتوبات" رکھا ہے۔ کتابی تقطیع پر ۴۹۲ صفحات کی کتاب ہے۔ چونکہ انتخاب فارسی میں ہے اس لئے حضرت مجددؒ ہی کی عبارت ہے۔ اگر حضرت محمد عبداللہ جان رحمۃ اللہ علیہ تمام مکتوبات کو بالاستیعاب بہ اعتبار ابواب لکھتے اور کچھ ابواب کا اضافہ کرتے نہایت اعلیٰ کام ہوتا۔

صاحبِ فضل و نسبت حسین حلمی الشیق بن سعید استانبولی نے مکتوبات کے پہلے دفتر کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا ہے جو کہ سولہ فروری ۱۹۷۲ء کو چھپ گیا ہے۔ پانچسو پچاسی صفحات میں مکتوبات کا ترجمہ ہے اور تینتالیس صفحات میں فہرست (کل صفحات ۶۲۸ ہیں) اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ باقی دونوں دفتروں کو بھی ترجمہ کر کے طبع کر دیں۔

میں نے سُنا ہے کہ ہندوستان میں ایک پروفیسر مکتوبات کا ترجمہ انگریزی میں کر رہے ہیں وہ اس کام میں دو تین سال سے مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب کرے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اٹلی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں دینِ برحق "اسلام" مقبول ہو رہا ہے۔ ایک جماعت اسلام میں داخل ہو گئی ہے۔ چند افراد یہاں آکر سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ حضرت مجددؒ کا نظریۂ توحید شہودی ان کو کھینچ کر یہاں لایا ہے۔ یورپ کے ایک نومسلم شیخ عبدالواحد یحییٰ نے تصوف پر کتابیں لکھی ہیں۔ وہ کتابیں اس جماعت کے لئے مشعلِ راہ بنی ہیں۔ حضرت مجددؒ کے بعض مکتوبات کا اٹلی والوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے طبع کر دیا ہے۔ دفتر سوم کا مکتوب ۶۷ میر منصور کے نام ہے، اس کا ترجمہ کیا ہے اور مجھ کو سنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذوق و شوق میں اضافہ کرے اور حضرت مجددؒ کی تعلیمات سے اپنے برادرانِ وطن کو روشناس کرائیں۔

حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا جس زبان میں بھی ترجمہ ہوگا اسلام کو تقویت ملے گی، جو بھی آپ کے مکتوبات کو پڑھے گا اس کے سامنے اسلام کا اور اسلامی تصوف کا صحیح نقشہ آجائیگا۔

غلامِ آں کلماتم کہ آتش افروزد نہ آب سرد زند در سخن بر آتش تیز

لہ حیاتِ مجدد صفحہ ۲۶۲۔

فقیر و خستہ بہ درگاہت آمدم رحمے   کہ جز ولائے توام نیست ہیچ دستاویز

احیارِ سنت کی تحریک

حضرت مجددؒ نے احیارِ سنّت کی تحریک شروع کی کیونکہ آپ کے نزدیک تمام مفاسد کا علاج اتباعِ سنّت ہی میں مضمر ہے۔ آپ نے شیخ حسن برکی کو لکھا ہے۔

" اللہ آپ کو استقامت دے اور مَقَاصدِ عالیہ کی نہایت تک پہنچائے۔ آپ نے رفعِ بدعت کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے۔ یہ ایک بڑی نعمت ہے جو بدعات کے اس تاریک دَور میں کسی خوش نصیب ہی کو ملتی ہے کہ وہ کسی بدعت کو مٹائے اور کسی سنّت کو رائج کرے۔ صحاح کی حدیث ہے کہ جو شخص کسی ایسی سُنّت کا احیار کرے کہ اس پر عمل نہ کیا جاتا ہو اُس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اس مبارک ارشاد سے اس کام کی عظمت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ البتہ اس بات کا خیال رہے کہ اس کی وجہ سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ اور کہیں ایک بھلائی بہت سی بُرائیوں کا سبب نہ بنے کیونکہ یہ آخر زمانہ اور اسلام کی کمزوری کا دَور ہے۔" [1]

آپ کی تحریک احیارِ سنّت کو دیکھ کر بعض افراد نے کہا ہے کہ اس تحریک نے ہندوستان میں وہابیت کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔

جو شخص حضرت مجددؒ کی تحریرات و ملفوظات کا پوری طرح مطالعہ نہیں کرے گا وہ یہ خیال قائم کر سکتا ہے، بلکہ ناتمام اور معمولی سمجھ والے مولوی بھی یہ بات کہیں گے۔ اور ہندوستان کے وہابی جو اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں اس قسم کی باتیں بہت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام النّاس کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ان پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تم لوگ ائمۂ مجتہدین میں سے کسی امام کے قول کو لیتے ہو اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو لیتے ہیں۔ حالاں کہ ائمۂ دین میں سے ہر ایک نے صدقِ دل سے یہ بات کہی ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے قرآن و حدیث سے لیا ہے اور اگر قرآن مجید میں یا احادیثِ صحیحہ میں کوئی حکم نہیں ملا ہے تو ہم قیاس کرتے ہیں۔ اگر ہمارا قول کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑ دو اور اس صحیح حدیث پر عمل کرو۔ ان ائمہ کے بعد صدہا سال سے جلیل القدر علماء ان کے اقوال کو پرکھ رہے ہیں اور سرِ تسلیم خم کر رہے ہیں آج تک ائمۂ مجتہدین میں سے کسی امام کا ایک قول بھی اہلِ علم کے نزدیک صحیح حدیث کے خلاف ثابت نہیں ہو سکا ہے۔

جو لوگ حدیث کے نام پر ائمۂ دین کا استخفاف کرتے ہیں سورج گہن کی نماز کے متعلق حدیثوں کو دیکھیں۔ ان کو یہ روایت بھی ملے گی کہ دوسری نمازوں کی طرح اس نماز میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہوا۔ اور اُن کو دو رکوع کی بھی روایت ملے گی۔ تین کی بھی اور چار کی بھی بلکہ پانچ

---

[1] مکتوب ۱۰۵ دفتر سوم۔

کی بھی۔ حالانکہ سورج گہن کی صرف ایک نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ اگر آپ نے مختلف اوقات میں چند مرتبہ یہ نماز پڑھائی ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ کسی نماز میں آپ نے ہر رکعت میں ایک رکوع کیا ہے اور کسی میں دو اور کسی میں اور زیادہ۔ لیکن یہاں ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے اور نہ اہلِ سنّت وجماعت میں سے کوئی شخص کسی صحابی کو جھوٹا کہہ سکتا ہے۔ ائمۂ دین نے جس خوبی سے اس اشکال کا حل نکالا ہے یہ اُن ہی حضرات کا کام تھا۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ۔

ہندوستان میں وہابیت کا بیج مولوی اسماعیل نے بویا۔ مولوی اسماعیل نے رفع یدین کے متعلق مختلف روایتیں دیکھیں اور اس کے قائل ہو گئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر اُن کے چچا اور اُستاد نے ان کے پاس مولوی یعقوب کی معرفت کہلا بھیجا کہ یہ مسئلہ نہ چھیڑو اور فتنہ برپا نہ کرو۔ مولوی اسماعیل نے یہ جواب مولوی یعقوب کو دیا کہ حدیث "مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ" کے کیا معنی ہیں۔ (ارشادِ نبوی یہ ہے کہ جو کوئی پکڑے گا میری سنّت کو میری امّت کے بگڑنے کے وقت اس کو سو شہید کا ثواب ہے) مولوی یعقوب نے یہ جواب شاہ عبدالقادر کو پہنچایا، شاہ صاحب نے مولوی یعقوب سے فرمایا: "بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا ہے مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے جب سنّت کا مقابل غیر سنّت ہو اور ہماری بات اس سنّت میں ہو رہی ہے جس کا مقابل خلافِ سنّت نہیں ہے بلکہ دوسری سنّت ہے۔ اگر رفع یدین سنّت ہے تو ارسال بھی سنّت ہے۔"[1]

جو بات حضرت شاہ عبدالقادر نے فرمائی اکثر مدّعیانِ حدیث سے پوشیدہ ہے۔ یہ لوگ کثرتِ رُوات اور قلّتِ رُوات کو دیکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب میراث کی بات نکلی تو حضرت ابوبکر نے یہ حدیث سب کو سنائی۔ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ ہماری میراث نہیں دی جاتی۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔" صحابۂ کرام نے آپ کی روایت کو تسلیم کیا۔ ایک جلیل القدر اور ذی علم صحابی کی روایت نہایت وقیع اور وزن والی ہے کیونکہ روایت بالمعنی کی صورت میں اس کا شائبہ جاتا رہتا ہے کہ سمجھنے میں فرق آگیا ہو گا۔

مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کے پاس مولوی ابراہیم گئے اور انھوں نے اِس بات کا اظہار کیا کہ وہ اہلِ حدیث میں سے ہیں۔ مولانا نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت کون سی دُعا پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ "اس وقت یاد نہیں"۔ مولانا نے دریافت کیا۔ گھر سے نکلتے وقت کیا پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب نے وہی پہلا جواب دیا۔ مولانا نے مختلف اوقات ومقامات کے متعلق دریافت کیا۔ مولوی صاحب کا وہی ایک جواب رہا۔ مولانا

---

[1] ارواحِ ثلاثہ کے صفحہ ۹۴ و ۹۵ کو ملاحظہ کریں۔

نے فرمایا "کیوں مولانا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے یاد کرنے کی ضرورت کو عمل بالحدیث کے لئے آپ نے ضروری خیال نہ کیا۔ کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے" [1]

حضرت مجدد نے صاجزادگانِ گرامی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو آٹھ صفحے کا تحقیق سے بھرا مکتوب ارسال فرمایا ہے، بہ صورت خلاصہ کچھ لکھتا ہوں۔ لکھا ہے۔

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پچھلی سُنّت پہلی سُنّت کے لئے ناسخ ہے اور نزول فرمانے کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی پیروی کرینگے کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ علمائے ظواہر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مجتہدات کو بہ وجہ ان کے غموضِ ماخذ اور کمالِ دِقّت کے انکار کریں اور آپ کے مجتہدات کو کتاب و سنّت کے خلاف سمجھیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معاملہ امامِ اعظم کے معاملہ کی طرح ہے کیونکہ ورع و تقوٰی کی برکت اور متابعتِ سنّت کی بہ دولت امامِ اعظم نے اجتہاد اور استنباط میں جو کمال پایا ہے اس کے سمجھنے سے دوسرے افراد عاجز اور قاصر ہیں۔ اور آپ کے اجتہادات کو ان کی دقّتِ معانی کی وجہ سے کتاب و سنّت کے مخالف جانتے ہیں۔ اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اصحابِ رائے سمجھتے ہیں۔ مخالفین نے یہ جو کچھ کیا ہے اس بنا پر کیا ہے کہ وہ امامِ اعظم کے علم و درایت کی بے پایانی کو نہیں پا سکے ہیں۔ امام شافعیؒ کی فراست و دانشمندی کا اظہار ان کے اس قول سے ہو رہا ہے "اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِي حَنِيْفَةَ" تمام فقہا ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔ وائے از جرأتہائے قاصر نظراں کہ قصورِ خود را بہ دیگرے نسبت نمایند۔

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعنِ قصور   حاش للہ کہ برآرم بہ زباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند   روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اور آپ نے لکھا ہے "یقیناً بلا تکلّف و تعصّب کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت نظرِ کشفی میں عظیم دریا کی طرح ہے اور باقی تمام مذاہب حوض اور نالیوں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی اس مذہب کے پیرو دیگر مذاہب کے پیروان سے زائد ہیں اور یہ مذہب اپنے اصول و فروع اور طریقۂ استنباط میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ تقلیدِ سنّت میں امام ابوحنیفہ سب سے پیش قدم ہیں وہ مرسل احادیث کو مسند احادیث کی طرح شایانِ متابعت اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی طرح صحابی کے قول کو بہ وجہ شرفِ صحبت اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں حالانکہ دوسرے ائمہ کا مسلک یہ نہیں ہے' باوجود اس کے امامِ اعظم کے مخالف ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ان کے متعلق بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی ان لوگوں کو توفیق دے کہ سردارِ دین اور

---

[1] تدوینِ حدیث از سید مناظر احسن گیلانی صفحہ ۳۳۹ سے بہ اختصار۔

رئیں اہلِ اسلام کو بُرا نہ کہیں اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِہِمْ۔ وہ لوگ جو آپ کو اور آپ کے اتباع کو اصحاب رائے کہتے ہیں اگر ان کا یہ خیال ہے کہ احناف اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور یہ لوگ کتاب و سنّت پر عامل نہیں ہیں تو ان کے اس غلط اور فاسد خیال کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہلِ اسلام کا سَوَادِ اعظم ضَال و مُبْتَدِع ہے بلکہ ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہے۔ ایسا خیال وہی شخص کرے گا جو جاہل ہو اور اس کو اپنے جہل کی خبر نہ ہو یا زندیق ہو کہ اس کا مقصد شَطرِ دین کا اِبطَال ہو۔ چند ناقصوں نے کچھ احادیث یاد کرلی ہیں اور شریعت کے احکام کو اُن احادیث میں منحصر سمجھ لیا ہے اور جن احادیث کا ان کو علم نہیں ہے یا اُن کے نزدیک ان احادیث کا اثبات نہیں ہوا ہے اُن کا انتفا کرتے ہیں۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است   زمین و آسمانِ او ہمان است

یعنی اس کیڑے کی طرح جو پتّھر کے اندر چھپا ہوا ہے اس کے لئے اس کی زمین بھی وہی پتّھر ہے اور آسمان بھی وہی۔"[1]

حضرت مجدّد نے "چند ناقصوں نے کچھ احادیث یاد کرلی ہیں" لکھ کر نام نہاد اہلِ حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جن سے مولانا فضل رحمان نے کہا ہے "آپ نے اختلافی حدیثوں کو یاد کرلیا ہے اور اتفاقی حدیثوں کو یاد کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی" اور جن کے سرگروہ کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر نے فرمایا ہے "یہ حکم تو اس وقت ہے جب سنّت کا مقابلہ غیر سنّت سے ہو"

اسلام کی جو خدمت ائمۂ دین نے کی ہے اَظْہَر مِنَ الشَّمس ہے۔ ان حضرات نے اُمّتِ مرحومہ کے واسطے اَبْوَابِ تیسیر کھولے ہیں۔ ان کا وجود مسلمانوں کے واسطے سراسر رحمت ہے۔ حضرت امام شافعی کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُعَذِّبُ عَلٰی قَوْلٍ اُخْتُلِفَ فِیْہِ الْعُلَمَاءُ یعنی ائمۂ مجتہدین میں سے ہر ایک کا قول عذابِ الٰہی سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ "سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے" ائمۂ مجتہدین اہلِ ذکر صاحبِ علم اور فقہائے اُمّت ہیں۔ ان کا قول ہم لاعلموں کے لئے حجّت و برہان اور رحمت ہے۔

چو ایشاں طبیبانِ ایں ملّت اند   زما ہر نمط لائقِ مدحت اند

حضرت مجدّد کے نزدیک اتباعِ سنّت کی یہ صورت ہے کہ احکام اور مسائل میں ائمۂ مجتہدین کا اتباع کیا جائے اور معمولات و آداب میں احادیثِ مبارکہ پر عمل کیا جائے۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہر وقت ہر جا سامنے رہے اور آپ کی مبارک دعائیں وردِ زبان ہوں تاکہ آپ کی محبّت دل میں پیدا ہو اور ربّ العزّت کی محبوبیت نصیب ہو۔ اس کا ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ

---

[1] مکتوب ۵۵ دفتر دوم۔

تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو کہہ اگر تم محبّت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو کہ اللہ تم کو چاہے اور بخشے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" شاہ عبدالقادر نے موضح قرآن میں لکھا ہے "یعنی کوئی کسی کی محبّت کا دعوی کرے تو اس طرح محبّت کرے جس طرح محبوب چاہے نہ جس طرح اپنا جی چاہے اور اسی طرح چاہے تو محبوب اس کو چاہے اور اللہ بندوں کو چاہے تو یہی کہ ان پر مہربان ہو اور گناہ پر نہ پکڑے اور خیالات عبث ہیں۔" یہ ہے حضرت مجدد کے نزدیک اتباعِ سنّت کا مفہوم قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهُ الْاَقْدَس۔

رابطہ

حضرت مجدد کا ارشاد ہے کہ طریقۂ نقشبندیہ اتباعِ سنّت اور اجتناب از بدعت کی وجہ سے تمام طرق میں ممتاز ہے۔

بعض افراد نے اعتراض کیا ہے کہ طریقۂ نقشبندیہ کا مَدار کَار تین اُمور پر ہے، رابطہ، ذکر، مراقبہ۔ اور رابطہ جس کو تصوّرِ شیخ بھی کہتے ہیں شرکِ خفی ہے۔

اہلِ حدیث نے جس طرح امام ابوحنیفہ کو اہلِ رائے کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ناسمجھ اور کم فہم لوگوں نے طریقۂ نقشبندیہ کو جو طریقۂ خواجگان ہے مطعون کرنے کی سعی کی ہے۔ خواجگان نقشبندیہ کے حالات کو کتاب "طبقات الصوفیہ" امالی پیر ہرات شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری اور کتاب "فصل الخطاب" از حضرت خواجہ محمد پارسا اور کتاب "نفحات الأنس" از عارف نامی مولنا عبدالرحمن جامی اور کتاب "رشحات عین الحیات" از ملا علی بن حسین کاشفی میں مطالعہ کریں۔ ان بزرگوں نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک طریقہ کو مشعل راہ بنایا ہے۔ اور فرمایا ہے سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان اصول ہشتگانہ کی پابندی کرے۔

۱۔ ہُوش دَر دَم ۲۔ نَظَر بَر قَدَم ۳۔ سَفَر دَر وَطَن ۴۔ خِلوَت دَر اَنجُمَن ۵۔ یَاد کَرد ۶۔ بَاز گَشْت ۷۔ نِگَاہ دَاشْت ۸۔ یَاد دَاشْت۔

ان کلماتِ مبارکہ کی تفصیل مکتوبات شریف اور سلوکِ نقشبندیہ کے بیان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں دیکھا جائے۔ ان حضرات کا چلہ انہی اصول کی پابندی ہے جن کے نزدیک کسی امرِ مستحب کا چھوڑنا ایک بڑی فروگزاشت ہو کیا وہ شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟

رَابِطَہ کی سُنِّیَّت اور اَوْلَوِیَّت روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ میں مختصر طور پر کچھ لکھتا ہوں۔

۱۔ سورۂ یوسف کی آیت چوبیس میں ہے۔ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ دیکھتے قدرت اپنے رب کی۔" اس آیت کی تفسیر میں عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب کی صورت دیکھی۔ حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، سعید،

مجاہد، ابن جبیر، ابن سیرین، حسن، قتادہ، ابوصالح، ضحاک، ابن اسحاق وغیرہم سے روایت کی ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب کو دیکھا کہ انگلی دانت سے پکڑے ہوئے ہیں" اور یہی رابطہ ہے۔

۲۔ سورۂ توبہ کی آیت ایک سو بیس میں ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ہو ساتھ سچوں کے" اس آیتِ شریفہ سے صادقین کی معیت مطلوب ہے۔ اُن کے حضور میں معیّتِ ظاہری ہے اور غیبوبت میں ان کا خیال معیّتِ باطنی اور معنوی ہے۔ جس کو حضرات خواجگان رابطہ کہتے ہیں۔

۳۔ ترمذی نے اس مبارک دُعا کی روایت کی ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ الخ۔ اے میرے اللہ مجھ کو اپنی محبت اور اس کی محبت کہ جس کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع بخش ہو عنایت کر"

محبت، دل کے تعلق اور لگاؤ کو کہتے ہیں اس مبارک دعا میں اللہ سے دل کا لگاؤ اور ہر اس شخص سے دل کا لگاؤ جس کی محبت موصل الی اللہ ہو مطلوب ہے۔ محبت جتنی زیادہ ہوگی۔۔ "کَاَنَّکَ تَرَاہُ" گویا کہ تم اللہ کو دیکھتے ہو" کی کیفیت بیشتر حاصل ہوگی جو درجۂ احسان کا اعلیٰ تر مقام ہے۔

۴۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں عرض کی کہ کسی کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان جیسا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے وہ اسی کے ساتھ ہے" یعنی جس کا خیال دل میں رہے گا اسی کے ساتھ اس کا حشر و نشر ہوگا۔ یہی تصور ہے اور یہی رابطہ۔

۵۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ خورد سال تھے۔ حُلیۂ نبویہ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ پوری طرح حافظۂ خیال میں ثبت نہ تھا۔ بڑے ہو کر انھوں نے اپنی حضرتِ والدہ رضی اللہ عنہا کے ماموں سے کہا جو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُلیہ مبارک بیان کرنے میں یکتا تھے۔ اَنَا اَشْتَھِیْ اَنْ یَّصِفَ لِیْ مِنْھَا شَیْئًا اَتَعَلَّقُ بِہٖ۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے سراپا کا کچھ بیان کریں تاکہ اس سے میرا تعلق ہو یعنی آپ کا حلیۂ مبارکہ میرے خانۂ قلب کو مجلّی و مطہّر و منوّر کرتا رہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

بہ چہ تسکیں بدہم دیدہ و دل را کہ مدام
دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

ابن ماجہ اور طبرانی نے نیک بندوں کی یہ نشانی روایت کی ہے۔ اِذَا رُاُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ۔ وہ جب

دیکھے جائیں تو اللہ یاد آئے"۔ اور بغوی کی روایت حدیث قدسی کی ہے "اَوْلِیَائِیْ مِنْ عِبَادِی الَّذِیْنَ یُذْکَرُوْنَ بِذِکْرِیْ وَاُذْکَرُ بِذِکْرِھِمْ" میرے بندوں میں سے میرے اولیاء وہ ہیں کہ میری یاد کے وقت اُن کی یاد اور اُن کی یاد کے وقت میری یاد آتی ہو"۔ یعنی وہ مبارک ہستی جس کی فنا اور بقا اللہ ہی سے ہے وہ اللہ کی یاد کا ذریعہ ہے۔ جس کو ایسا ذریعہ ملے وہ خوش نصیب ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسی سعادت کو حاصل کرنا چاہا۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دولتِ عظمیٰ اور سعادتِ علیا سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ تھے۔ وہ جس وقت اپنے محبوبِ اعظم سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرتے تھے بے ساختہ ان کی زبان پر "کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ" آتا تھا۔ یعنی گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ اُن عاشقانِ پاک باطن کی آنکھوں کے سامنے وہی خیال مبارک تھا جو ان کے نگارخانۂ دل میں ہمہ وقت محفوظ رہتا تھا۔

ابھی دو سال کا واقعہ ہے کہ دہلی میں ایک جگہ نجد و کویت اور شام کے چار فضلا کے ساتھ ہندوستان کے چار علماء کا اجتماع تھا۔ اس مختصر لیکن مؤقر اجتماع میں میری شرکت بھی ہوئی۔ ہندوستان کے علماء میں سے دو صاحبان کا تعلق طریقۂ علیہ چشتیہ سے تھا۔ مجھ کو بعد میں معلوم ہوا کہ کویت کے فاضل کا تعلق حضراتِ مشائخ کے کسی سلسلہ سے تھا۔ اس پاکیزہ اور باوقار محفل میں سلاسلِ مبارکہ کا ذکر آیا اور فاضلِ کویت نے "رابطہ" کے متعلق کچھ کہا۔ فاضلِ نجد نے رابطہ کے متعلق دریافت کیا اور جب ان کو معلوم ہوا کہ رابطہ تصورِ شیخ کو کہتے ہیں تو انھوں نے کہا: "ھٰذَا حَرَامٌ" یہ تو حرام ہے۔ میں نے ان سے کہا (بہ عربی) "جنابِ من۔ رابطہ تو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول رہا ہے۔ وہ سالہا سال بعد سردارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر شریف کرتے وقت کس شوق و محبت سے کہا کرتے تھے: "کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ جس وقت وہ یہ الفاظ فرماتے تھے وہ اس مبارک خیال کو دیکھا کرتے تھے جو اُن کے نہاں خانۂ دل میں محفوظ تھا۔ یہی وہ رابطہ ہے جو مُوصِل الی اللہ ہے اور حضرات نقشبندیہ اس پر عامل ہیں"۔ میری بات سن کر فاضلِ نجد خاموش بیٹھ گئے اُن کے بُشرہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُن کی خاموشی جامۂ تفکر پہنے ہوئے ہے اور فاضلِ کویت کے چہرے پر آثارِ مسرت ظاہر تھے۔ حُسنِ اتفاق سے دوسرے دن ایک بڑے اجتماع میں یہ دونوں صاحبان بہت مسرت سے ملے اور کچھ علمی گفتگو ہوئی۔

تصور ہے وہ نسخۂ کیمیا   کہ جس نے مسِ دل کو کندن کیا
تصور میں ہے بوئے سوز و گداز   ہے مہر و محبت ہی راہِ نیاز
تصور ہے معمولِ مردانِ دیں   جو سمجھے تھے کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْن
تصور ہے شمعِ فروزانِ راہ   زہے قولِ عاشق کَاَنِّیْ اَرَاہ

تصوّر نے ان کے کیا یہ اثر　　کھلا "لِی مَعَ اللہ" کا وہ بستہ در
تصوّر ہے بے شک وہ راہِ وصُول　　پہنچتی ہے جو بارگاہِ رسُول
ہوا جو گرفتارِ عشقِ نبیؐ　　وہ دوزخ سے یکسر ہوا ہے برِی
جو نارِ محبت کا ہو سُوختہ　　نہ ہوگا وہ دوزخ کا اَندُوختہ
قتیلِ وفا پر ہو رحمت مدام　　بہشتِ بریں ہوگا اس کا مقام
نہ اس میں خفا ہے نہ تنکیر ہے　　"مَعَ مَنْ اَحَبَّ" کی یہ تفسیر ہے

صدہا جلیل القدر علما اشال حضرت مجدّد و شاہ ولی اللہ راہِ خطا پر بلکہ العیاذ باللہ راہِ شرک پر اتفاق نہیں کرسکتے۔ ان حضرات کی نظر نہایت درجہ دقیق ہے۔ ان پر اَسرارِ مَسْجُوْدٌ لَہٗ اور مَسْجُوْد اِلَیْہِ ظاہر تھے۔ یہ حضرات اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ کے مصداق تھے (وہ لوگ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے سو تو چل ان کی راہ)

محال است سعدی کہ راہِ صفا　　تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

کمالات کا اظہار

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کمالات عنایت کردیئے ہیں اور تمام اشیاء کا اظہار آپ پر ہوگیا ہے۔ پروردگار فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (یعنی) اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیورا[1] ہر چیز کا۔ یعنی قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل اور بھید ہے۔ اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اشیاء کا ذکر بھی کیا ہے۔ جیسا کہ بخاری، مسلم اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اللہَ لَیُؤَیِّدُ الْاِسْلَامَ بِرِجَالٍ مَا ھُمْ مِنْ اَھْلِہٖ[2] اللہ تعالیٰ اسلام کی تائید ایسے افراد سے کرائے گا جو کہ اس کے اہل میں سے نہ ہونگے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے چاہے صَرَاحَۃً ہو یا تَشْبِیْہًا یا تَمْثِیْلًا یا اِشَارَۃً یا تَلْوِیْحًا۔ اس کا ظہور یقینًا ہوگا اور اپنے وقت پر ہوگا۔ میں دو تین اُمور کا ذکر کرتا ہوں تاکہ حقیقت واضح ہوجائے۔

١- سورۂ یونس کی آیت بانوے ہے۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (ترجمہ) سو آج بچادیں گے تجھ کو تیرے بدن سے "تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی اور البتہ بہت لوگ ہماری قدرتوں پر دھیان نہیں کرتے" اس آیت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ فرعون کی لاش بعد میں آنے والوں کے لئے برائے عبرت باقی رہیگی تیرھویں صدی کے اوائل تک ہمارے علمائے کرام یہی سمجھتے رہے کہ بعد میں آنے والوں سے مراد فرعون کی

---

[1] بیورا - بھید، نشان، پتا - فرہنگِ آصفیہ　[2] الجامع الصغیر جلد اوّل صفحہ ۹۳-

قوم ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس آیتِ مبارکہ کو بیان کرتے رہے اور وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ کا اظہار ہوتا رہا۔ جب مصر پر نابلیوں کا قبضہ ہوا، یورپ کے پادریوں نے وہاں کہنا شروع کیا کہ تمہارے قرآن میں یہ آیت ہے، لہٰذا ہم کو وہ نشانی دکھاؤ۔ اس وقت ارشادِ نبوی اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ الْاِسْلَامَ بِرِجَالٍ مَّا هُمْ مِنْ اَهْلِهٖ کا ظہور ہوا اور یورپ کے نصاریٰ نے کھوج لگا کر فرعون کی وہ لاش نکال لی جس کو اب ہر شخص دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

۲۔ سورہ ابراہیم کی آیت بتیس تینتیس اور چونتیس ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ (ترجمہ) اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہارے میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہاری رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو۔ بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر۔"

قرآن مجید میں لفظ سَخَّرَ۔ کا استعمال ہوا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے اس کا بیان "کام میں لگایا" سے کیا۔ شمس و قمر اور دیگر کواکب کے متعلق چند سال پہلے تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ اُن کی گردش سے اہلِ جہاں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، اب چند سال سے تسخیر نے دوسری صورت بھی دکھائی ہے اور قمر پر انسان کے قدم پہنچ گئے ہیں۔ جب سے اس کیفیت کا ظہور ہوا ہے، نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر یاد آتا رہتا ہے۔

بَلَغْنَا السَّمَآءَ مَجْدُنَا وَجُدُوْدُنَا   وَاِنَّا لَنَرْجُوْ فَوْقَ ذٰلِكَ مَظْهَرًا

(ترجمہ) ہماری عظمت اور مساعی آسمان تک پہنچ چکی ہیں اور ہم اس سے بالاتر مظاہر کی اُمید رکھتے ہیں۔"

اور اس طرح وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ کا اظہار ہوا۔ "دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی" اور ساتھ ہی اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ کا بھی ظہور ہوا۔ "بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر۔" اللہ تعالیٰ اس کی خواہشیں پوری کر رہا ہے اور وہ لادینیت اور دہریت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے بہت خوب فرمایا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند   تا تو نانے بہ کیف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار   شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

۳۔ سورۂ یاسین کی آیت ۴۱ و ۴۲ ہے۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُوْنَ (ترجمہ) اور ایک نشانی ہے اُن کو کہ ہم نے اُٹھالی ان کی نسل اس بھری کشتی میں اور بنادی ہم نے ان کو اس طرح کی چیز جس پر چڑھتے ہیں۔ یعنی اس بھری کشتی کی طرح اور چیزیں بھی مہیا کردی ہیں، جن پر سوار ہوتے ہیں۔ اس کشتی کے پیشِ نظر کہ اس میں کتنے مسافر اور سامان آتا ہے۔ لاریوں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کو دیکھا جائے، کیا یہ امثال فلک مشحون (بھری کشتی) نہیں ہیں، پھر مشکات کے "باب العلامات بین یدی الساعۃ" میں صحیح مسلم کی اس طویل حدیث کو دیکھا جائے، جس میں دجّال کا بیان ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "وَمَا إِسْرَاعُهُ فِي الْأَرْضِ" زمین پر اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی، آپ نے فرمایا: "كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ" اس ابر کی طرح جس کو ہوا لے اُڑی ہو۔ اب موٹروں، لاریوں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری دیکھ لی جائے اور حدیث شریف "زُوِيَتْ لِيَ الْأَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا" کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ "زمین کو میرے واسطے یک جا کر دیا گیا ہے اور میں نے اُس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا" پھر صحیحین کی اس روایت کو دیکھا جائے: "زُوِيَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ أُمَّتِي مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا" میرے واسطے ساری زمین یک جا کردی گئی، میں نے اُس کے مشارق اور مغارب یعنی جانب دیکھ لئے اور میری امت کا ملک اس زمین تک پہنچے گا جو میرے واسطے یک جا کردی گئی ہے' یعنی جو کچھ مجھ کو دکھایا گیا ہے میری اُمت کو دیا جائیگا۔ کیا اب اس دور میں اس کا ظہور نہیں ہو رہا ہے۔

"أَفَسِحْرٌ هٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ۔ اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا"[1]

یہ سب ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہیں جو آپ کو عطا ہوئے تھے اور آپ نے عالمِ مثال میں ان سب کو دیکھ لیا تھا اور اب آپ کی اُمت عالمِ شہادۃ میں اس کو دیکھ رہی ہے اور اس سے فائدے اُٹھا رہی ہے اور خیال نہیں کرتی کہ ربّ العزت جلّ شانہٗ و عزّ برہانہٗ فرما رہا ہے۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (ترجمہ) اور جب سنا دیا تمہارے رب نے کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو اور اگر ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے" اللہ سب کو اپنے عذاب سے بچائے۔

یہی کیفیت علوم اوّلین و آخرین کی ہے۔ چاہے وہ علومِ ظاہریۃ ہوں چاہے باطنیۃ۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ أُوْتِيْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ۔ اوّلین اور آخرین کا علم مجھ کو عطا کر دیا گیا ہے۔ علومِ ظاہری کو علمائے اعلام اس کے زوایا اور خبایا سے نکال کر پھیلا رہے ہیں۔ علمِ کلام کو ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی وغیرہما نے اور فقہ و استنباطِ احکام کو ابو حنیفہ، مالک، شافعی، ابن حنبل وغیرہم نے، اسی طرح باقی علوم کو علمائے اعلام نے ظاہر کیا اور علمِ باطن کو حضرات مشائخ نے بیان کیا، اسرار و

---

[1] مطابقۃ الاختراعات العصریۃ لما اخبر بہ سید البریۃ، سے استفادہ کیا ہے۔

حقائق کا بیان شیخ اکبر اور حضرت مجددؒ نے کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔[1]

اگر کسی عالم کی طرف کسی علم کی یا کسی ولی کی طرف اسرار و معارف کی نسبت کی جاتی ہے۔ یا وہ اظہارِ شکر و نعمت کی وجہ سے اپنی طرف اس علم یا اس معرفت کی نسبت کرتا ہے تو وہ صرف اس علم یا معرفت کے اظہار کی نسبت ہے ورنہ حقیقتِ معاملہ وہ ہے جس کا اظہار حضرت مجدد اپنے مکاتیب میں کرتے رہتے ہیں۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز و من چیز تُست

یہی کیفیت خلافتِ الٰہیہ کی ہے کہ از روزِ اوّل یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رہا ہے اور تا روزِ آخرت اس کا تعلق آپ ہی سے رہیگا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ مجھ کو نبوت مل چکی تھی اور آدم ابھی آب و گل میں تھے یعنی ابھی ان کی تخلیق نہ ہوئی تھی۔

ازل سے اَبد تک وہ سب کے نبی   تمام انبیا اُن کے ہیں اُمّتی
پڑھو آیتِ تُؤمِنُنَّ بِہٖ   ہے میثاق سب کا خدا سے یہی
سبھی شانِ عالی کے ہیں مُعترف   ہر اک اُن کی رحمت سے ہے مُغترف
نہیں خلق میں اُن سا کوئی دِگر   ہے احمد میں ظاہر اَحَد کا اثر
خدا کی خدائی میں یکتا وہ کُل   خدا نے کیا اُن کو سردارِ کُل
وہ سرتاجِ کُل اَنبیا لَاکَلَام   بلاشک رسولوں کے برحق اِمام۔

آپ کی تشریف آوری سے پہلے خلافتِ الٰہیہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو ملتی رہی اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ خلافت اولیائے کاملین کو بہ نیابت ملی۔ جب تک یہ منصب رہے گا قیامت برپا نہ ہوگی۔ اولیائے پروردگار کی شان کیا ہے اس کے متعلق مختصر طور پر لکھتا ہوں۔

اولیائے حق

امام بخاری اور دوسرے ائمۂ حدیث نے یہ حدیثِ قدسی روایت کی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ اَعْطَیْتُہٗ وَلَاِنْ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَتَہٗ وَلَابُدَّ لَہٗ مِنْہُ۔[2]

(ترجمہ) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز کے رسالہ دردفع اعتراضات سے استفادہ کیا ہے۔ [2] مشکٰوۃ باب ذکر اللہ والتقرب الیہ۔

میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کو لڑائی سے خبردار کر دیتا ہوں اور میرا بندہ کسی شے سے بھی جو مجھ کو بہت محبوب ہے میرا قرب نہیں پا سکتا جو کہ وہ میرے عائد کردہ فرض سے پاتا ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کی وہ سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور وہ بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اور وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے طلب کرے البتہ میں اس کو دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے البتہ میں اس کو پناہ دوں گا۔ اور مجھ کو اپنے کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا جو تردد مجھ کو مومن کی جان لینے میں ہوتا ہے (کیونکہ) وہ موت سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کی ناخوشی مجھ کو ناپسند ہے۔ اور اس کو موت سے مفر نہیں۔"

اس حدیثِ قدسی سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ جو تقرب فرائض کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے وہ کسی عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ سے عداوت کرنے والا بڑے پُرخطر مقام پر ہے۔ وہ اپنے کو ربّ العزّت تعالیٰ شانہ کا حریف بنا رہا ہے۔

علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے "علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار سے بر سرِ پیکار نہیں بجز منکرِ اولیاء اور آکلِ ربا (سود خور سے محاربت کا ذکر قرآن مجید میں ہے) یہ دونوں نہایت معرضِ خطر میں ہیں کہ ان کا خاتمہ خرابی پر نہ ہو جائے کیونکہ اللہ سے لڑائی کا فر ہی کی رہتی ہے۔[1]

اور اس مبارک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف نسبت تشریف و تکریم و تعظیم کے لئے ہے۔ اور اس میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ اولیائے حق کی اپنی کوئی خواہش باقی نہیں رہتی وہ ہر حال میں اپنے مولیٰ سے راضی رہتے ہیں۔ ان کو مقامِ رضا مل چکا ہے۔ حضرت سیدی الوالد قدس سرّہٗ نے مخلصین سے فرمایا "بچّوں کی علالت پر دل میں خیال آتا ہے کہ دعا کروں اس پر ہم کو اپنے مالک تعالیٰ سے شرمندگی ہوتی ہے"[2]

حدیثِ مبارک میں ہے۔ "اگر وہ مجھ سے طلب کرے البتہ میں اس کو دوں گا" اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی طلب صرف رضاءِ حق تعالیٰ ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　فرزند و عیال و خان و ماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيْلَ فَقَالَ إِنِّيْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ إِنَّ

---

[1] رسالہ سَلّ الحسام الہندی جو مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ہے مجموعہ کی جلد دوم کے صفحہ ۳۱۷ کو ملاحظہ کریں۔ [2] مقاماتِ خیر صفحہ ۵۲۷۔

اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِى الْاَرْضِ"۔ [1]

(ترجمہ) اللہ تبارک وتعالیٰ کو جب اپنے کسی بندہ سے محبت ہوتی ہے وہ جبریل کو بُلا کر کہتا ہے۔ مجھ کو اُس بندہ سے محبت ہے تم اس سے محبت کرو چنانچہ جبریل اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر وہ اہلِ آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ کو اس بندہ سے محبت ہے تم سب اس سے محبت کرو چنانچہ اہلِ آسمان اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اہلِ زمین میں اس کی قبولیت عام ہو جاتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طرف بندگانِ خدا کے دل خود بخود مائل ہوتے رہتے ہیں اور وہ انسانِ کامل جو بقائے عالم کا سبب بنتا ہے اسی جماعتِ اولیاء میں سے ہوتا ہے۔ ملک العلماء بحر العلوم علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی نے حضرت شیخ اکبر کے مسلک کو رسالہ "وَحْدَةُ الْوُجُوْدِ وَشُهُوْدُ الْحَقِّ فِىْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ" میں نہایت اچھے پیرایہ سے بیان کیا ہے۔ آپ کا رسالہ فارسی میں ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ ندوۃ المصنفین دہلی نے "وحدۃ الوجود" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں انسانِ کامل کے متعلق لکھا ہے۔

"انسانِ کامل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ اللہ نے اس کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے تاکہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائناتِ عالم کو باقی رکھے اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے۔ اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسانِ کامل ہے۔ ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ ہی ہے، انسانِ کامل صرف وسیلہ بنا ہے۔

تمام خلائق میں انسانِ اکمل اور اللہ کے خلیفۂ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دنیا میں آپ کی آمد سے پہلے انبیاء اور رسل آپ کے نائب اور اللہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الاقطاب آپ کا نائب اور اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی مُہر ہے"۔ [2]

انسانِ کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا ہے حضرت مجدد نے بھی وہی کہا ہے اس سلسلہ میں آپ کے دفتر دوم کا مکتوب گیارہ اور دفتر سوم کا مکتوب آٹھ ملاحظہ کیا جائے۔ فرق صرف نام کا ہے۔ شیخ اکبر جس فردِ اکمل کو قطب الاقطاب کہتے ہیں حضرت مجدد اسی کو قیّوم کہتے ہیں۔ اس بات پر دونوں حضرات کا اتفاق ہے کہ وہ فردِ اکمل اللہ کے تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے۔ چونکہ قیّوم بھی اللہ کی ایک صفت ہے اور وہ فردِ اکمل اس صفت کا بھی مظہر ہے لہٰذا وہی صفت اس کے منصب کا نام ہونا چاہیئے: "اَلْقَيُّوْمُ مُدَبِّرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَكُلُّ شَيْءٍ قَائِمٌ بِاَمْرِهٖ" قیّوم آسمانوں اور زمین کا مدبّر ہے اور ہر شے کا قیام اس کے امر سے ہے"۔

حضرت مجدد کے تجویز کردہ نام پر بعض لوگ لاحول واستغفار پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ تسمیہ سوءِ ادب کو متضمن ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ سُننے والے کو سمیع، دیکھنے والے کو بصیر، علم والے کو علیم، حکمت

---

[1] مشکات باب الحب فی اللہ [2] از رسالہ وحدۃ الوجود صفحہ ۱۱۵ سے ۱۱۷ تک۔

والے کو حکیم کہتے ہو تو بے ادبی کا احساس کیوں نہیں ہوتا اور قیوم میں یہ احساس کیوں ہوا کیا شریعت میں اس نام کی تخصیص آئی ہے۔

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست

حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا اسماعیل نے اپنی کتاب عبقات میں لکھا ہے۔

اِتَّفَقَ اَهْلُ الْكَشْفِ وَالوِجْدَانِ وَاَرْبَابُ الشُّهُودِ وَالعِرْفَانِ مُؤَيَّدِيْنَ بِالبَرَاهِيْنِ العَقْلِيَّةِ وَالِاَشَارَاتِ النَّقْلِيَّةِ عَلٰى اَنَّ القَيُّوْمَ لِلْكَثْرَاتِ الكَوْنِيَّةِ وَاحِدٌ شَخْصِيٌّ "[1]

(ترجمہ) اصحابِ کشف و وجدان اور خداوندانِ شہود و عرفان جو کہ عقلی دلائل اور نقلی اشارات سے مؤید ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کی کثرت کا قیوم (قائم اور باقی رکھنے کا ذریعہ) ایک شخص ہے "

جو بات شیخ اکبر اور حضرت مجدد نے کہی ہے تمام مشائخ نے کہی ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف نام میں ہے۔ کسی نے غوث کا نام رکھا، کسی نے قطب الاقطاب کا۔ کسی نے قطب مدار کا، کوئی مشکل کشا کہتا ہے کوئی کرتا دھرتا، کوئی قیوم۔ حضرت سیدنا عبدالقادر غوث کہلائے، حضرت شاہ نقشبند مشکل کشا، حضرت مجدد قیوم۔ منصب ایک ہے نام مختلف۔

انسانِ کامل میں بھی تفاوتِ درجات ہے جیسا کہ حضرات انبیاء میں ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ " (ترجمہ) یہ سب رسول، بڑائی دی ہم نے ان میں سے ایک کو ایک سے "

یہ منصبِ جلیل قیومیت کے نام سے سب سے پہلے حضرت مجدد کو ملا۔ اب قیامت تک جو بھی قیوم ہوگا آپ کے ظل سے خارج نہ ہوگا جس طرح پر ہر فقیہ عیالِ ابوحنیفہ ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

---

[1] عبقات صفحہ ۳۹

حضرت شیخ اکبر

آپ کا اسمِ گرامی محمد، کنیت ابوبکر، لقب محی الدین اور شہرت ابن عربی کے نام سے ہے۔ علامہ نبہانی نے لکھا ہے کہ غوثِ زمان اَبُومَدْیَن نے آپ کو شیخ اکبر کا خطاب دیا۔[1] اس خطاب کی اتنی شہرت ہوئی کہ آپ کے نام کو لوگ بھول گئے۔ آپ علی بن محمد حاتمی طائی کے فرزند ہیں۔

آپ کی ولادت شب دوشنبہ سترہ رمضان ۵۶۰ھ (چار اگست ۱۱۶۵ء) میں اندلس کے شہر مُرسِیَہ میں ہوئی اور وفات شب جمعہ بائیس ربیع الآخر ۶۳۸ھ (سترہ نومبر ۱۲۴۰ء) میں دمشق (واقع ملک شام) میں ہوئی اور وہاں جبلِ قاسیون میں مدفون ہوئے۔ اب وہ جگہ صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

آپ نے علمِ ظاہر اکابر علماء سے پڑھا اور علم باطن شیخ جمال الدین یونس سے حاصل کیا جو کہ سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی کے خلیفہ تھے۔ آپ کا مذہب ظاہری تھا یعنی امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے۔

آپ کی مبارک ذات آیاتِ الٰہیہ میں سے ایک آیت باہرہ تھی۔ آپ کی تالیفات کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ علامہ نبہانی نے آپ کا تحریر کردہ اجازت نامہ جو آپ نے ملک منظفر کو لکھ کر دیا ہے، نقل کیا ہے۔[2] اس میں آپ نے اپنے اساتذہ اور اپنی تالیفات کا بیان کیا ہے۔ میں نے ان کا شمار کیا تہتر نام اساتذہ کے اور دو سو اڑتیس نام تالیفات کے ہیں۔ ممکن ہے شمار کرنے میں ایک دو نام کا فرق آ گیا ہو۔ علامہ نبہانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے مستقل ایک کتاب آپ کی تالیفات کے سلسلہ میں دیکھی ہے اس میں بہت سی ایسی تالیفات کا ذکر ہے جو اس اجازت نامہ میں نہیں ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے[3] "ان کی تالیفات از اندازِ شمار ہیں۔ اگر ایک تالیف آٹھ ورق کی ہے تو دوسری تالیف ایک سو جلدوں میں ہے۔ وہ اَلتَّفْصِیلُ فِی اَسْرَارِ مَعَانِی التَّنْزِیلِ لکھ رہے تھے، سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ تک پہنچے تھے، چونسٹھ جلدیں ہو چکی تھیں۔ اس تفسیر کا زیادہ تر حصّہ لوگوں نے چُرا لیا ہے۔"

---

[1] جامع کرامات الاولیا جلد اول صفحہ ۱۱۹ [2] صفحہ ۱۲۱ سے ۱۲۵ تک

[3] لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۳۱۱ سے ۳۱۵ تک۔

مولانا جامی نے لکھا ہے [1] بغداد کے ایک شیخ نے آپ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں آپ کی تالیفات کو پانچسو سے زائد بتایا ہے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا (خلیفۂ اعظم حضرت شاہ نقشبند) فرمایا کرتے تھے کہ جناب شیخ اکبر کی کتاب فُصُوص الحِکَم جَانْ ہے اور فُتُوحَاتِ مَکِّیَہ دِلْ۔ مولانا جامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ اکبر پر اعتراض اور طعن کی بڑی وجہ فصوص الحکم ہے اور اس میں کلام نہیں کہ اعتراض وطعن کی وجہ یا تو تقلید و تعصب ہے یا شیخ کی اصطلاحات سے ناواقفی اور معانی وحقائق کا غموض جناب شیخ نے فصوص و فتوحات میں جس کثرت سے اسرارِ وحقائق کا بیان کیا ہے حضرات صوفیہ میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔“

امام یافعی، [2] مولانا جامی اور ابن عِمَادْ حَنْبَلی [3] نے لکھا ہے کہ اتفاقی طور پر ایک دن شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اکبر کا برسرِ راہ آمنا سامنا ہو گیا۔ ایک نے دوسرے کو بہ غور دیکھا اور خاموشی سے ہر ایک اپنی راہ ہو لیا۔ بعد میں کسی شخص نے دونوں حضرات کے پاس جا کر ایک دوسرے کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ اکبر نے شیخ سہروردی کے متعلق فرمایا۔ مَمْلُوٌّ سُنَّةً مِنْ فَرْقِهٖ اِلٰی قَدَمِهٖ۔ وہ از سر تا پا سُنّتِ مبارکہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور شیخ سہروردی نے شیخ اکبر کے متعلق فرمایا۔ هُوَ بَحْرُ الْحَقَائِقِ۔ وہ حقائق کا سمندر ہیں۔ قَدَّسَ اللّٰهُ اَسْرَارَهُمَا۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ بعض اکابر علماء نے شیخ اکبر کو بُرے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ کسی نے کافر کسی نے زندیق اور ابنِ تیمیہ نے ”اس اُمّت کا شیطان“ کہا ہے۔ علامہ ابن حجر اور ابن عماد نے بعض علماء کے سخت الفاظ نقل کئے ہیں اور اس میں بھی کلام نہیں ہے کہ زیادہ تر علماء نے بعض علماء کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ اُن میں سے بعض نے شیخ اکبر کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے جیسے علامہ ابوطاہر مجدالدین محمد فیروز آبادی صاحب قاموس اور علامہ کمال بن الزملکانی کا اور بعض نے اگر شیخ اکبر کے فضل کا بیان نہیں کیا ہے تو اُن کو بُرا کہنے سے رد کا ہے۔ شیخ نوری نے کہا ہے ”کوئی ان کو کافر اور کوئی قطب کہتا ہے۔ جو مجاہدے اس جماعت نے کئے ہیں اور جو چاشنی انھوں نے پائی ہے اس کے متعلق وہ شخص کیا کہہ سکتا ہے جس نے نہ ویسے مجاہدے کئے ہوں اور نہ وہ حلاوت پائی ہو۔“ امام نووی سے جب کسی نے شیخ اکبر کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو آپ نے یہ آیتِ مبارکہ لکھ دی ”تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (ترجمہ) وہ ایک جماعت تھی گزر گئی اُن کا ہے جو کما گئے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کام کی۔“ امام نووی کے جواب کا اثر یہ ہوا کہ وہ علماء جو جناب شیخ کی بعض عبارتوں سے بیزار تھے کہنے لگے کہ نہ جناب شیخ کو بُرا کہو اور نہ

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۶۹۳ سے ۷۰۵ تک۔ [2] مرآۃ الجنان جلد ۴ صفحہ ۱۰۱

[3] شذرات الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۴۔

ان کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔

اور اس میں بھی کلام نہیں کہ عام طور پر اَجِلّہ مشائخ شیخ اکبر کے گرویدہ اور ان کی ولایت و بزرگی کے دل سے قائل ہیں۔ البتہ جناب ابوالمکارم رکن الدین علاءُ الدّولہ سمنانی نے شیخ اکبر کی مخالفت کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے۔

"خلاف شیخ علاءُ الدّولہ در مسئلۂ وحدتِ وجود بہ طور علما مفہوم می شود بہ قُبحِ آں ناظر است ہر چند بہ راہِ کشف در آمدہ است چہ صاحبِ کشف آں را قبیح نہ داند" [1]

(ترجمہ) مسئلہ وحدتِ وجود میں شیخ علاء الدولہ کا خلاف علما کے طریقہ پر مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اُن کی نگاہ اس کے قبح کی طرف ہے حالانکہ راہِ کشف میں یہ مسئلہ ان کو پیش آچکا ہے اور صاحبِ کشف اس کو قبیح نہیں سمجھتا۔

شیخ اکبر کو اللہ تعالیٰ نے علمِ ظاہر میں یکتائے روزگار اور علمِ باطن میں گنجینۂ اسرار بنایا تھا ان کے متعلق صحیح رائے وہی شخص قائم کرسکتا ہے جو کہ دونوں سمندروں کا ماہر شناور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام حضرت مجدد سے لیا۔ آپ نے حقیقتِ امر بیان کرکے افراط و تفریط سے طرفین کو بچایا ہے۔

وِعَائَین کا بیان

سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کمالات جو اولیائے پروردگار کے سینوں میں مخفی چلے آرہے تھے اور جن کے اظہار کی توفیق کوئی نہ پاسکا تھا، شیخ اکبر نے اُن کا بیان کیا ہے۔ شیخ اکبر نے کتنا عظیم اور پُرخطر کام کیا ہے، اس کا اندازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے جس کی روایت ائمہ حدیث نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

"حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ فِیْکُمْ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ" [2]

(ترجمہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوطرح کا علم حاصل کیا ہے، اُن میں سے ایک کو میں نے پھیلا دیا (یعنی اس کا بیان کر دیا ہے) اور اگر دوسرے کا بیان کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے"

حضرت ابوہریرہ کے اس ارشاد سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

۱۔ علوم دو قسم کے ہیں، ایک سُطور میں اور دوسرا صُدُور میں۔ پہلے کا بیان کرنا واجب ہے اور دوسرے کا نہیں۔

۲۔ دونوں علموں کا مصدر ذاتِ نبوی ہے عَلٰی صَاحِبِہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ۔

۳۔ علمِ باطن کا بیان کرنا نہایت مشکل کام ہے، ذرا سی لغزش جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔

۴۔ علمِ ظاہر کے اصحاب کو حق ہے کہ علمِ باطن کے بیان کرنیوالوں پر گرفت کریں۔

---

[1] مکتوبات ۴۲ دفتر دوم [2] مشکات از بخاری، کتاب العلم فصل سوم۔

۵۔ نہ گرفت کرنے والوں سے مُواخذہ، کیوں کہ انھوں نے اپنی خدمت انجام دی ہے اور نہ گرفتار شدہ پر ملامت کیونکہ اس کے پاس اُن اسرار کی تعبیر کے شایان الفاظ نہیں، کُلٌّ یَّعمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلاً۔ (ترجمہ) ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر، سو تیرا رب بہتر جانتا ہے کون خوب سُوجھا ہے۔"

وہ علم جو چھ سو سال سے خدمت و صحبت کی برکت سے ایک سینے سے دوسرے سینے میں منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔ اس کو جناب شیخ اکبر نے ظاہر کیا۔ آپ نے اس کام کے لئے بہ کثرت اصطلاحات مقرر کی ہیں، کسی شیخ نے "فتوحات مکیّہ" کی اہم اصطلاحات کو ایک مختصر رسالہ کی شکل میں جمع کیا ہے، اس رسالہ کا نام "اِصْطِلَاحَاتُ الصُّوفِیَۃِ الوَارِدَۃُ فِی الْفُتُوحَاتِ الْمَکِّیَۃِ" ہے۔ اس میں ایک سو نوے اصطلاحات کا ذکر ہے۔

ابن عماد نے لکھا ہے "اس جماعت کی خاص اصطلاحات ہیں۔ ان کے استعمال کردہ الفاظ کے وہ معانی نہیں ہوتے جو متعارف ہیں، اگر اُن کے استعمال کردہ الفاظ کو متعارف معانی پر حمل کیا گیا تو بسا اوقات کفر کی صورت پیدا ہو جائے گی جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے کہا ہے۔" [1]

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے شیخ اکبر کے متعلق جو بات فرمائی ہے کہ "حقائق کا سمندر ہیں۔" اس سے شیخ اکبر کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آپ نے بے حساب اسرار کو بے نقاب کیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ آپ پر ہر وقت انکشافات ہوتے رہتے تھے، غیبی طاقت ان کو قوتِ تحریر دیتی تھی اور وہ ان کو صفحاتِ اوراق پر ثبت کرتے جاتے تھے۔ نہ اُن کی کسی کی تحسین پر نظر تھی، نہ کسی کی تکفیر سے ڈر۔ خسرو کا یہ شعر اُن کے حسب حال واقع ہوا ہے۔

خلق می گوید کہ خسروؔ بُت پرستی می کند آرے آرے می کند با خلق او را کار نیست

علماء میں سے بعض نے آپ کو کافر، بعض نے زندیق و ملحد قرار دیا۔ علامہ ابن تیمیہ نے آپ کو اس امت کا شیطان قرار دیا اور میرا یہ خیال ہے کہ آپ کے نظریات کی سُرعتِ انتشار کو دیکھتے ہوئے ابن تیمیہ نے یہ حکم مناسب سمجھا۔

شیخ اکبر کے زمانے تک علما اور مشائخ کے اختلاف کی شکل شخصی اور انفرادی تھی۔ جو شخص توحید آمیز کلمات زبان پر لاتا تھا اُسی پر علماء ردّ و نکیر کیا کرتے تھے۔ لیکن شیخ اکبر کے وقت سے اختلاف کی شکل جماعتی ہو گئی۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کیلئے ایسے فردِ اکمل کی ضرورت تھی جو ظاہری اور باطنی علوم سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ ہو، تاکہ وہ طرفین کو اُن کے تجاوزات سے آگاہ کر سکے، صَبَاحت و مَلَاحت میں امتزاج ہو، شریعت و طریقت باہم مل کر عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا الْمُقَرَّبُوْنَ کی صورت اختیار کر لیں (وہ چشمہ

---

[1] شذرات الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۹۳۔

جس سے مقربین سیراب ہوتے ہیں) وہ فرد اکمل حضرت مجدد کی ذات تھی۔ آپ نے شیخ اکبر کے نظریات کو صحیح طور پر بیان کیا اور پھر ان حقائق کا اظہار کیا جن کا انکشاف آپ پر ہوا۔ اس سلسلہ میں آپ نے بکثرت مکاتیب لکھے ہیں۔ میں آپ کے بعض مکاتیب کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ اگر کسی کو تفصیل مطلوب ہو تو وہ اس مکتوب کی طرف مراجعت کرے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

مَردِ میدان

حضرت مجدد نے اپنے تیسرے فرزند خواجہ محمد معصوم کو ایک طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس کے آخر میں لکھا ہے۔

"اس میدان میں مقابلہ پر شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ ہیں۔ کبھی ان کے ساتھ مقابلہ ہے اور کبھی صلح۔ بہرحال انہی کی ذات ہے جس نے معرفت اور عرفان کے کلام کی بنیاد رکھی ہے اور پھر اسکو خوب شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ اور انہی کی ذات ہے جس نے توحید و اتحاد کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور تعدد و تکثر کی منشا ظاہر کی ہے۔ وہی ہیں جنھوں نے وجود کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے واسطے ثابت کیا ہے اور عالم کے وجود کو موہوم اور خیالی وجود قرار دیا ہے وہی ہیں جنھوں نے حضرت وجود کے واسطے تنزلات کا اثبات کیا ہے اور ہر مرتبہ کے احکام کو الگ کیا ہے۔ وہی ہیں جنھوں نے عالم کو عینِ حق سمجھا ہے اور "ہمہ اوست" کہا ہے، یعنی سب کچھ وہی ہے۔ باوجود اس کے انھوں نے اللہ کے مرتبۂ تنزیہ کو سب سے بلند تر پایا ہے۔ اور سب کی دید و دانش سے اس کو منزّہ و مبرّا قرار دیا ہے۔ جناب شیخ سے پہلے جو مشائخ گزرے ہیں اس سلسلہ میں ان حضرات نے اگر کچھ کہا ہے بہ طریق رمز و اشارہ کہا ہے کُھل کر بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ اور جناب شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں اُن میں سے اکثر نے جناب شیخ کی پیروی کی ہے اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے۔ ہم پس ماندگان انہی بزرگوار کی برکات و فیوضات سے مستفید ہوئے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت کرے۔

اس سلسلہ میں کام کی بات یہ ہے کہ بشریت کی وجہ سے درست اور نادرست یعنی صحیح اور غلط کے مواقع اور محلات آپس میں ملے ہوئے ہیں، انسان حکم میں کبھی مُصیب اور کبھی مُخطی ہوتا ہے لہٰذا اہلِ حق کے سوادِ اعظم سے موافقت کو مصداقِ صواب اور مخالفت کو دلیلِ خطا سمجھنا چاہیئے۔ بات کا کہنے والا چاہے کوئی بھی ہو اور بات چاہے جیسی بھی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ سوادِ اعظم کے ساتھ دینے کو اپنے اوپر لازم کرو۔"

اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ کسی صناعت کی تکمیل، اختلافِ نظریات اور تلاحقِ افکار کے بعد ہی ہوا کرتی ہے۔ سیبویہ کے متعلق جتنا بھی کہا جائے کہ وہ علمِ نحو کے بانی تھے لیکن بعد والوں کے افکار و نظریات کے بعد جو صورت نحو کی ظاہر ہوئی ہے اور جو زیب و زینت اس میں آئی ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔

"اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے مہر اور بنا ہمارے کام کا بناؤ۔" والسلام[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ "اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ" اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے اِدراک سے اپنی عاجزی اور نارسائی کا جان لینا ہی ادراک ہے۔ حضرت صدیق اکبر کے ارشادِ گرامی کے مضمون کو سعدی رحمۃ اللہ نے کیا خوب نظم کیا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم … وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام شد و بہ پایاں رسید عمر … ما ہمچناں در اوّلِ وَصْفِ تو ماندہ ایم

شیخ اکبر نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی کے سلسلہ میں لکھ دیا ہے۔ "فَمِنَّا مَنْ عَلِمَ وَمِنَّا مَنْ جَهِلَ فَقَالَ الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ" یعنی ہم میں سے کسی کو علم ہوا اور کوئی جاہل رہا اور اس نے کہہ دیا اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ۔ اس کے بعد شیخ اکبر نے ان علوم کا ذکر کیا ہے جو بعض کو حاصل ہوئے ہیں اور پھر لکھ گئے ہیں کہ ان علوم کا تعلق خاتم الاولیاء سے ہے اور ان علوم کو خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الاولیا سے اخذ کرتے ہیں۔ اور شیخ اکبر خاتم ولایت محمدیہ اپنے کو قرار دیتے ہیں۔

حضرت مجدد نے یہ تفصیل لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔ اس قول کی وجہ سے جناب شیخ پر اعتراضات کئے گئے ہیں اور آپ مطعونِ خلائق بنے اور فصوص الحکم کے شارحین نے اعتراضات اور مطاعن کے ہٹانے کی کوششیں کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے لکھا ہے۔

"فقیر کہتا ہے، وہ علوم جو جناب شیخ نے بیان کئے ہیں اس عجز سے جس کا بیان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے بہت زیادہ فروتر ہیں بلکہ ان علوم کی اُس عجز سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان علوم کا تعلق ظلال سے ہے اور اس مَوطن و مقام میں عجز ہی اصل ہے۔ اس قول کے کہنے والے اور اس عجز کے ظہور کا مَصْدَر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو سردارِ عارفان و رئیسِ صِدّیقان ہیں۔ بھلا وہ کونسا علم ہے جو اس عجز سے سبقت لے جائے اور وہ کونسا بہادر ہے جو اس عجز والے سے پیش قدم ہو جائے۔ جبکہ جناب شیخ، آقائے صِدّیق صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کچھ کہہ دیں تو پھر حضرتِ صِدّیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اگر ایسی بات کہیں تو کیا کیا جائے۔

عجب معاملہ ہے کہ باوجود اس کلام کے اور ایسی شطحِ (سُکر آمیز بات) خلاف جواز کے جناب شیخ مقبولانِ بارگاہِ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جماعتِ میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے ع
باکریماں کارہا دشوار نیست۔ ہاں کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ دُعا رنجیدگی کا سبب بنتی ہے اور کبھی بدتمیزی موجبِ خوشنودی، شیخ کا رَد کرنے والا خطرہ میں ہے اور ان کے اقوال کے ساتھ ان کا قبول

---

[1] مکتوب ۷۹ دفتر سوم۔

کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ جنابِ شیخ کو قبول کیا جائے اور ان کے خلافی کلام کو قبول نہ کیا جائے۔ یہ راہِ وَسَط ہے جو شیخ کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کے متعلق فقیر کا مختار مسلک ہے۔" [1]

جنابِ شیخ کی بزرگی اور جلالتِ قدر کے سلسلہ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

"عجب کاروبار ہے کہ متقدمین صوفیہ میں سے بہت سے اکابر نے اس قسم کے توحید آمیز اقوال سے حُلول اور اتحاد کے معانی سمجھ کر ان اقوال کے کہنے والوں کی تضلیل و تکفیر کی ہے۔ اور بعض اکابر نے ان اقوال کی ایسی تاویل کی ہے جو قائلین کے مذاق سے مناسبت نہیں رکھتی۔ شیخ الشیوخ نے عوارف المعارف میں منصور کے قول "اَنَا الحق" اور بایزید کے قول "سُبحَانِی" کے متعلق کہا ہے کہ یہ اقوال بر سَبیلِ حکایت ان کی زبان پر جاری ہوئے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے قول کو نقل کیا ہے اور اگر ان کے کہنے میں حکایتِ قول نہ ہو اور حلول و اتحاد کا شائبہ تک پیدا ہو جائے تو ہم نصارٰی کی طرح جو کہ حلول کے قائل ہیں، ان کا بھی رَد کریں گے۔

جو تحقیق پہلے بیان کر چکا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ اَنَا الحق اور سُبحانی جیسے اقوال میں جو شطح نما ہیں، نہ حلول ہے نہ اتحاد۔ اگر حَمل ہے تو بہ اعتبار ظہور کے ہے نہ بہ اعتبار وجود کے جیسا کہ سمجھا گیا ہے اور ان اقوال کو حلول و اتحاد کا لباس پہنایا گیا ہے۔" [2]

توحید کا مسئلہ

"یہ مسئلہ متقدمین کے زمانہ میں واضح طور پر سامنے نہیں آیا تھا اور نہ پوری طرح اس کا بیان ہوا تھا۔ جو شخص مغلوب الاحوال ہوتا تھا اس کی زبان پر اتحاد نما اقوال آجاتے تھے اور وہ غلبۂ سُکر و مدہوشی کی بنا پر حقیقتِ حال کو بیان نہیں کر سکتا تھا تا آنکہ شیخ بزرگوار محی الدین ابن العربیؒ قدس سرہ کی باری آئی۔ انھوں نے کمالِ معرفت کی وجہ سے اس دقیق مسئلہ کو خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ انھوں نے اس طرح پر ابواب و فصول مقرر کیے جس طرح علمِ نحو و صَرف میں ہیں۔ باوجود اس وضاحت اور تحقیق کے صوفیہ کی ایک جماعت (مثل شیخ علاء الدولہ) ان کے مطلب و مدّعا کو نہ سمجھی اور ان کو برخطا قرار دے کر مطعون و ملام کیا۔ حالانکہ اس مسئلہ میں جنابِ شیخ اکبر اپنی اکثر تحقیقات میں حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے راہِ صواب سے دور ہیں۔ جنابِ شیخ نے جس طرح اس دقیق مسئلہ کو حل کیا ہے اس سے آپ کی بزرگی اور علم کی بے پایانی کا اندازہ لگانا چاہیے نہ یہ کہ ان کو بُرا کہا جائے۔" [3]

آپ نے خواجہ ہاشم کشمی کو ایک طویل مکتوب سولہ صفحات کا ارسال کیا ہے۔ اس میں آپ نے حضرت خواجہ سے بیعت ہونے، سلوک طے کرنے اور مقاماتِ توحید کے اذواق کا بیان کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے۔

---

[1] مکتوب ۷۷ دفتر سوم [2] مکتوب ۸۹ دفتر سوم۔ [3] مکتوب ۸۹ دفتر سوم۔

اے عزیز۔ اگر تفصیل احوال و تبیینِ معارف کو قلمبند کروں بات طویل ہوجائے گی اور خاص کر توحید وجودی کے احوال اور ظلیّتِ اشیاء کے معارف بیان کیۓ جائیں تو وہ لوگ جنھوں نے توحیدِ وجودی میں عمریں صَرف کی ہیں، سمجھ لیں گے کہ انھوں نے دریائے بے نہایت میں سے پورا ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے، تعجب اس بات پر ہے کہ وہی لوگ اس درویش کو اصحاب توحید وجود سے شمار نہیں کرتے بلکہ اس کو توحید وجودی کے مخالف علماء میں سے سمجھتے ہیں۔ اور اپنی کوتہ نظری کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ معارف توحید وجودی پر اصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے ترقی کرنی نقص ہے۔

بیخبر دے چند ز خود بے خبر عیب پسندند بہ زعم ہنر

(ترجمہ) چند بے وقوف جن کو اپنی خبر نہیں ہے، ہُنر کے نام پر عیب کو پسند کرتے ہیں۔

اس معاملہ میں ان لوگوں کی دلیل گزرے ہوئے مشائخ کے وہ اقوال ہیں جو توحیدِ وجودی سے متعلق ہیں (جیسے سبحانی) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف کی توفیق دے بھلا ان لوگوں کو کہاں سے معلوم ہوگیا کہ اُن مشائخ کی اس مقام سے ترقی نہیں ہوئی ہے اور وہ اس مقام میں بند ہوکر رہ گئے ہیں۔ معارفِ توحید کے حصول میں تو ہمارا اختلاف ہی نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک امر متحقق اور ثابت ہے۔ البتّہ اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا مشائخِ ماتقدم کی ترقی اس مقام سے ہوئی ہے یا نہیں۔ اب اگر یہ لوگ اس شخص کو جو ترقی کا قائل ہے منکرِ توحید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے واسطے یہ نام تجویز کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کی خاص اصطلاح ہوئی اور اس میں کیا مناقشہ۔ [1]

حضرت مجدّد نے "کیا مناقشہ" تحریر فرماکر مشہور قول "لَامُشَاحَۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ" کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی اصطلاح کے مقرر کرنے میں کوئی بات نہیں۔

توحیدِ وجودی اور شہودی

آپ نے مولانا عبدالحی کو توحیدِ وجودی اور شہودی کے مراتب تحریر فرمائے ہیں کہ بعض افراد کے لئے توحیدِ وجودی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ توحید کے مراقبوں کی مشق کرتے ہیں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی لَامَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ سمجھتے ہیں اور اس معنی کی کثرتِ مزاولت سے ان کے خیال میں توحیدِ وجودی کا غلبہ ہوجاتا ہے چونکہ اس توحید میں سُلطانِ خیال کا دخل ہے لہٰذا یہ معلول ہے اور ایسی توحید والے کو ہم صاحبِ حال نہیں کہہ سکتے۔

اور بعض افراد کیلئے توحید وجودی کا منشاء انجذاب اور قلبی محبّت ہوتی ہے یہ لوگ اپنے کام کی ابتدا ذکرِ الٰہی اور مراقبات سے کرتے ہیں اور ان کے مراقبے توحیدی معنی کے تخیّل سے خالی ہوتے ہیں

---

[1] مکتوب ۲۹۰ دفتر اول۔

یہ لوگ اپنے کام میں منہمک رہتے ہیں تاآں کہ عنایتِ ازلی ان کو مقامِ قلب تک پہنچاتی ہے۔ اب اگر اُن پر توحیدِ وجودی کا جمال ظاہر ہوتا ہے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہے جس نے محبوب کے سوا سب کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے۔ جب کہ وہ محبوب کے سوا کچھ نہیں دیکھتے تو کسی کو موجود بھی نہیں سمجھتے، ایسی توحید والے اصحابِ احوال ہیں۔ ان کی توحید علتِ تخیل اور شائبۂ توہم سے پاک وصاف ہے ایسی توحید والے اربابِ قلوب اگر اسی مقام سے عالم کو مراجعت کرینگے تو عالم کے ہر ذرّہ میں اپنے محبوب کو دیکھیں گے اور ان کی نظر میں عالم کا ہر ذرّہ جمالِ محبوب کا آئینہ ہے۔ جب تک وہ مقامِ قلب میں رہیں گے ان کی یہی حالت رہیگی اور جب اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام سے بالاتر لے جاتا ہے تو یہ احوال اور کیفیات روبہ زوال ہو جاتی ہیں۔ جتنا بڑھتا جائے گا ان احوال سے مناسبت کمتر ہوتی جائے گی۔ بلکہ بعض افراد کی عدمِ مناسبت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ ان احوال وکیفیات پر طعن وانکار کرنے لگتے ہیں جیسے کہ رکن الدین ابو المکارم شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ اور بعض افراد نہ انکار کرتے ہیں اور نہ اثبات۔

یہ کاتبِ سطور اس جماعت کے انکار اور ان پر طعن سے اپنے کو بہت بچاتا ہے۔ انکار اور طعن کیلئے تو اس وقت گنجائش نکل سکتی ہے جب اس حال کے ظاہر کرنے میں اُن کا اپنا دخل ہو اور جب ان کے ارادے اور دخل کا اس سے کوئی تعلق نہیں، تو وہ مغلوب الاحوال اور معذور ہیں۔ اور معذور ومجبور پر ردّ وطعن کی گنجائش نہیں۔ البتہ کاتب اتنی بات جانتا ہے کہ اس معرفت سے بالاتر دوسری معرفت ہے اور اس حال کے بعد دوسرا حال۔ اور جو افراد اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں وہ بے شمار کمالات سے محروم ہو گئے ہیں۔

اس حقیر کو مراقباتِ توحید کی مشق سے نہیں بلکہ ذکر ومراقبات کے ضمن میں بغیر کسی جدوجہد کے صرف اللہ کے فضل سے اور حضرت خواجہ کی صحبت کے طفیل یہ مقام نصیب ہوا ہے۔ حقیر کو ابتدا میں مقامِ قلب عطا ہوا اور دروازۂ معرفت کھلا، اس مقام کے علوم ومعارف سے نوازا گیا۔ ایک مدت کے بعد اس مقام سے ازراہِ بندہ نوازی رہائی نصیب ہوئی اور وہاں کے معارف رفتہ رفتہ رُو بہ زوال ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ وہ نیست ونابود ہو گئے۔

حقیر نے اپنے احوال کا اظہار اس وجہ سے کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ حقیر نے لکھا ہے از روئے کشف وذوق لکھا ہے۔ تقلید وخیال کی بنا پر کچھ نہیں لکھا ہے۔

مشائخ سے جو توحید آمیز کلمات (جیسے سبحانی) صادر ہوئے ہیں، اس وقت میں ہوئے ہیں جبکہ وہ مقامِ قلب میں سائر تھے اور وہاں کے معارف سے سرشار ہو رہے تھے۔ چنانچہ اس حقیر نے بھی دورانِ قیامِ قلب میں بعض رسائل لکھے ہیں اور بوجہ انتشار کے ان کا جمع کرنا دشوار تھا لہٰذا ان کو اسی

حال میں چھوڑ دیا گیا۔ نقص تو اس وقت ثابت ہوتا ہے جب اس مقام میں کوئی بند ہو کر رہ جائے اور اس کو ترقی نصیب نہ ہو۔"[1]

حضرت مجدد نے حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک عریضہ اس وقت ارسال کیا ہے جب کہ آپ مقام قلب میں سائر تھے۔ اس عریضہ میں آپ نے یہ رباعی لکھی تھی۔

اے دریغا کیں شریعت ملتِ اعمائی است　　ملتِ ما کافری و ملتِ ترسائی است
کفر و ایمان زلف و روے آں پری زیبائی است　　کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

اللہ کا فضل آپ کے شاملِ حال ہوا اور مرشدِ کامل حضرت خواجہ نے آپ کو تحریر کیا "حاشا کہ قائلِ آں مقبول باشد زنہار ادب نگاہ دارید کہ کارخانۂ الٰہی محل استغنا و غیرت است"۔

(ترجمہ) حاشا کہ اس رباعی کا کہنے والا مقبول ہو۔ آگاہ رہیں اور ادب کو محفوظ رکھیں، بارگاہِ خداوندی جائے بے نیازی و غیرت ہے"۔[2]

روحی سیر کا بیان

آپ نے خواجہ مرزا جمال الدین حسین کو چھ اوراق کا پُر از حقائق و معارف مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ اس میں سیرِ آفاقی، سیرِ انفسی، سیرِ ورائی کا ذکر کیا ہے ابتدائی حصّہ کا ترجمہ و خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

فرزندِ عزیز، خیال سے سُنو۔ جب سالک ذکر شریف میں پورے اخلاص و انہماک سے مشغول ہوتا ہے اور وہ مجاہدات و ریاضات سے تزکیۂ نفس حاصل کرتا ہے تو اس کے اوصافِ رذیلہ بتدریج اخلاقِ حسنہ میں بدلنے لگتے ہیں، وہ توبہ و انابت کی توفیق حاصل کر لیتا ہے اور دنیا کی محبت سے فارغ ہو جاتا ہے اس وقت وہ عالمِ مثال میں اپنے کو کدوراتِ بشریہ اور اوصافِ رذیلہ سے پاک صاف دیکھتا ہے، سمجھو کہ اس نے سیرِ آفاقی تمام کر لی ہے۔ مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں مزید احتیاط کی ہے اور فرمایا کہ جب سالک اپنے ساتوں لطائف (لطیفۂ قلب، لطیفۂ روح، لطیفۂ سر، لطیفۂ خفی، لطیفۂ اخفیٰ، لطیفۂ نفس، لطیفۂ قالبیہ) کا تصفیہ کر لیتا ہے اور عالمِ مثال میں اُن کے انوار کو دیکھ لیتا ہے جو مختلف الوان کے ہیں۔ (زرد، سرخ، سفید وغیرہ) تو اس کی سیرِ آفاقی اتمام کو پہنچی۔ سالک اس دوران میں عالمِ مثال میں اپنے کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے (زرد سے پھر سرخ پھر سفید وغیرہ) چوں کہ عالمِ مثال آفاق میں داخل ہے اس واسطے اس سیر کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ سیر بھی سیرِ نفسِ سالک ہے اور اوصاف و اخلاق میں ایک قسم کی کیفی حرکت ہے، چونکہ دور سے دیکھتے وقت اس کا مطمعِ نظر آفاق ہوتا ہے نہ انفس۔ اس واسطے اس سیر کی نسبت آفاق کی طرف کر دی گئی ہے۔

مشائخ نے اس سیر کو سیر الی اللہ قرار دیا ہے اور فنا کو اس سے مربوط کیا ہے اور سلوک کی تعبیر اس

---

[1] مکتوب ۲۹۱ دفتر اول [2] رقعہ ۶۰

سیر سے کی ہے۔

اس سیرِ آفاقی کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اس کو سیرِ اَنفُسی کہتے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ قرار دیتے ہیں اور بقا باللہ کا تعلق اس موطن و مقام سے وابستہ کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ سلوک کے بعد کا جذبہ اس مقام میں حاصل ہوتا ہے کیوں کہ پہلی سیر میں سالک کے لطائف کا تزکیہ ہو چکا ہے وہ کدوراتِ بشریہ سے پاک ہو گئے ہیں۔ ان میں قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ ظلال و عکوس اُس اسمِ جامع کے جو کہ اس کا ربّ ہے ان میں ظاہر ہوں اور وہ لطائف موردِ تجلیات اور اسمِ جامع کی جُزئیات کے مظاہر بنیں۔ اس سیر کو سیرِ انفسی اس بنا پر کہتے ہیں کہ اسما و صفات کے ظلال و عکوس کے واسطے اَنفُس آئینے بن گئے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ سالک کی سیر انفس میں ہے۔ جس طرح پر کہ سیرِ آفاقی کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ بہ اعتبارِ مرآتیّت (آئینہ بن جانے کے اعتبار سے) اس سیر کو سیرِ آفاقی کہا گیا ہے۔ یہ سیر فی الحقیقت انفس کے آئینوں میں ظلالِ اسما کی سیر ہے۔ بنابریں اس سیر کو "سیر معشوق در عاشق" بھی کہتے ہیں (یعنی معشوق اپنے عاشق کے لطائف کے آئینوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے)۔

آئینہ صورت از سفر دور است　　کاں پذیرائے صورت از نور است

(آئینہ نے جو صورت قبول کی ہے اور اس میں جو شکل نظر آئی ہے اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ سفر کر رہا ہے کیونکہ وہ سفر سے دُور ہے کہاں وہ اور کہاں سفر۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو نورانیت اور صفائی آگئی ہے وہ ظلال و عکوس کو قبول کر کے ظاہر کر رہی ہے)

اس سیر کو جو سیرِ فی اللہ قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سیر کے دَوران میں سالک "مُتخلّق بِاَخلاقِ اللہ" ہو جاتا ہے وہ صفاتِ الٰہیہ کی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف میں سے حصّہ ملا کرتا ہے چاہے وہ نہایت جزوی حصّہ ہو۔ اس لحاظ سے گویا اسماءِ الٰہیہ میں سیر متحقق ہوئی۔

یہ ہے اس مقام اور اس کلام کی تحقیق (یعنی سیر آفاقی سیرِ انفسی و سیرِ الی اللہ و سیرِ فی اللہ اور جذبہ و بقا باللہ کا بیان) رہی یہ بات کہ صاحبِ مقام کا حال کیا ہے اور اس بات کے قائل کی مُراد کیا ہے تو ہر شخص اپنی عقل و دانش کے مطابق کچھ کہتا ہے۔ اس بات کا کہنے والا کچھ مطلب نکالتا ہے اور سننے والا کچھ اور ہی سمجھتا ہے۔ یہ لوگ بلا تکلف سیرِ انفسی کو سیرِ فی اللہ کہتے ہیں اور بلا کسی تردّد کے اس کا نام بقا باللہ رکھتے ہیں اور اس کو مقامِ وصل و اتصال سمجھتے ہیں۔ فقیر پر اس قسم کی باتیں نہایت شاق گزرتی ہیں اور ان کی تصحیح اور توجیہ کے لئے مشقت اور محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں اب جو کچھ لکھتا ہوں اس میں سے کچھ تو مشائخ کے کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ از راہِ افاضہ و الہام ہے۔

سیرِ آفاقی اور سیرِ انفسی کے متعلق جو بیان گزرا ہے اس کے پیشِ نظر یہ سمجھنا چاہیئے کہ سیرِ آفاقی میں

اوصافِ رذیلہ سے تخلیہ حاصل ہوا ہے اور سیر انفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے تجلیہ ہوا۔ چونکہ تخلیہ کو مقامِ فنا سے مناسبت ہے اس لئے تجلیہ کو بقا سے مناسبت ہوئی۔ ان کے نزدیک سیر انفسی کی نہایت نہیں ہے۔ اگر ابدی عمر ہو تب بھی کوئی اس کے اختتام کو نہیں پا سکتا، کیونکہ حضرت محبوب جل شانہٗ کے شمائل اور اوصاف کی کوئی حد نہیں ہے لہٰذا سالک کے آئینہ میں اس کے کمالات اور اوصاف میں سے کسی نہ کسی کمال اور وصف کا ظہور ہوتا رہے گا اور سالک اس سے متخلق اور متجلی ہوتا رہے گا۔

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بُوَد　　　گرچہ عمرے تگ زند در خود بُوَد

(ترجمہ) ذرہ چاہے اچھا ہو چاہے بُرا، اگرچہ عمر بھر چلتا رہے اپنے ہی میں رہے گا۔

مشائخ اس فنا و بقا کو جو کہ سیر آفاقی و انفسی سے حاصل ہوئی ہے ولایت کا نام دیتے ہیں اور کمال کی نہایت اس مقام کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو ان کے نزدیک وہ سیرِ رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں اور اسی طرح چوتھی سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں اور اس کا تعلق بھی نزول سے ہے۔ ان دو سیروں کو برائے تکمیل و ارشاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ پہلی دو سیروں کو حصولِ ولایت و کمال کیلئے کیا ہے۔ اور مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر میں وارد ہے: "اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ" اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں (نور، جمال اور ظلمت، جلال) اور سیرِ آفاقی میں ان تمام پردوں کا چاک کرنا شامل ہے، سات لطائف ہیں اور ہر لطیفہ کے دس ہزار پردے ہیں۔ جب سیر آفاقی پوری ہوتی ہے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں سالک کو سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے اور وصل کا مقام اسکو مل جاتا ہے۔ اربابِ ولایت کے سیر و سلوک کا خلاصہ یہ ہے جو لکھا گیا اور اُن کے نزدیک نسخۂ جامعہ (انسانیہ) کے کمال و تکمیل کی یہ کیفیت ہے"[1]

نعمتوں کا اظہار

آپ نے خواجہ مرزا جمال الدین حسین ہی کے سابق الذکر مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔ (اب یہ فقیر اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار اور اس کی عطیات کا شکر کرتے ہوئے ان حقائق و منازل کا بیان کرتا ہے جن کو حضرت مولیٰ نے صرف اپنے لُطف و کرم سے فقیر پر ظاہر کیا ہے اور جس راہ پر اس کو چلایا ہے۔

اے اصحابِ بینش سنجیدگی سے کام لو اور توجہ سے سُنو، اللہ تم کو فہم اور راہِ مستوی پر چلنے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل و بے کیف ہے، جس طرح وہ آفاق سے برتر ہے اُسی طرح اَنفُس سے بالاتر ہے لہٰذا سیرِ آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیرِ انفسی کو سیر فی اللہ کہنا کب درست ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں سیرِ الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو بہت ہی زیادہ آفاق و انفس سے بعید ہے اور آفاق و انفس سے آگے اور بہت آگے ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ یہ لوگ سیر انفسی کو سیر فی اللہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ اس سیر کی کوئی انتہا نہیں، اگر

---

[1] دفتر دوم کا مکتوب ۴۴۔

کوئی عمرِ ابدی پالے جب بھی اس کو طے نہ کر سکے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ حالانکہ اَنفس بھی آفاق کی طرح دائرۂ امکان میں داخل ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دائرۂ امکان کا طے کرنا ممکن نہیں۔ اندریں صورت حرمانِ دائمی اور خسرانِ ابدی کے سوا اور کیا نتیجہ نکلے گا نہ فنا کا تحقق ہوگا اور نہ بقا کا تصور۔ تو پھر وصل و اتصال اور قرب و کمال کیسے حاصل ہوگا۔

سبحان اللہ، جب کہ مشائخ بزرگ پانی کے عوض سراب (دھوکا ہی دھوکا، پرچھائیں) پر اکتفا کر بیٹھیں اور اِلی اللہ کو فی اللہ سمجھ لیں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور مثل کو بے مثل قرار دیں تو پھر چھوٹوں اور پست ہمتوں سے کیا گلہ کیا جائے اور کیسی شکایت۔

چہ بلا شُد (کیا آفت پڑی) آخر کس اعتبار سے اَنفس کو حق جل و علا سمجھ لیا ہے کہ اس کی سیر کو جب کہ اس کی حد و نہایت ہے، بے حد و بے انتہا لکھ گئے ہیں۔ سیرِ انفسی کے دوران آئینۂ سالک میں جو کچھ نظر آیا ہے اس کو یہ لوگ عینِ اسما و صفاتِ پروردگار کا ظہور قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ اسما و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے۔ اس کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں اگر اللہ نے چاہا بیان کروں گا۔

میں کیا کروں اور باوجود علم اور واقفیت کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سُوءِ ادب کو کس طرح برداشت کروں اور اس کی بادشاہت میں کس طرح کسی کو شریک کر دوں۔ بے شک ان اکابر قدس اللہ اسرارہم کے مجھ پر حقوق ہیں کہ ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں اور اس کی تربیت اوروں کی تربیت سے بہتر۔ اُسی کی حُسنِ تربیت کی بدولت اس وَرطَہ سے میں نے نجات پائی ہے اور اس کی بادشاہت میں غیر کو اس کا شریک نہیں بنایا ہے۔ حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے اور ہر وہ شے جس پر مثلیت اور کیفیت کا دھبہ ہو اس سے مسلوب ہے اس صورت میں آفاق و انفس کے آئینوں میں اس کے لئے کیا گنجائش۔ کیونکہ ان آئینوں میں جو بھی ظاہر ہو وہ مثل و کیف کے مظاہر کی طرح ہے لہٰذا آفاق و انفس کے وَرا، اس کو تلاش کرنا چاہیے۔ اس دائرۂ امکان میں جس میں آفاق و انفس شامل ہیں جس طرح اللہ کی ذات کے لئے گنجائش نہیں ہے اسی طرح اس کے اسما و صفات کے لئے گنجائش نہیں ہے جو کچھ دائرۂ امکان میں ظاہر ہو رہا ہے وہ اسما و صفات کے ظلال و عکوس ہیں بلکہ ظلال و عکوس بھی اس سے بالاتر ہیں۔ یہاں تو صرف ان کا سراغ (تعبیہ) ہے اور قدرت کی کاریگری اور انتقاش، بھلا ظہور کس کا اور تجلی کہاں کی۔ کیوں کہ اللہ کی ذات کی طرح اس کے اسما و صفات بھی بے مثل اور بے کیف ہیں۔ جب تک آفاق و انفس سے نہ نکلو گے اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کی ظلیت کو نہ پا سکو گے۔ جب کہ آفاق و انفس میں ظلیت کو نہیں پا سکتے تو اسما و صفات تک وصول کیسا۔

عجب معاملہ ہے۔ اگر میں اپنے مکشوفات اور یقینی معلومات کی کوئی ایسی بات بیان کروں جو مشائخ کے

مذاق اور ان کے مکشوفات کے مطابق نہ ہو تو کون اس کا یقین کرے گا اور کون اس کو قبول کرے گا اور اگر میں وہ بات نہ کہوں اور اس کو چھپاؤں تو میں نے حق کو باطل کے ساتھ ملانا تجویز کر لیا اور جو بات اللہ تعالٰے کے بارے میں نہ کہنے کی ہے اس کے کہنے کو جائز قرار دے دیا۔ لہٰذا میں مجبور ہوں کہ جو حق ہے اور جو اللہ تعالٰے کے لائق ہے اس کا اظہار کروں اور جو اس کے شایان نہیں ہے اس کو سلب کروں۔ مجھ کو اوروں کے خلاف کا نہ ڈر ہے نہ غم، خوف و ڈر تو اس وقت مجھ کو ہوتا جب کہ اپنے معاملہ میں مجھ کو تذبذب یا اپنے کشف میں شک ہوتا، جب کہ صبح کی سفیدی اور چودھویں رات کے بدر کی طرح اصل معاملہ واضح کر دیا گیا ہو اور ظلال و شبح اور مثال سے بالاتر مجھ کو لیجایا گیا ہو تو پھر اشتباہ و تذبذب کے کیا معنی۔ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "احوال کی صحت کی نشانی یقینِ کامل کا حاصل ہو جانا ہے" اور تذبذب و اشتباہ کیلئے سبیل ہی کیسے نکلے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لُطف و کرم سے حضراتِ مشائخ کے مقرر کردہ احوال پر تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا ہے اور توحید و اتحاد اور اِحاطہ و سَریان کے معارف اور ان بزرگواروں کے مکشوفات اور مشہودات کی حقیقت اور ان کے علوم و معارف کے دقائق پوری طرح واضح کر دیئے ہیں بلکہ ایک مدت تک ان کے مقام میں رکھ کر وہاں کی ہر شے اِلّا ماشاءاللہ ظاہر کر دی ہے اور پھر اللہ کے فضل سے انکشاف ہوا کہ یہ تمام کھیل ظلال کا ہے اور یہ سب شبح و مثال میں گرفتاری کے اسباب ہیں۔ مطلوب تو ان سب سے وَرَاء ہے اور مقصود ان کے سِوا، لہٰذا سب سے منھ موڑ کر رب العزت کی طرف فقیر متوجہ ہوا ہے اور کہتا ہے "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ "میں نے ایک طرف کا ہو کر اپنا مُنھ اسی کی طرف کیا جس نے بنائے آسمان و زمین اور میں نہیں شریک کرنے والوں میں سے۔" اگر مولیٰ جل شانہٗ کی تقدیس اور تنزیہ کا معاملہ نہ ہوتا میں اکابر کے مکشوفات کے سامنے کب زبان ہلاتا۔ میں ان کی نعمتوں کے خرمنوں کا ایک ادنٰی خوشہ چین اور ان کے خوانہائے کرم کا ایک ناچیز زلّہ بردار (پس خوردہ اُٹھانے والا) ہوں۔ انھوں نے گوناگوں نوازشوں سے میری تربیت اور طرح طرح کے احسانات سے میری پرورش کی ہے۔

مسئلہ توحید وغیرہ میں مشائخ سے علماء کا اختلاف ازراہِ نظر و استدلال ہے اور فقیر کا اختلاف ازراہِ کشف و شہود ہے۔ علماء ان امور کے قُبح کے قائل ہیں اور فقیر بہ شرطِ عبور ان کے حُسن کا قائل ہے۔ شیخ علاءالدولہ کا خلاف علماء کے طرز کا مفہوم ہوتا ہے وہ ان امور کے قبح پر نظر کئے ہوئے ہیں اگر چہ ان کے کشف میں آچکا ہے اور جس کے کشف میں آجاتا ہے وہ قبح کا قائل نہیں رہتا (لہٰذا ان کا خلاف علماء کے طریقہ پر ہوا)" الخ[1]

شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے نظریات

اس سلسلہ میں آپ کے اس مکتوب کا خلاصہ لکھتا ہوں جو آپ نے شیخ عبدالعزیز جونپوری کو ارسال فرمایا ہے۔

---

[1] مکتوب ۴۴ دفتر دوم۔

آپ نے پہلے حضرت شیخ اکبر کا مسلک اور پھر اپنا مسلک بیان کیا ہے۔ اس مکتوب شریف سے حقیقتِ اختلاف کی صحیح صورت سامنے آجاتی ہے۔ آپ نے اِس مبارک مکتوب کو حمد و صلاۃ اور دیباچہ سے جو کہ عربی میں ہے مُصَدَّر کیا ہے سبحان اللہ کیا ہی تحریر ہے اس کا ہر لفظ آپ کی وارفتگی اور جوشِ باطنی کا منظر ہے اس کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

"مخدوما۔ جناب کو معلوم ہو کہ ہر خیر و کمال کا مَبداء وجود ہے اور ہر شر و نقص و زوال کا منشاء عدم ہے۔ لہٰذا وجود اللہ ہی کے لئے ہے اور عدم ممکن کے لئے تاکہ کمالات اللہ کی طرف اور نقائص ممکنات کی طرف راجع ہوں۔ اگر ممکن کے لئے وجود کو ثابت کیا جائے یا خیر و کمال کی نسبت اس کی طرف کی جائے تو اس کو خدا کی خدائی میں شریک بنایا جا رہا ہے۔ اور اگر ممکن کو عینِ واجب قرار دیا جائے اور اس کے افعال و صفات کو اللہ ہی کے افعال و صفات کہا جائے تو اس صورت میں بے ادبی اور اِلحَاد ہے۔ نقائص اور رَذَائل سے بھرے ہوئے خسیس ملازم کی کیا مجال ہے جو اپنے کو کمالات اور خوبیوں والا عظیم بادشاہ تصوّر کرے اور اپنی بُری صفات کو بادشاہ کی اچھی صفات کا عین سمجھ لے۔

علمائے ظاہر نے ممکن کے لئے بھی وجود کا اثبات کیا ہے ان کے لئے اللہ کا وجود اور ممکن کا وجود مُطلَق وُجُود کے افراد ہیں، زیادہ سے زیادہ قَضِیَّہ تَشکِیک[1] کی بنا پر حضرت واجب تعالیٰ کے لئے وجود کو اَولیٰ و اَقدَم قرار دیا ہے اور اس طرح کے قول سے ممکن کو فضائل اور کمالات میں واجب تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔ تعالیٰ اللہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اللہ اس سے بہت ہی بالا و برتر ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ فرماتا ہے "کبریائی میری رِدَا اور عظمت میری اِزار ہے" اگر علماءِ ظاہر اس نکتہ کو سمجھے ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود ثابت نہ کرتے اور اس خیر و کمال میں جو کہ مخصوص بہ واجب ہے ممکن کو شریک نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا۔ اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

اور اکثر صوفیہ نے اور خاص کر ان کے متأخرین نے ممکن کو عین واجب سمجھ لیا ہے اور ممکن کی صفات اور افعال کو واجب تعالیٰ کی ہی صفات و افعال کہہ دیا ہے اور یہ رباعی کہتے ہیں (قائل حضرت جامی ہیں)

همسایہ و ہمنشیں و ہمرہ ہمہ اوست　　در دَلقِ گدا و اطلسِ شہ ہمہ اوست
در انجمنِ فَرق و نہاں خانۂ جَمع　　باللہ ہمہ اوست ثُمَّ باللہ ہمہ اوست

یعنی پڑوسی وہی، ساتھ کا بیٹھنے والا وہی، راہ کا رفیق وہی، گدا کی گدڑی میں وہی، بادشاہ کے اطلس میں وہی، انجمنِ فرق میں وہی (مرتبۂ تنزلات میں) اور نہاں خانۂ جمع میں وہی (مرتبۂ غیب الغیب میں

---

[1] کسی کلی کا حکم اس کے افراد پر یقینی طور پر نہ کیا جائے بلکہ شک کے طریقہ پر کیا جائے۔ جیسا کہ وجود ہے کہ اس کے افراد میں واجب بھی ہے اور ممکن بھی۔ اور اس کا ثبوت سب کے واسطے بہ طریق شک ہے فرق اتنا ہے کہ واجب کے لئے وجود کا ثبوت اتم و اقویٰ ہے بہ نسبت ممکن کے۔ سید شریف جرجانی نے رسالہ التعریفات میں لکھا ہے "کالوجود فانہ فی الواجب اتم واثبت واقوی منہ فی الممکن"

قسم بہ خدا سب وہی اور پھر قسم بہ خدا سب وہی۔

ان بزرگواروں نے اگرچہ غیر کو وجود میں شریک کرنے سے اپنے کو بچایا ہے اور دوئی سے اجتناب کیا ہے لیکن غیرِ وجود کو وجود اور نقائص کو کمالات سمجھ بیٹھے ہیں، وہ کہتے ہیں کسی چیز میں اپنی ذات سے بُرائی اور نقصان نہیں ہے، جو کچھ ہے نسبتی اور اضافی ہے انسان کے لئے اگر زہرِ ہلاہل میں برائی ہے کہ اس سے حیات ختم ہو جاتی ہے تو اُس حیوان کے لئے جس میں وہ زہر پیدا ہوا ہے آبِ حیات اور اکسیر ہے — ان بزرگواروں کا اس معاملہ میں کشف اور شہود پر مدار ہے۔ جتنا ان پر ظاہر کیا گیا اتنا ہی وہ سمجھے۔ اے اللہ تو ہم پر اشیاء کی حقیقتیں پوری طرح ظاہر فرما دے۔ اس معاملہ میں جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے تفصیل کے ساتھ اس کا بیان کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن العربی کا مسلک بیان کیا جاتا ہے جو کہ متاخرینِ صوفیہ کے امام اور مقتدا ہیں اور پھر اس کا بیان کیا جائے گا جو اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے تاکہ دونوں مسلکوں کا فرق پوری طرح ظاہر ہو جائے اور مسائل کی باریکیاں ایک کی دوسرے میں نہ ملیں۔

شیخ محی الدین اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اس کی عینِ ذات ہیں اور اسماء وصفات آپس میں بھی ایک دوسری کی عین ہیں مثلاً علم اور قدرت جس طرح یہ دونوں صفتیں اللہ کی عین ذات ہیں اسی طرح یہ دونوں صفتیں آپس میں بھی ایک دوسری کی عین ہیں مقام غیب الغیب میں کسی نام اور کسی طریقہ سے تعدّد، تکثر، تمایز، تباین نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے اسماء وصفات اور شیون واعتبارات نے تمایز وتباین پیدا کیا۔ اگر تمایز وتباین بہ صورتِ اجمال ہے تو اس کو تعینِ اوّل (تنزلِ اوّل) اور اگر بہ صورتِ تفصیل ہے تو اس کو تعینِ دوم (تنزلِ دوم) کہتے ہیں۔ تعینِ اوّل کا نام وحدت رکھا ہے اور اس کو حقیقتِ محمدی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کہتے ہیں اور تعینِ دوم کا نام وَاحِدِیّت رکھا ہے جس کو حقائقِ ممکنات سمجھتے ہیں اور حقائقِ ممکنات کو اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں۔ پھر ان دونوں علمی تعینات کے لئے مرتبۂ وجوب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ کو (جو حقائقِ اشیاء ہیں)، خارج کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ خارج میں اَحَدِیّتِ مُجَرَّدَہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور جو کچھ خارج میں نظر آ رہا ہے وہ اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے اور اس عکس کا ظہور آئینۂ ظاہر میں ہوا ہے اور اس عکس نے ایک خیالی وجود حاصل کر لیا ہے جیسا کہ آئینہ میں کسی کا عکس ظاہر ہوتا ہے اور وہ عکس تخیلی ہوتا ہے آئینہ میں نہ کسی شے کا حلول ہوا ہے نہ اُس پر کچھ منقش ہوا ہے۔ اگر نقش ہے تو صرف تخیل میں ہے جو آئینہ پر ظاہر ہوا ہے۔

اَعْیَانِ ثابتہ کا جو نقش آئینۂ ظاہر میں نظر آ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت ہے اور اس میں اِتْقَانِ کامل ہے۔ ایسا کامل اِتْقَان کہ وہم اور تخیل کے مِٹ جانے پر بھی زائل نہیں ہوتا اور اس پر اَبَدی عذاب وثواب کا ترتّب ہوتا ہے۔

خارج میں جو کثرت نظر آرہی ہے وہ تین قسم کی ہے۔ پہلی قسم تعینِ رُوحی، دوسری قسم تعینِ مِثَالی، اور تیسری قسم تعینِ جَسَدی۔ تعینِ جسدی کا تعلق عالمِ شَہَادَۃ سے ہے۔ ان تینوں تعینات کو تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں اور اس کا اثبات مرتبۂ امکان میں کرتے ہیں۔

یہ ہے تفصیل پانچ تعینات کی جن کو تنزلاتِ خمسہ اور حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔

چوں کہ ان افراد کے نزدیک علم میں اور خارج میں صرف اللہ ہی کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کا وجود ہے اور چوں کہ ان کے نزدیک اسماء و صفات، عینِ ذاتِ واجب ہیں لہٰذا انھوں نے علمی صورتوں اور شکلوں کو صاحبِ علم کی عینِ صورت سمجھ لیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی صورت) نہ اس کی پرچھائیں یا مثال۔ اور پھر انھوں نے اعیانِ ثابتہ کے نمُود اور ظہور کو جو کہ آئینۂ ظاہر میں ہوا ہے عینِ اعیان تصوّر کر لیا ہے نہ اُن کی تصویر یا مثال۔ بنا بریں اتحاد کا حکم کر دیا اور ہمہ اوست کے قائل ہو گئے۔

مسئلہ وحدت وجود میں مختصر طور پر شیخ اکبر کا مسلک بیان کر دیا گیا۔ ان علوم کو اور ان کے امثالِ علوم کو شیخ اکبر خاتمِ ولایت سے مخصوص سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان علوم کو خاتمِ نبوت، خاتمِ ولایت سے لیتے ہیں اور فصوص الحکم کے شارحین اس قول کی توجیہ کے سلسلہ میں تکلّفات سے کام لیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جناب شیخ اکبر سے پہلے حضراتِ مشائخ میں سے کسی ایک نے بھی ان علوم اور اسرار میں اس طریقہ پر زبان نہ کھولی تھی اگرچہ غلباتِ سُکر میں ان کی زبان پر توحید اور اتحاد کے کلمات آجاتے تھے جیسے انا الحق، اور سبحانی لیکن انھوں نے اتحاد کی وجہ ظاہر نہیں کی ہے اور نہ توحید کی منشا پا سکے ہیں۔ لہٰذا جناب شیخ اس جماعت کے متقدمین کے لئے بُرہان اور متاخّرین کے لئے حُجّت ہیں (اگرچہ جنابِ شیخ نے اس مسئلہ میں خوب تحقیق کی ہے) پھر بھی بہت سے دقائق چھپے رہ گئے ہیں اور بہت سے بھید منظرِ عام پر نہیں آسکے ہیں اور فقیر پر ان کا اظہار ہوا ہے اور ان کے بیان کرنے کی بشارت اس کو ملی ہے۔ اور اللہ ثابت کرتا ہے سچ کو اور وہی سمجھاتا ہے راہ۔

مخدوما۔ اہلِ حق کے نزدیک اللہ کی آٹھ صفات خارج میں موجود ہیں [1] لہٰذا یہ صفات خارج میں حضرتِ ذات سے بہ تمیزِ بے مثل و بے کَیف متمیز ہیں بلکہ بے مثل اور بے کیف طریقہ پر یہ صفات بھی آپس میں ایک دوسری سے متمیز ہیں اور یہ تمیز بے مثل و بے کیف حضرتِ ذات میں بھی ہے، وہ جَلَّ وَعَلَا نہایت ہی بے مثل و بے کیف ہے جو تمیز ہمارے عقل و فکر میں سمائے وہ اس سے مَسلُوب اور منفی ہے کیونکہ اس جنابِ قُدس میں نہ تبعّض ہے نہ تجزّی، نہ تحلیل نہ ترکیب، اور نہ حَالّیت اور نہ محلّیت۔ جو اعراض و صفات ممکن میں پائے جاتے ہیں وہ اس کی جنابِ قُدس سے مسلوب ہیں۔ نہیں ہے اس جیسی کوئی شے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں۔ اور باوجود اس بے مثلی اور بے کیفی کے خانۂ علم واجبی میں

---

[1] حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔ اشاعرہ کے نزدیک صفتِ تکوین نہیں ہے۔ باقی سات صفات موجود ہیں۔

اس کے اسما وصفات میں تفصیل وتمایز ہوئی ہے اوران کا عکس ظاہر ہوا ہے۔

مرتبۂ عدم میں ہر اسم وصفت مُتمیّزہ کا نقیض ومقابل ہے۔ مثلاً صفتِ علم کا نقیض عدمِ علم ہے جس کو جہل کہتے ہیں اور صفتِ قدرت کا نقیض عدمِ قدرت ہے جس کو عجز کہتے ہیں۔ یہی کیفیت تمام اسما وصفات کی ہے کہ ہر ایک کا نقیض مرتبۂ عدم میں موجود ہے۔ ان عدماتِ متقابلہ نے بھی علمِ واجبی (علمِ الٰہی) میں تفصیل وتمیز پیدا کیا ہے اور وہ اپنے متقابل اسما وصفات کے لئے آئینے بنے ہیں اور اسما وصفات کا ان پر عکس پڑا ہے۔ فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدمی آئینے مع ان عُکوس کے ہیں جو اسما وصفات کے ان پر پڑے ہیں۔ عَدمَات بہ منزلۂ اصل ومَوَاد ہیں اور عُکوس بہ منزلۂ صُوَرِ حالّہ۔

جنابِ شیخ کے نزدیک علمِ الٰہی میں جو تفصیل اور تمیز اسما وصفات نے پیدا کی ہے وہی حقائقِ ممکنات ہیں۔ فقیر کے نزدیک وہ عدمات جو اسما وصفات کی نقائض ہیں مع اُن عکوس کے جو اسما وصفات کی اُن پر پڑی ہیں حقائقِ ممکنات ہیں۔ قادرِ مختار جب چاہتا ہے کہ موجود خارجی کا ظہور ہو تو وہ اس عدمی ماہیت سے جو اسما وصفات کے ظل سے ممتزج ہے اس کا مَبدأ بناتا ہے۔ جو ظلِّ اسما وصفات کا اس میں ہے وہ حضرت وجود تعالیٰ وتقدس کا پرتو ہے لہٰذا ممکن کا وجود، کیا خانۂ علم میں اور کیا خارج میں حضرت وجود کا پرتو ہوا۔ ممکن کے صفات اللہ کے کمالات کے پرتو ہیں۔ مثلاً ممکن کا علم پرتو ہے اللہ کے علم کا جو عدمی آئینہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح ممکن کے تمام صفات اور اس کا وجود، صفاتِ الٰہیہ اور حضرتِ واجب الوجود کا پرتو ہیں جو عدمی آئینوں پر ظاہر ہوئے ہیں۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست　　　　تو دادی ہمہ چیز و من چیزِ تُست

(ترجمہ) میں اپنے گھر سے لے کر کچھ نہیں آیا ہوں، تو نے ہی سب کچھ دیا ہے اور میری ذات بھی تیری ہی چیز ہے۔

فقیر کے نزدیک کسی چیز کا سایہ اس کا عین نہیں ہے بلکہ اس کا شَبَح اور مثال ہے لہٰذا ایک کا دوسرے پر حمل مُمتنع ہے۔ بنابریں فقیر کے نزدیک ممکن عَینِ واجب نہیں ہے اور ممکن وواجب میں ایک کا حمل دوسرے پر ثابت نہیں کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور اسما وصفات کا عکس اس میں ظاہر ہوا ہے اس لئے وہ اسما وصفات کی مثال وشَبَح ہے نہ عَینِ اسما وصفات۔ لہٰذا "سب وہی" کہنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ "سب اُسی کا" کہنا چاہیئے۔ عَدَم، ممکن کا ذاتی ہے اور وہ شرارت ونقص وخرابی کا مصدر ومنشا ہے اور جو کمالات اس میں ہیں جیسا کہ وجود اور اس کے توابع، وہ سب حضرت واجب جل سلطانہ سے مستفاد ہیں۔ وہی جل شانہٗ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے اس کے سوا سب ظلمت۔ عالم میں جو خُبث وخرابی ہے اس کی ذاتی ہے اور جو خیر وکمال ہے اسما وصفات کے ظِلاَل کا اثر ہے اور وہ سب راجع اللہ ہی کی طرف ہے۔ آیت مبارکہ "مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ" سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی "جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے اور

جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے۔" وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِم۔ الہام کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے الخ[1]

حضرت مجدد کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ ہی نور ہے ہر خیر و کمال کا مصدر وہی ہے اور وہی واجب الوجود ہے۔ اس کے سوا عدم ہے اور وہ ظلمت ہی ظلمت اور ہر شر و فساد کی جگہ ہے۔ کائنات میں سے ہر کائن کی اصل عدمی جزو ہے۔ اللہ کی صفات نے اُن اجزائے عَدَمیہ پر عکس ڈالا حضرت وجود کے عکس سے عدم کو وجود ملا۔ اور اس کے اسماء و صفات کے پرتو سے اجزائے عَدَمیہ میں کمالات کا ظہور ہوا۔ جتنے مبارک اسماء و صفات کا پرتو پڑا ہے اسی قدر اوصاف سے وہ عدمی جزو محلّی ہوا ہے۔ اور جن اسماء و صفات کی تجلّیات سے وہ عدمی جزو محروم رہا ہے وہ اُن سے بے بہرہ ہے۔ حضرت مجدد نے آیت مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ الآیۃ۔ سے اپنے مسلک کی تائید کی ہے۔

حضرت مجدد نے جو کچھ ارشاد کیا ہے از روئے کشف و الہام کیا ہے۔ مجھ کو جامع امام ترمذی میں ایک مبارک حدیث ملی ہے اور اس سے حضرت مجدد کے مسلک کی پوری تائید ہوتی ہے۔ پس وہ حدیث شریف اور اس کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی خَلَقَ خَلْقَہٗ فِیْ ظُلْمَۃٍ فَاَلْقٰی عَلَیْہِمْ مِّنْ نُّوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَہٗ ذٰلِکَ النُّوْرُ اھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَہٗ ضَلَّ فَلِذٰلِکَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰہِ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ[2]

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظلمت میں اپنی مخلوق کی خِلقت کی۔ پھر اُن پر اپنا نور ڈالا جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی ——— اور جس پر وہ نور نہیں پڑا وہ گمراہ ہوا۔ بنا بریں میں کہتا ہوں قلم خشک ہو چکا ہے (یعنی مقدرات لکھے جا چکے ہیں لاتبدیل لکلمات اللہ۔ اب کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے) یہ حدیث حسن ہے۔"

دونوں نظریات میں فرق

شاہ محمد اسماعیل نے لکھا ہے۔ حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی کے بیان سے یہ بات ظاہر ہے کہ اِنَّ مَابِہِ التَّعَیُّنَ لِلْحَقَائِقِ الْاِمْکَانِیَّۃِ ھُوَ الْعَدَمُ فَیَنْقَلِعُ اَسَاسُ الْقَوْلِ بِالْاِتِّحَادِ رَاْسًا فَلَیْسَ مَعْقُوْلُ اَمْثَالِنَا الْفَاقِدِیْنَ لِلْکَشْفِ وَالشُّھُوْدِ اِلٰی دَرْکِہٖ سَبِیْلٌ کَیْفَ وَلَا یُمْکِنُ مِنَّا اَنْ نَّتَصَوَّرَ اَنْ یَّکُوْنَ الشَّیْءُ الْمَعْدُوْمُ فَضْلًا عَنِ الْعَادِمِ قَیُّوْمًا لِّشَیْءٍ مَّوْجُوْدٍ اَصْلِیًّا کَانَ اَوْ ظِلِّیًّا۔ الخ[3]

(ترجمہ) "حقائق امکانیہ کا تعین عدم ہے، آپ کے اس قول سے اتحاد کی اساس جڑ سے نکل جاتی ہے

---

[1] مکتوب اول دفتر دوم۔ [2] جامع ترمذی میں باب افتراق ھذہ الامۃ کے آخیر میں اور ابواب العلم سے پہلے باب میں یہ حدیث شریف ہے

[3] عبقات کے مقدمہ کے اکیسویں عبقہ میں۔

لیکن ہم جیسے فاقدین کشف و شہود کی سمجھ سے یہ بات بالا و برتر ہے اور اس کی تہ تک پہنچنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں اور ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ایک شے جو نہ صرف عدم بلکہ معدوم ہو، کس طرح اُس شے کا قیوم ہو سکتا ہے (یعنی قائم رکھنے والا) جو موجود ہو چاہے اس کا موجود ہونا بالاصالت ہو چاہے بالظلیت۔"

میرے نزدیک جناب مولانا کا ایراد اس صورت سے تعلق رکھتا ہے کہ حضرت مجدد صرف اجزائے عدمیہ کو حقائق ممکنات قرار دیتے۔ لیکن حضرت مجددؒ اُن اجزا کے ساتھ اللہ کے اسماء صفات کے ظلال کو لازمی قرار دے رہے ہیں چنانچہ مکتوب اوّل الذکر میں تحریر فرمایا ہے "آن عدمات با آن عکوس بہ وجودِ ظلی موجود شدہ" کہ اجزائے عدمیہ مع اُن عکوس کے جو اُن میں ہیں بہ وجودِ ظلی موجود ہوئے ہیں۔ ان اجزائے عدمیہ کو قائم رکھنے والا مولیٰ جل شانہ کے اسماء و صفات کا ظل ہے۔ اَلْبَاقِی کے ظل نے اس کو بقا دی، اَلْوَارِثُ کے ظل نے اس کو اوصافِ عالیہ کا وارث کیا، اَلْقَیُّوْمُ کے ظل نے اس کو قیامِ عالم کا سبب بنایا اور اس عظیم بوجھ کے اٹھانے کی صلاحیت دی اور اس طرح "اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" کا ظہور ہوا۔ بلاشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت مجدد نے مولانا حسن دہلوی کو ایک طویل مکتوب لکھا ہے اس کے اَوَاسِط میں تحریر فرماتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک نہ کوئی تعیّن ہے اور نہ کوئی متعیّن۔ وہ کونسا تعیّن ہو سکتا ہے جو لاتعیّن کو متعیّن کر سکے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ اکبر محی الدین اور ان کے تابعان کے موافق مذاق ہیں قَدَّسَ اللہُ تَعَالٰی اَسْرَارَھُم۔ اگر فقیر کی عبارت میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو صنعتِ مُشَاکَلَہ کے طریقہ پر ہوا ہے (یعنی کسی لفظ کا استعمال کسی دوسرے کی مناسبت سے) اور پھر میں کہتا ہوں کہ وہ تعیّنِ حُبّی جو کہ تعیّنِ اوّل اور حقیقتِ محمدی ہے، تعیّنِ اِمکانی اور مخلوق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ۔ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً میرا نور پیدا کیا۔ دوسری احادیثِ مبارکہ میں اس نور کی پیدائش کے وقت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری روایتیں بھی موجود ہیں۔ جس چیز کا وجود نہ ہو اور پھر اس کی تخلیق ہوئی ہو وہ حادِث اور ممکن ہوئی۔ جب کہ حقیقۃ الحائق جو کہ تمام حقائق سے پہلے ہے مخلوق اور ممکن ہے تو پھر دیگر حقائق بہ طریقِ اَولیٰ مخلوق ہوئیں اور وہ سب ممکن و حادث قرار پائی ہیں۔

تعجب ہے کہ جناب شیخ قدس سرہ حقیقتِ محمدی کو اور تمام ممکنات کی حقائق کو جن کو وہ اَعْیَانِ ثابتہ کہتے ہیں قدیم سمجھتے ہیں اور ان کو واجب قرار دیتے ہیں۔ وہ کس بنا پر وجوب کا حکم تجویز کر کے ارشاداتِ نبویہ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ کے خلاف جاتے ہیں۔ ممکن تو اپنے اجزا سے، اپنی صورت سے اپنی حقیقت سے ممکن ہے۔ اس کی حقیقت کے واسطے تعیّنِ وجوبی کس بنا پر۔ ممکن، ممکن ہی رہیگا اس کا واجب سے کوئی اشتراک نہیں۔ صرف یہ نسبت ہے کہ وہ مخلوق ہے اور واجب تعالیٰ و تقدس اس

کا خالق۔

جب کہ جناب شیخ واجب اور ممکن میں تمیز نہیں کر سکے ہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ لِعَدَمِ التَّمِیْزِ بَیْنَھُمَا (دونوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے) تو وہ اگر واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہہ دیں تو کوئی بات نہیں۔ وہ معذور ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ [1]

اور آپ نے اس مکتوب شریف میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے :۔

ایسے علوم جن میں واجب تعالیٰ شانہ اور ممکن کے مابین ایسی نسبت کا بیان کیا جائے جس کا ذکر شریعت میں نہیں آیا ہے وہ سب معارفِ سُکریہ ہیں اور معاملہ کی تہ تک نہ پہنچنے کا سبب اور باعث ہیں۔ بھلا ممکن کیا شے ہے جو واجب تعالیٰ کا ظلّ یعنی سایہ بنے۔ واجب تعالیٰ کا ظلّ ہو ہی کب سکتا ہے کیونکہ ظل سے مثل کے ظاہر ہونے کا واہمہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے کمالِ لطافت نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے، جب کہ کمالِ لطافت کی وجہ سے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل نہ تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کا ظل کیسے ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنے خلیفۂ اجل میر محمد نعمان بدخشی کو تین اَوراق کا پُر از حقائق مکتوب شریف ارسال فرمایا ہے۔ اس میں آپ نے لکھا ہے۔

”جان لینا چاہیئے کہ کسی شخص کی حقیقت سے مراد اُس کا وہ تعیّنِ وجُوبی ہے کہ جس کا ظل اس شخص کا تعیّنِ امکانی ہوا ہے۔ اور تعیّنِ وجُوبی سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسمائے مکرّمہ میں سے کوئی اسمِ مکرّم ہے جو کہ اس شخص کا رَب ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے۔ اس کے وجود اور توابعِ وجود کا مبداءِ فیوض بنا ہے۔ جیسے علیم، قدیر، مُرید، متکلم واشالہا۔ اسمِ مکرم کو اللہ کی ذاتِ مقدسہ سے چند مراتب ہیں، ایک مرتبہ صفت کا ہے اس مرتبہ میں اس کا وجودِ ذاتِ مقدس کے وجود سے زائد ہے اور اس وجودِ زائد پر اسمِ مکرم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ایک مرتبہ شان کا ہے۔ اس مرتبہ میں اس کی بیشی ذاتِ مقدسہ پر صرف اعتباری ہے اور اس مرتبہ میں بھی یہی اسم اس پر صادق آتا ہے۔ صفت اور شان کا فرق اس مکتوب میں بیان کر دیا گیا ہے جو سلوک اور جذبہ کے بیان میں لکھا گیا ہے۔“ [2]

آپ نے یہ مکتوب اپنے بھائی غلام محمد کو لکھا ہے جو دفتر اوّل کا مکتوب دو سو نناسی ہے۔ یہ مکتوب کیا ہے دس اوراق کا گنجینۂ معارف ہے۔ آپ نے صفت و شان کا دقیق فرق جو بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیض دو نوع کا ہے۔ ایک وہ ہے جس کا تعلق اِیجَاد، اِبقَار، تخلیق، ترزیق، اِحیا، اِماتت اور ان جیسی دوسری صفات سے ہے اور یہ فیض بہ توسطِ صفات ہی پہنچتا ہے۔ اور دوسری وہ ہے جس کا تعلق ایمان و معرفت اور ولایت و نبوت کے کمالاتِ مراتب سے ہے۔ اس دوسری نوع

---

[1] مکتوب ۱۲۲ دفتر سوم۔ [2] مکتوب ۲۰۹ دفتر اول۔

کے فیوضات میں سے بعض کا تعلق صفات سے ہے اور بعض کا شیونات سے جو صرف اعتبارات ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ شیون کا مقام صاحبِ شان کا مواجبہ ہے اور صفت میں یہ کیفیت نہیں۔ صفات اور شیون میں فرق نہایت دقیق ہے۔

ازالۂ فرق کی کوشش

بعض حضرات نے سعی کی ہے کہ مسئلۂ توحید میں شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے اختلاف کو لفظی اختلاف قرار دیں۔ میرے نزدیک ان حضرات کے مساعی کی تردید حضرت مجدد کے کلام سے صَرَاحتہً ہوتی ہے مختصر طور پر میں اس کا بیان کرتا ہوں تاکہ حقیقت واضح تر ہو جائے۔

شیخ اکبر کے نزدیک تمام کائنات کی اصل اور حقیقت علمِ الٰہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ انسان، جن، فرشتے، حیوان، زمین، آسمان، کواکب، لوح، قلم، کرسی، عرش، جنت، دوزخ، غرض ہر شے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں سب کچھ موجود ہے اور جس شے کے متعلق جو کچھ علمِ الٰہی میں ہے وہی اس شے کی حقیقت اور اس کی اصل ہے جب تک علمِ الٰہی کا ظہور نہیں ہوا ساری حقیقتیں عالَمِ غیب میں مستور رہیں اور جب علمِ الٰہی کا ظہور ہوا حقیقتیں بھی ظاہر ہو گئیں شیخ اکبر ان ظاہر شدہ حقیقتوں کو اَعْیانِ ثابتہ کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اَعْیانِ ثابتہ کے ظہور کا وقت آیا تو اُن کا عکس ظاہر ہوا اور وہی عکس ان کا وجود ہے چونکہ یہ عکس بھی اللہ کی صنعت اور کاریگری ہے اس لئے اس کے واسطے پائداری ثابت ہے۔ ایسی پائداری کہ اس پر عذاب و ثواب کا ترتب ہوتا ہے عکس اپنی ذات سے وہمی و خیالی ہوتا ہے لیکن صنعتِ الٰہی نے اس کو پائداری اور خیالی وجود بخشا ہے۔

شیخ اکبر کے نزدیک کائنات کی حقائق اللہ کا علم ہے اور ان کا وجود اللہ کے علم کا عکس ہے، سب کچھ علمِ الٰہی اور اس کا عکس ہے، خارجی شئے کچھ بھی نہیں ہے اور حضرت مجدد کے نزدیک کائنات کی حقائق اجزائے عَدَمِیّہ ہیں جو فانیہ ہیں۔ اُن پر اوصافِ الٰہیۃ کا پرتو اور ظل پڑا۔ آپ کے نزدیک ظل عینِ اصل نہیں ہے۔ لہٰذا افتراق ثابت ہوا۔ اور مولانا اسماعیل نے ٹھیک لکھا ہے۔ فَیَنْقَلِعُ اَسَاسَ الْقَوْلِ بِالْاِتِّحَادِ رَاْسًا۔ یعنی حضرت مجدد کے قول سے اتحاد کی جڑ اور اساس سرے سے نکل جاتی ہے اور وحدت وجود کا نظریہ قائم نہیں رہتا۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ سالک جب فنائیت کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو بجز محبوب کے کچھ نہیں نظر آتا حتیٰ کہ وہ اپنا وجود بھی نہیں دیکھتا۔ لہٰذا اس کی زبان سے اتحاد کا قول نکلتا ہے۔ کوئی انا الحق، کوئی سبحانی کہتا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں اگر اسی مقام اور کیفیت کی حالت میں سالک کی عالم میں مراجعت ہوتی ہے تو عالم کے ہر ذرہ میں اس کو جمالِ محبوب نظر آتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

دیدہ بکشا دجمالِ یار بیں   ہر طرف ہر جا رُخِ دِلدار بیں

آپ فرماتے ہیں یہ مقامِ ولایت ہے اور اس سے بالاتر مقامِ ارشاد ہے جس کا تعلق مقامِ نبوت سے ہے۔ ابھی سالک کو اس شاہراہ پر پہنچنا ہے۔ وہاں اس کی زبان پر آتا ہے۔ سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ "میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا"

یہ مقامِ عبدیّت ہے اور بِالْاِصَالَۃْ اس کا تعلق سردار کل کائنات سَیِّدِنَا محمد عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَاَکْمَلُ التَّحِیَّات سے ہے۔

حضرت مجدد کے والد بزرگوار حضرت مخدوم نے اپنے رسالہ "اَسرارِ تشہّد" میں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے متعلق نہایت لطیف کلام بیان فرمایا ہے اور خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں آپ کے بیان میں کچھ فوائد اس مبارک رسالہ سے اخذ کر کے لکھے ہیں۔ میں اِن فوائد کا کچھ خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر کیا ہے۔

معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمہ کی ابتدا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰۃُ وَالطَّیِّبَاتُ سے ہوئی ہے۔ آپ عرض کرتے ہیں کہ تمام انواع کی صفاتِ کمال اللہ ہی کے لئے ہیں۔ چاہے بندہ اس کا اظہار زبان سے ثنا و صفت کر کے کرے، یا بدن سے عبادت میں مشغول ہو کر کرے، یا لطائفِ باطنیہ قلب و روح وغیرہ سے مولیٰ جل شانہٗ کی یاد کرے اور متخلق بہ اخلاق الہیہ ہو۔ ان تینوں اعتبارات کو قولی اور فعلی اور حالی کہتے ہیں۔

مومن کی معراج نماز ہے اور نماز کا آخر قعدہ پر ہے۔ اور قعدہ میں اس مبارک مکالمہ کو رکھا گیا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں مکالمہ کی ابتدا کی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کی معراج کی نہایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بداءت ہے اور اس کا سر زیرِ اقدامِ آنحضرت۔ اور اس بات کا اشارہ ہے کہ مومن کی معراج کی انتہا وصول بہ حضرت رسول اور رسول اللہ کی معراج کی انتہا بارگاہِ ربّ العُلاٰ ہے۔ لہٰذا نمازی کو بعد از تشہد درود پڑھنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں حضرت فریدالدین عطّار نے کیا خوب کہا ہے رحمہ اللہ۔

درود از حضرتش بر جانِ آں کس — کہ نامد مثلِ او اندر جہاں کس
زمین و آسمان و عرش و کرسی — بہشت و دوزخ و جنّی و اِنسی
ز بہرِ اوست بشنو از دلِ پاک — بدیں روشن دلیلے ہست لولاک
مرقّد انبیا در زیرِ جاہش — مشرّف اولیا از خاکِ راہش
دریں عالم ہر آں کو برتری یافت — ز خاکِ درگہِ او سروری یافت
علما را بہ حضرت رابطہ اوست — اگر مقبول گردد واسطہ اوست
محمد در شریعت نامِ اُو داں — ولیکن در حقیقت احمدش خواں
بیفگن میم احمد از طریقت — کہ تا نامش بدانی در حقیقت
خدا را در الوہیّت اَحد خواں — نبی را در عبودیّت یکے داں
چو حق اندر خدائی فرد و داناست — نبی در بندگی بے مثل و یکتاست

یقیں داں تا کہ نشناسی خدارا   نہ دانی قدر و جاہِ مصطفٰے را
تو او را گر بدانستی تمام است   ترا کارِ دو عالم با نظام است

جس مقام کو شیخ اکبر حقیقتِ محمدی کہتے ہیں اور اس کے واسطے درجۂ وجوب کا اثبات کرتے ہیں۔ حضرت مجدد کے نزدیک وہی مقامِ عَبْدِیَّت ہے، ممکن ہے اور وہ اپنے اجزائے اپنی حقیقت سے اپنی صورت سے ممکن ہے اس کو واجب تعالیٰ و تقدس سے کوئی اشتراک نہیں۔ اس کو نسبتِ عَبْدِیَّت ہے وہ عبد ہے اور واجب تعالیٰ معبود جس کی تخلیق ہو اس کیلئے درجۂ وجوب کیسا۔ ارشادِ نبوی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآاِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ۔ اے اللہ تو میرا پالنے والا ہے تو نے مجھ کو پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔

آپ کے زمانے کی مذہبی حالت

ہندوستان کی تاریخ میں اکبر بادشاہ کا زمانہ (سنہ ۹۶۳ھ سے سنہ ۱۰۱۴ھ تک) اسلام کیلئے نہایت نازک اور پُرخطر زمانہ تھا۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب مُنتخب التواریخ میں چشم دید واقعات لکھے ہیں جن سے اسلام کی زبوں حالی کا پوری طرح پتہ چلتا ہے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنے قیمتی مقالہ میں مُلّا عبدالقادر کی تاریخ سے کچھ واقعات اور حالات لکھے ہیں[1] گیلانی صاحب نے مُلّا صاحب کے حلف نامہ کو اُن کی کتاب کے صفحہ ۴۲۶ سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے "حلف کے بعد ہمارے لئے عدمِ اعتماد کی پھر مشکل ہی سے گنجائش پیدا ہو سکتی ہے" مولانا مرحوم نے شرعِ مُطہرہ کی رُو سے عدمِ اعتماد کو مشکل قرار دیا ہے اور ان کی بات یقیناً درست ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اس دَور کے محققین کی نظر میں مراتبِ چہار گانہ وضع کرنے والے ابوالفضل کی جو وقعت ہے وہ مُلّا صاحب کی کہاں ہو سکتی ہے تاہم یہ محققین تسلیم کرتے ہیں کہ مُلّا مبارک نے ایک محضر نامہ لکھا جس میں اکبر کو اختیار دیا گیا کہ وہ اجتہاد کر کے حکم نافذ کرے اور یہ کہ اکبر آفتاب کی تعظیم کرتا تھا اور اس کی عبادت کے خاص اوقات تھے۔ طلوعِ آفتاب، نصف النہار، غروبِ آفتاب اور نیم شبی۔ نیم شبی کی وجہ ابوالفضل نے یہ لکھی ہے۔

"آں روشنی افزائے انجمن ہستی رُو بہ فراز نہد و غمزدگانِ تیرہ شب را نوید خوشدلی رساند"[2]
انجمن ہستی کو روشنی دینے والے کا رُخ بلندی کی طرف ہو چلا اور اندھیری رات کے غمزدوں کو خوش دلی

---

[1] تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کے صفحہ ۲۵ سے ۱۳۶ تک۔ [2] رود کوثر شاہکار ایڈیشن صفحہ ۱۲۵۔

کی نوید پہنچی"۔ اور اس شنیع فعل کے استحسان کے لئے سورۂ والشمس سے استدلال کیا گیا ہے۔ اِلَی اللّٰہِ الْمُفْزَعُ وَ اِلَیْہِ الْمُشْتَکیٰ۔

اکبر کی غلط روی دائرۂ کفر تک پہنچ گئی تھی یا نہیں، اس بحث کا تعلق زیرِ نظر کتاب سے نہیں ہے اِس سلسلہ میں صرف اِتنا کہتا ہوں کہ ایک ناواقف اور ناخواندہ شخص کے ہاتھ میں دین کے مسائل کی زمام دینا، یقیناً تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر

مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"اکبر نے تمام عاملینِ مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب ہی کو خیر باد کہہ دینا چاہا۔ خود ابوالفضل و فیضی کو بھی انہی لوگوں نے اپنی ہوا پرستیوں اور ظلم و عُدوان کے نمونے دکھلا کر اس طریقہ میں آنے کی دعوت دی تھی، جس کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر وہ خود بھی متأسف ہوتے ہوں گے کہ مقصود کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا۔ انھوں نے علماءِ سوء کے غرور و پندار کا بُت توڑنے کے لئے ایک دوسرا بُت تیار کیا جس کا نام اکبر تھا لیکن آگے چل کر خود اُسی بت کی پرستش شروع ہو گئی"۔ [1]

اکبر کی غلط روی کا کیا اثر ہوا تھا اور اس وقت کی مذہبی حالت کیا تھی اس کے متعلق حضرت خواجہ عبیداللہ معروف بہ خواجۂ کلاں، (فرزند حضرت خواجۂ باقی باللہ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد کی بعض تحریرات نقل کرتا ہوں۔

خواجۂ کلاں کی تحریر

خواجۂ کلاں اور خواجۂ خورد کی عمریں تقریباً دو سال کی تھیں کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی وفات ہوئی۔ ان دونوں گرامی قدر صاحبزادوں کی خدمت اور تربیت خواجہ حسام الدین احمد نے کی ہے۔ حضرت مجدد نے جو مکتوب اپنے مرشد زادوں کو ارسال کیا ہے اور میں اس کو نقل کر چکا ہوں اس میں اظہارِ حقیقت کرتے ہوئے لکھا ہے "معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے خیر دے کہ انھوں نے ہم کوتاہی کرنے والوں کا بوجھ اُٹھا لیا ہے اور عتبۂ عالیہ کی خدمت کے واسطے کمرِ ہمت باندھ رکھی ہے۔ [2]

خواجہ حسام الدین احمد کی اہلیہ مُلّا مبارک کی دوسری بیٹی تھیں۔ [3] لہٰذا خواجۂ کلاں کا بیان مُلّا مبارک اور ابوالفضل کے متعلق مستند اور وقیع ہے۔ خواجۂ کلاں نے مُلّا حِدہ کے بیان میں محمود بسخوان، امیر شریف علی اور ابوالفضل کا حال تفصیل سے لکھا ہے میں آپ کے کلام کا ترجمہ اختصار کے ساتھ لکھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

امیر شریف آملی "بسخوانی مذہب" کے رئیسوں میں سے تھا۔ اکبر کے زمانہ میں وہ ہندوستان آیا اور ابوالفضل کا دست و بازو بن گیا۔ فطری شقاوت کی بنا پر آملی کو کسی مذہب میں سکون نہ ملتا تھا۔ اور آخر کار وہ الحاد کے دائرہ میں داخل اور بسخوانی کے مسلک کا گرویدہ ہوا۔ اتفاق سے وہ اکبر کے پاس پہنچ گیا اور اس نے اکبر کو اپنی باتوں

---

[1] تذکرہ صفحہ ۳۰ [2] مکتوب ۲۶۶ دفتر اول۔ [3] تاریخ ہندوستان جلد ۵ صفحہ ۹۳۷

سے خوش کر کے منصبِ ہزاری حاصل کیا وہ درگاہ کا خلیفہ بن کر یعنی اکبری مذہب کا مبلّغ بن کر بنگال گیا اور وہاں مراتبِ چہارگانہ کی ترویج میں مصروف ہوا۔ یہ مراتبِ چہارگانہ ابوالفضل کے اجتہاد کا ثمرہ ہے۔

ابوالفضل شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا ہے اس نے علوم وفنون اپنے والد سے پڑھے اور قلبی پراگندگی اور حیرت زدگی وراثۃً اپنے باپ سے پائی۔ سن حداثت سے ہی اس کا دل کسی مذہب پر نہیں جمتا تھا وہ چاہتا تھا کہ ہندوستان سے باہر جاکر مجوس، نخشیۃ، ثعلبیۃ، یہود، نصاریٰ وغیرہ کے مذاہب کا مطالعہ کرے لیکن اپنے والد کی وجہ سے نہ جاسکا جب اس کی رسائی اکبر تک ہوئی تو اس نے اکبر کو بھی اپنی طرح حیرت وتردّد واشتباہ میں گھرا پایا۔ لہٰذا وہ اکبر کی مصاحبت کو غیبی امداد سمجھ کر اپنے ارادے کی تکمیل میں مشغول ہو گیا۔ اس نے شاہی فرامین کے ذریعہ دوسرے ملکوں سے متفرق مذاہب کی کتابیں منگوائیں اور ان کے مطالعہ میں مصروف ہوا اور جوگیوں، پنڈتوں وغیرہ کو بُلا کر ان سے معلومات حاصل کیں۔ آخر میں شریف آملی اس کو ملا اور اس کی ملاقات سے "چشم دے روشن تر گشت" اس کے آنکھ کی بینائی بڑھی۔ اور الحاد وا باحت کی وادی میں داخل ہو گیا۔[1]

مولانا ذکاراللہ کی تحریر

مولانا نے اپنی کتاب تاریخ ہندوستان میں ابوالفضل کی کتاب آئینِ اکبری اور اکبر نامہ سے اکبر کے مذہبی خیالات اور مراتبِ چہارگانہ کے متعلق لکھا ہے۔

"بادشاہ کے نزدیک دورائی عامہ کی کچھ قدر نہیں۔ وہ ہر مذہب میں جو پسندیدہ بات ہے اس کی تحسین کرتا ہے اور بارہا اس نے فرمایا ہے کہ آدمی وہ ہے کہ انصاف کو اپنی راہ کا پیش رو بنائے اور ہر گروہ کی جو بات پسندیدۂ خرد ہو اس کو اختیار کرے شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے۔ اس تقریب میں ہندی نژادوں کی حقیقت گزینی کی ستائش اس نے اس فصاحت سے بیان کی کہ وہ وفاداری کے لئے ان چار چیزوں 'مال وجان وناموس ودین'، کو دے دیتے ہیں اور ان چار چیزوں کے سوا دنیا میں کچھ اور نہیں ہے۔"[2]

ابوالفضل کے اس بیان سے جو مولانا ذکاراللہ نے نقل کیا ہے حضرت خواجۂ کلاں کے کلام کی پوری تائید ہو رہی ہے۔ آپ نے لکھا ہے "اکبر کو بھی اپنی طرح حیرت وتردّد واشتباہ میں گھرا پایا" اور مولانا نے یہ عبارت نقل کی ہے "شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے"۔ اپنے دین ومذہب میں جب کسی کو اس درجہ حیرت وتردّد واشتباہ پیدا ہو جائے تو وہ دین ومذہب ہی کیا رہا۔ اور پھر مراتبِ چہارگانہ کی جو تفسیر 'مال' 'جان' 'ناموس' 'دین' سے کی گئی ہے۔ جب یہ چاروں چیزیں بادشاہ کو سونپ دی جائیں تو پھر باقی کیا رہا۔

---

[1] مبلغ الرجال قلمی کے صفحہ ۱۴۰ سے ۱۵۲ تک۔ [2] تاریخ ہندوستان جلد ۵ صفحہ ۹۴۷۔

جنابِ شیخ عبدالحق کی تحریر

جنابِ شیخ نے فیضی کے متعلق لکھا ہے :-

فیضی اگرچہ فصاحت وبلاغت، زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر وضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا بھی درست نہیں۔[1]

جنابِ شیخ کی اس مختصر عبارت سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ آپ نے فیضی کا ذکر لفظ "بود" سے کیا ہے جس کا ترجمہ اردو میں "تھا" ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ عبارت فیضی کے مرنے کے بعد لکھی ہے۔

۲۔ آپ نے فیضی کو فصاحت وبلاغت، زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار مانا ہے۔ اس سے آپ نے فیضی کی تفسیر غیر منقوطہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ عربی میں ہے اور اس کا نام سواطع الالہام" ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ حروفِ غیر منقوطہ سے قرآن مجید کی تفسیر لکھنی از عجائباتِ روزگار ہے۔ باوجود التزامِ حروفِ معجمہ یعنی غیر منقوطہ سلاست، روانی، فصاحت، بلاغت میں بلند مرتبہ ہے۔ فیضی نے ۱۰۰۲ھ میں یہ تفسیر لکھی ہے۔ ۱۲۶۷ھ میں شیخ محمود افندی مفتی دمشق نے اسی صنعت میں تفسیر "دُرّ الاسرار" لکھی ہے۔ عین ممکن ہے کہ شیخ محمود نے فیضی کی تفسیر دیکھی ہو اور اس سے استفادہ بھی کیا ہو۔ پھر بھی فیضی کی تفسیر کی جامعیت کچھ اور ہے۔ فیضی نے دیباچہ کے بعد ایک سو تیس سواطع لکھے ہیں اور یہ سب سواطع بمنزلہ مقدمہ کے ہیں اور آخیر میں ننانوے تاریخیں لکھی ہیں۔ پھر عربی کے تیس شعر کہے ہیں اور یہ سب حروف غیر منقوطہ میں ہیں۔

شیخ محمد اکرام نے جنابِ شیخ کے رویّہ کے متعلق لکھا ہے :-

"شیخ عبدالحق نے فیضی کو فتح پور سیکری کی ان محفلوں میں دیکھا تھا جہاں اس کی بے راہ روی اور رعونت عروج پر تھی۔ اس زمانے میں ان کی اور فیضی کی گاڑھی چھنتی تھی۔ لیکن شیخ نے ان محفلوں میں جو کچھ دیکھا اس نے ان کا دل اس قدر کھٹا کر دیا کہ اب وہ "سواطع الالہام" والے فیضی سے بھی نہیں ملنا چاہتے۔ حالانکہ اس دَوران میں فیضی کے اندازِ خیال میں جو تبدیلی ہوئی اس پر مثنوی "نل دمن" کی نعت یا تفسیر سواطع الالہام ہی نہیں، شیخ کے نام فیضی کے خطوط بھی گواہی دیتے ہیں۔ شیخ اپنے فیصلہ پر ثابت قدم رہے بلکہ انھوں نے "تذکرۃ المصنفین دہلی" میں فیضی کی نسبت لکھا ہے"۔[2]

اس کے بعد شیخ اکرام نے وہ عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ لکھ چکا ہوں۔

شیخ اکرام کا تعجب اپنی جگہ ٹھیک ہے کیونکہ ان کے پیشِ نظر سواطع الالہام کی وہ عبارت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے اور ان کے سامنے "نل دمن" کے اشعار نعتیہ ہیں اور پھر وہ

---

[1] رودِ کوثر صفحہ ۳۶۰ میں آپ کی فارسی عبارت سے اردو ترجمہ میں نے کیا ہے۔

[2] رودِ کوثر صفحہ ۳۶۰

خطوط ہیں جو فیضی نے جناب شیخ کو لکھے ہیں۔ اور جناب شیخ کی تحریر اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کیونکہ ان کی نظر میں ایمان نام ہے زبان کے اقرار اور تصدیقِ قلب کا۔ یعنی دل صداقت کے ساتھ اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانے۔ اگر دل میں کھٹکا باقی ہے تو ایمان نہیں ہے۔ جس جماعت کا یہ خیال ہو "کہ آدمی وہ ہے کہ انصاف کو اپنی راہ کا پیش رو بنائے اور ہر گروہ کی جو بات پسندیدۂ خرد ہو اس کو اختیار کرے شاید اس سے وہ قفل جس کی کنجی گم ہو گئی ہے کھل جائے۔" بھلا اس کو ایمان سے کیا لگاؤ۔ بے شک فیضی کی تفسیر ادبی شاہکار ہے۔ کیا اس تفسیر کے لکھنے کی عِلّتِ غائی سردارِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی یا اظہارِ علم وفضل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پوری طرح تقاضا کرتی ہے کہ تصدیقِ قلبی میں بال برابر کمی نہ آئے۔ چاہے بشریت کی بنا پر عمل میں کوتاہی واقع ہو جائے۔ کیا فیضی اس منحوس جماعت سے بیزار ہو گئے تھے۔ کیا قفل کی گمشدہ کنجی (تصدیقِ قلب) ان کے ہاتھ آ گئی تھی؟ شیخ عبدالحق کا یہ لکھنا "اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینا درست نہیں" ظاہر کرتا ہے کہ نہ فیضی اس منحوس جماعت سے بیزار ہوئے تھے اور نہ ان کے ہاتھ مفتاحِ سعادت لگی تھی۔ حقیقتِ امر کیا ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مدارِ کار خاتمہ پر ہے۔ اِنْ خَیْرًا فَخَیْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔

۳۔ جناب شیخ کے نزدیک وہ جماعت جس سے فیضی کا تعلق تھا مسلمانوں کے لئے ایک بدنما داغ تھی کہ اس کا نام لینا بھی مسلمانوں کے لئے درست نہ تھا۔

۴۔ اور یہ کہ فیضی وغیرہ کفر وضلالت کے ہاویہ میں، اگڑھے میں گر چکے تھے۔ افسوس صد افسوس۔ مَنِ اهْتَدَىٰ فَاِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (ترجمہ) جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی واسطے اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی بُرے کو۔

حضرت مجدّد کی تحریرات

حضرتِ مجدّد کے رسائل اور مکتوبات سے آپ کا بیان نقل کرتا ہوں۔ حضرت مجدّد نے رسالہ "اثباتِ نبوت" میں لکھا ہے۔

"اس زمانے میں یہ بات میں نے دیکھی کہ خود نبوّت ہی کے متعلق اور پھر کسی فردِ واحد کے لئے نبوّت کے اثبات کے سلسلہ میں لوگوں کے اعتماد میں فتور آ چلا ہے۔ یہ خرابی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اسلام کے وہ علما جو شریعت کی پیروی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں ثابت قدم تھے قتل کر دیئے گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرم نام کو چھوڑا جا رہا ہے۔ جس کا نام آپ کے مبارک نام پر ہوتا ہے اس کو بدل دیتے ہیں۔ ذبحِ بقر سے روکا جاتا ہے حالانکہ وہ ہندوستان میں اسلام کے بڑے شعائر میں سے ہے۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جا رہا ہے۔ کفار کے معابد اور ان کے رسم ورواج کی تعظیم کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اعلام کو مٹا کر کافروں کے رسوم اور ان کے باطل ادیان کو رائج کیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کا نشان تک مٹ جائے۔

میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطبا (علما) بیمار ہو چلے ہیں (ان میں خرابی پیدا ہو رہی ہے) اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا ہے اور اُن سے اُن کے شبہات دریافت کئے ہیں۔ ان کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے یہ زمانہ دُور جا پڑا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا ہے جنھوں نے فلسفہ کا اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل اور فضیلت کا دعویٰ بھی ہے (ابوالفضل کی طرف اشارہ فرمایا ہے) ان لوگوں نے خلقِ خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحققِ اصلِ نبوّت اور شخصِ معیّن کے لئے اس کے ثبوت کے سلسلہ میں خود بھی بھٹکے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے اُن کا کہنا یہ ہے کہ "حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور اُن کو لڑائی جھگڑے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے انہماک سے روکنا ہی حاصلِ نبوّت ہے"[1]

یہ تحریر حضرت مجدد کی دسویں صدی کے اواخر کی ہے جب کہ اکبر اس منحوس جماعت کی سرپرستی کر رہا تھا اور اس نے مختلف مذاہب کے اُن افراد کو عبادت خانہ میں جمع کیا تھا جنھوں نے اکبر کو خلیفۃ الزماں، انسانِ کامل اور مظاہرِ حق کا اتم مظہر قرار دے کر معبودیّت کے دائرے میں شامل کیا تھا اور اس کے واسطے سجدہ تجویز کیا تھا۔

اب میں آپ کے مکاتیب شریفہ کے کچھ اقتباسات لکھتا ہوں۔ آپ نے شیخ بدیع الدین کو لکھا ہے۔

ا۔ "شریعت کا جو حکم مبتدی کے واسطے ہے وہی حکم منتہی کے واسطے بھی ہے۔ چنانچہ عارفوں کے خاص الخاص اور ایک عام مومن اس معاملہ میں یکساں ہیں۔ خام صوفی اور بے سر انجام ملحد اس کوشش میں ہیں کہ وہ اپنے کو شریعت کے احکام سے آزاد کر لیں۔ ان کی نظر میں شریعت کے احکام کا تعلق عوام سے ہے۔ اور خواص کے لئے معرفت کا حاصل کرنا ہے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے امرا و سلاطین کو مکلّف آ عدل و انصاف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا مقصد معرفت ہے۔ جہاں معرفت حاصل ہوئی شریعت کے احکام ساقط ہو گئے۔ انھوں نے "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" سے استدلال کیا ہے (سورۂ حجر کی آخری آیت ہے) "اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین" (یعنی موت کہ بے شک ہے۔ موضح) انھوں نے یقین سے معرفت مراد لی ہے جیسا کہ سہل تستری نے کہا ہے۔ حالانکہ یقین کا بیان معرفت سے جس نے بھی کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عبادت کی تکلیف کا احساس اُس وقت تک ہوتا ہے جب تک معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ معرفت حاصل ہو جانے پر عبادت میں تکلیف کا احساس نہیں رہتا (بلکہ راحت ملتی ہے) اور جو مطلب ان لوگوں نے نکالا ہے وہ زندقہ اور

---

[1] قلمی نسخہ سے لیا ہے۔

الحاد ہے۔

یہ لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ پیر اس مقصد سے عبادت نہیں کرتا کہ وہ عبادت کا محتاج ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے اتباع اس کو دیکھ کر عبادت کریں۔ ان لوگوں نے مشائخ کے اس قول سے استدلال کیا ہے "جب تک پیر ریاکار نہ ہو مُرید اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا" ان لوگوں کو اللہ رسوا کرے کیا ہی جاہل ہیں۔ عبادت کی ضرورت جس قدر عارفوں کو ہے اس کا دسواں حصّہ بھی مبتدیوں کو نہیں۔ کیونکہ عارفوں کے عُروجات اور اُن کے مدارجِ تقرب وابستہ بہ عبادت و احکامِ شریعت ہیں۔ اگر عوام کو اَجر ملنے کی توقع قیامت کے دن کی ہے تو عارفوں کو وہ اَجر آج ہی نصیب ہے لہٰذا وہ اَحق بہ عبادت و اَحوج بہ اِتیانِ اَمرِ شرع ہوئے"۔ [1]

آپ نے شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ معتبر افراد سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے بعض خلفا کو اُن کے مرید سجدہ کرتے ہیں۔ وہ زمین بوسی پر اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی قباحت اظہر من الشمس ہے۔ آپ ان کو تاکید کے ساتھ اس سے منع کریں۔ ایسے فعل سے ہر ایک کو بچنا لازم ہے اور خاص کر ایسے شخص کو جو خلق کا مقتدا ہو۔

آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ چاہیئے کہ فقہ کی کتاب بھی پڑھی جائے فارسی میں فقہ کی کافی کتابیں ہیں۔ جیسے مجموعۂ خانی، عُمدۃُ الاسلام اور فارسی کنز۔ اگر تصوف کی کتابیں نہ بھی پڑھی جائیں تو حرج نہیں کیونکہ ان کا تعلق حال سے ہے اور حال قال میں نہیں سماتا۔ فقہ کی کتابوں کا نہ پڑھنا احتمالِ ضرر رکھتا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم   کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ) مختصر طور پر دل کا دُکھڑا آپ کے سامنے بیان کیا ہے کیونکہ مجھ کو کھٹکا ہوا کہ کہیں آپ آزردہ نہ ہو جائیں ورنہ کہنے کو بہت کچھ ہے۔ [2]

۳۔ آپ نے لالہ بیگ کو تحریر فرمایا ہے۔

اللہ ہم میں اور آپ میں اسلام کی حمیّت زیادہ کرے۔ تقریباً ایک قرن سے اسلام پر ایسی غُربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی علاقوں میں کفر کے احکام جاری کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کوشش میں ہیں کہ اسلامی احکام پوری طرح زائل ہو جائیں، اسلام اور مسلمان کا نام تک باقی نہ رہے۔ اگر کوئی مُسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو اس کو قتل کرا دیا جاتا ہے۔ [3]

۴۔ آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آبائے کرام کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔ بادشاہ کی مثال مُلک کیلئے ایسی

---

[1] مکتوب ۲۷۶ دفتر اول [2] مکتوب ۲۹ دفتر اول [3] مکتوب ۱۰ دفتر اول۔

ہے جیسے کہ دل بدن میں ہے۔ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح ہے اور اگر دل فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے بادشاہ کی دُرستی ملک کی دُرستی اور اس کا فساد ملک کا فساد۔ آپ جانتے ہیں کہ پچھلے دَور میں اسلام پر کیا کچھ گزری ہے۔ اسلام کی کمزوری اور زبُوں حالی پہلے اَدوار میں جب کہ اسلام غَرِیبُ الدِّیَار تھا (نیا آیا تھا) اس سے آگے نہ بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور کفّار اپنے دین پر۔ لیکن پچھلے دَور میں (اکبری دَور میں) اہلِ کفر بَرمَلَا دارِ اسلام میں (اسلامی علاقوں میں) کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان، اسلام کے احکام کے اظہار سے عاجز تھے۔ اگر اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔ افسوس صد افسوس اِس خرابی، اس مصیبت، اس حسرت، اس غم پر۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ ربّ العالمین کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکر صاحبِ عزّت اور صاحبِ اعتبار۔ مسلمان اپنے زخمی دلوں سے اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور ان کے معاند تمسخر اور استہزا کر کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں چھپ گیا تھا اور حق کا نور باطل کے حجابات سے پوشیدہ ہو گیا تھا۔

آج جبکہ مانعِ دولتِ[1] اسلام کے زائل ہونے کی نوید اور بادشاہِ اسلام کے جلوس کی بشارت ہر خاص و عام کے کان تک پہنچی ہے، اہلِ اسلام نے تہیّہ کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے مددگار اور معاون رہیں گے اور ترویجِ شریعت اور تقویتِ ملّت میں ان کا ساتھ دیں گے، ان کی مدد کرینگے، چاہے زبان سے ہو چاہے ہاتھ سے۔ سب سے اوّل مسائلِ شرعیہ کی مدد ہے تاکہ کتاب و سنت و اجماعِ امّت کے موافق عقائدِ کلامیہ کا اظہار ہو۔ کوئی بدعتی اور گمراہ بیچ میں آ کر راستہ نہ کاٹے اور کام کو نہ بگاڑے۔ اس امداد کا تعلق علمائے حق سے ہے جن کو آخرت کی فکر لگی رہتی ہے۔ اور وہ علماء جو دنیا کے طلبگار ہیں ان کی صحبت مثل زہرِ قاتل کے ہے ان کا فساد مُتعدّی ہے۔

عَالِم کہ کامرانی و تن پروری کند　　او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(ترجمہ) جو عَالِم دنیا سازی اور تن پروری کرے وہ خود بھٹکا ہوا ہے دوسرے کو کیا راہ دکھائے گا۔

پچھلے دَور میں مسلمانوں پر جو بھی مصیبت آئی وہ اسی جماعت کی نحوست سے آئی ہے بادشاہوں کو انھوں نے ہی بہکایا ہے۔ وہ بہتر فرقے جنھوں نے گمراہی اختیار کی ان کے مقتدا یہی علمائے سوء تھے۔ اگر علمائے سوء کے علاوہ کسی نے راہِ ضلالت اختیار کی ہے تو اس کی ضلالت دوسروں تک بہت کم متعدّی ہوئی ہے اور اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل علمائے سوء کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کا فساد بھی متعدی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل قدرت اور بادشاہ کا قرب عنایت کیا ہے اس لئے آپ کی ذات سیادت پناہ سے اُمید ہے کہ ظاہر و باطن میں برابر شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کی ترویج کیلئے کوشش کرینگے اور مسلمانوں کو ذلّت اور پستی سے نکالیں گے۔[2]

---

[1] مانعِ دولتِ اسلام سے اشارہ اکبر کی طرف ہے۔ [2] مکتوب ۴۷ دفتر اول۔

۵۔ اور آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری ہی کو تحریر فرمایا ہے۔

نقابت و نجابت دستگاہا۔ تمام مواعظ کا خلاصہ اور تمام نصیحتوں کا لبِ لباب یہ ہے کہ اہلِ تدین اور اصحابِ تشرع سے اختلاط اور تعلق رکھا جائے۔ تدین اور تشرع کا تعلق اہلِ سنت و جماعت کے طریقہ سے وابستہ افراد سے ہے کہ اسلام کے تمام فرقوں میں یہی فرقۂ ناجیہ ہے۔ ان بزرگواروں کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے اور اُن کی آراء سے ہٹ کر فلاح نہیں ہے اور یہ بات عقلی، نقلی، کشفی دلائل سے ثابت ہے جس میں تخلف کا احتمال تک نہیں ہے۔ اگر پتہ چل جائے کہ کوئی شخص رائی کے دانہ کی برابر ان کی راہ سے ہٹا ہوا ہے تو اس کی صحبت کو سمِ قاتل اور اس کی مجالست کو زہرِ ہلاہل سمجھنا چاہیئے۔ علم کے طلب کرنیوالے بے باک افراد جس فرقہ کے بھی ہوں دین کے ڈاکو ہیں ان کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے۔ دین میں جو بھی خرابی پیدا ہوئی ہے وہ انہی کی نحوست سے ہوئی ہے کہ انھوں نے ناچیز دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کرلی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ (ترجمہ) "وہی ہیں جنھوں نے خریدی کی راہ (ہدایت) کے بدلے گمراہی، سو نفع نہ لائی ان کی سوداگری اور نہ راہ پائی۔" ابلیسِ لعین کو ایک شخص نے آسودہ اور فارغ البال بیٹھا دیکھا کہ اغواء اور اِضلال سے اپنا ہاتھ روک رکھا ہے اس نے ابلیس سے اس کی وجہ پوچھی۔ وہ بولا کہ اس وقت کے علمائے سوء نے میرا کام سنبھال لیا ہے وہ اِغوا اور اِضلال کے متکفل ہو گئے ہیں۔"[1]

۶۔ آپ نے خان جہاں کو پندرہ صفحات کا طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس میں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد اور ارکانِ خمسۂ اسلام کا بیان ہے۔ اس مکتوب کے اواخر میں تحریر فرمایا ہے۔

"وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے آپ صاحبان کو دی ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اس کو نہ سمجھے ہوں، یہ ہے کہ بادشاہِ وقت سات پشت سے مسلمان اور از جماعت اہلِ سنت و جماعت اور حنفی مذہب ہے۔ اگرچہ کچھ سالوں سے اس زمانہ میں کہ قربِ قیامت اور عہدِ نبوت سے بُعد کا زمانہ ہے بعض ایسے طلبگارانِ علم نے (علمانے) جو کہ بدباطن، لالچی اور امراء و سلاطین کا تقرب چاہنے والے ہیں، دینِ متین میں شکوک و شبہات پیدا کئے اور سادہ لوحوں کو بھٹکایا ہے۔ ایسا بڑا بادشاہ جب کہ آپ کی بات کو سنتا اور قبول کرتا ہے تو آپ اسلام کی حق بات، موافقِ اہلِ سنت و جماعت، بادشاہ کے کان تک پہنچائیں کم ہو یا زیادہ، اِشارۃً ہو یا صَراحۃً۔"[2]

۷۔ آپ نے اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کو تحریر فرمایا ہے۔

بعض مشائخ نے محو اور اِضمحلال کے الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ان کا مطلب وہ نظری اور کیفیاتی محو و اضمحلال ہے جو استغراق کی حالت میں سالک کو پیش آتا ہے اور اس وقت اس کو اپنا

---

[1] مکتوب ۲۱۳ دفتر اول [2] مکتوب ۹۷ دفتر دوم۔

تعیّن نظر نہیں آتا ہے (تعیّن کا بیان وحدت وجود کے سلسلہ میں گزر چکا ہے) مشائخ کا مطلب عینی محویت و اضمحلال نہیں ہے کہ فی الواقع اس کا عین اللہ کی ذات میں محو ہو جائے۔ کیونکہ یہ زندقہ اور الحاد ہے۔ ناقصوں کی ایک جماعت عینی محویت کی قائل ہو گئی ہے۔ لہٰذا انھوں نے آخرت کے ثواب و عذاب سے انکار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح وحدت سے کثرت میں آمد ہوئی اسی طرح کثرت سے وحدت تک پہنچنا ہے اور اور کثرت پھر وحدت میں مضمحل اور محو ہو جائے گی۔ ان زنادقہ میں سے ایک جماعت نے محویت کو قیامت کُبریٰ سمجھ لیا ہے اور حشر نشر، حساب، صراط، میزان کے منکر ہو گئے ہیں۔ خود گمراہ ہوئے اور بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔" [1]

۸۔ آپ نے خواجہ محمد تقی کو عالمِ مثال اور شیخ اکبر کی روایت کردہ حدیث "اِنَّ اللہَ خَلَقَ مِائَۃَ اَلف عَالَمٍ" کے متعلق معارف بیان فرما کر لکھا ہے۔

ایک ایسی جماعت نے جن کے قلوب بیمار ہیں ان باتوں سے تناسخ کا جواز سمجھ لیا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ وہ عالم کو قدیم سمجھ لیں اور قیامتِ کُبریٰ کا انکار کر جائیں بعض ملحد جنھوں نے غلط طریقہ پر مسندِ شیخی سنبھال لی ہے (ناحق کے پیر بن بیٹھے ہیں) تناسخ کے جواز کا خیال کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک نفس حدِ کمال کو نہ پہنچ جائے وہ جون بدلتا رہتا ہے اور جون بدلنے سے اس کو چارہ بھی نہیں ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب نفس کمال کو پہنچ جاتا ہے تو پھر جون بدلنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ بدن کے تعلق سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی تخلیق سے جو کمال مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ ان لوگوں کی یہ بات کفر صریح ہے۔" [2]

۹۔ آپ نے اپنے فرزندِ کلاں حضرت محمد صادق قدس سرہ کو گیارہ اوراق کا حقائق بھرا مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ آٹھویں ورق میں لکھتے ہیں۔

" خام صوفی ذکر و فکر کو اہم سمجھ بیٹھے ہیں۔ فرائض اور سُنَن کی بجا آوری میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اربعینات اور ریاضات کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو چھوڑتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں جو ذکر و فکر آدابِ شرعیہ کے ساتھ کیا جائے وہ بہتر اور شایانِ اہتمام ہے۔ بے سرانجام علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب اور ناقص کرتے ہیں۔ مثلاً عاشوراء کی نماز جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے یہ جمعیت و جماعت پڑھتے ہیں حالانکہ ان کو خبر ہے کہ فقہ کی روایات سے نوافل کا جماعت سے پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔" [3]

۱۰۔ آپ نے اتباعِ سُنّت اور درجاتِ ولایت کے متعلق سید شاہ محمد کو مکتوب لکھا ہے اس میں

---

[1] مکتوب ۲۹۴ دفتر اول [2] مکتوب ۵۸ دفتر دوم [3] مکتوب ۲۶۰ دفتر اول۔

تحریر فرمایا ہے۔

فقیر کے نزدیک سُنّتِ مُبارکہ کی دائمی مُتابعت اور بدعت کے اجتناب کُلّی سے نفس کو اطمینان اور اعمالِ صالحہ کے حقائق حاصل ہوتے ہیں۔ جب تک بدعتِ حسنہ کو بھی بدعتِ سیئہ کی طرح نہ سمجھا جائے اور اس سے اجتناب نہ کیا جائے یہ نعمت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اور یہ کام اس زمانہ میں بہت مشکل ہے۔ کیونکہ تمام عالم بدعتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ لوگوں کو بدعتوں کی ظلمتوں میں آرام مل رہا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعتوں کے دور کرنے کے سلسلہ میں دم مارے اور احیائے سنّت کا لفظ کون زبان پر لاسکتا ہے۔ اس مّت کے اکثر علماء بدعتوں کو رائج کر کے سنّتوں کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں رائج ہو چکی ہیں اُن کو تعامُل کے نام پر مستحسن قرار دے رہے ہیں اور فتویٰ دے کر لوگوں کو بدعت کی راہ دکھا رہے ہیں۔ [1]

۱۱۔ آپ نے سیادت پناہ شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا ہے۔

"سُنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام نے اپنے حُسنِ فطرت کی بنا پر آپ سے کہا ہے کہ آپ ایسے چار دیندار علماء کا انتخاب کریں جو مسائلِ شرعیہ کو بیان کریں تاکہ خلافِ شرع کوئی حکم نہ صادر ہو۔ یہ مقامِ حمد و شکر ہے۔ مسلمانوں کے واسطے اس سے اچھی بشارت اور غمزدوں کے لئے اس سے بہتر کیا خبر ہوسکتی ہے۔ یہ عاجز اسی غرض سے آپ کی طرف متوجہ ہوا ہے اور اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کرچکا ہے۔ اس سلسلہ میں عاجز کہنے اور لکھنے سے اپنے کو الگ نہیں رکھ سکتا اُمید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔ کیوں کہ صاحبِ غرض دیوانہ ہوا کرتا ہے۔

عرض یہ ہے کہ ایسے دیندار علما کا جن کی غرض شریعت کی ترویج کے سوا کچھ بھی نہ ہو، دستیاب ہونا بہت مشکل ہے کیونکہ ایسے علماء بہت کم ہیں۔ اگر منتخب شدہ علماء میں ذرا بھی حبِ جاہ ہوئی تو وہ اپنی فضیلت کو ظاہر کرنے کیلئے اختلافی مسائل چھیڑ کر بادشاہ سے قرب حاصل کرنے کی کوشش کرینگے، اس صورت میں دین کا کام بگڑے گا۔ دورِ اوّل میں علما ہی کے اختلاف نے عالَم کو آفت میں ڈالا تھا۔ اب پھر وہی صورت سامنے آرہی ہے۔ اس حال میں دین کی ترویج کیا ہوگی بلکہ تخریب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس حال سے اور علمائے سوء کے شر سے سب کو بچائے۔ لہٰذا صرف ایک دیندار عالم کا انتخاب بہتر رہے گا۔ اگر وہ عالم ایسا ہو کہ اس کو صرف آخرت ہی کی فکر لاحق ہو تو کیا کہنا۔ اس کی صحبت بہ منزلہ اکسیر کے ہے اور اگر ایسا کامل فرد نہ ملے تو پھر ایسے عالم کا انتخاب کیا جائے جو سب سے بہتر ہو" [2]

۱۲۔ آپ نے خانِ اعظم کو تحریر فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا ہے۔ اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ اسلام اپنے آغاز میں بے گھر اور کمزور رہا اور عنقریب پھر اسی حال پر ہوجائیگا لہٰذا خوش خبری ہے بے گھر اور

---

[1] مکتوب ۵۴ دفتر دوم [2] مکتوب ۵۳ دفتر اول۔

کمزور افراد کو جو تمسک بہ کتاب و سنّت کریں۔ اسلام کی غربت و کمزوری اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ کفّار بَرملَا اسلام اور مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں۔ بے تحاشا کوچہ و بازار میں کفر کے احکام کا اجرا اور اہلِ کفر کی مدّاحی کرتے ہیں۔ مسلمان اجرائے احکامِ اسلام سے ممنوع اور امرِ شرعی کے بجالانے پر مَطعُون و مَذمُوم۔

پَری نِہفتہ رُخ و دِیو در کرشمہ و ناز		بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بُوالعجبی است

(ترجمہ) پری نے تو اپنا چہرہ چھپالیا اور دیو ناز و کرشمہ دکھا رہا ہے عقل حیران ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔

شریعت کی رونق کو بادشاہوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔ مگر اب قَضیَّہ پلٹ گیا ہے اور معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ ہائے افسوس، ہائے ندامت، ہائے شرمندگی۔ آج کے دن ہم آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں اور شکست خوردگی اور کمزوری کے اس میدان میں مَردِ مُبارز آپ ہی کو جانتے ہیں۔ اللہ آپ کا تائید کرنے والا اور مددگار رہے۔

آج وہ دن ہے کہ اس میں عملِ قلیل کو بہ اَجرِ جَزیل پورے اعتنا کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ اصحابِ کہف سے سوائے ہجرت کے کوئی عمل نمایاں نہیں ہوا ہے۔ چوں کہ ان کا یہ عمل برمحل تھا۔ اس کا اتنا اعتبار کیا گیا ہے۔ جس وقت دشمنوں کا غلبہ ہوتا ہے اگر تھوڑی سی جدوجہد سپاہی کرتے ہیں وہ بھی بہت اعتبار رکھتی ہے بہ خلاف زمانۂ امن کے (کہ اس میں اس قلیل جدوجہد کی وقعت نہیں ہوتی) یہ جہادِ قولی جو آج کے دن آپ کو میسّر ہے جہادِ اکبر ہے۔ آپ اس کو غنیمت سمجھیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کہہ کر زیادتی کی طلب کریں۔ اس زبانی جہاد کو عملی جہاد سے بڑھ کر سمجھیں۔ ہم جیسے بے دست و پا فقرا اس نعمت سے محروم ہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ جب اس خاندان (نقشبندیہ) کے اکابر کی محبّت کی برکت سے جو آپ کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات میں تاثیر رکھی ہے اور آپ کے اقران میں آپ کی مسلمانی کی عزّت ہے تو آپ کوشش کریں تاکہ کم از کم یہ صورت نکل آئے کہ کفر کے وہ بڑے احکام جو مسلمانوں میں رائج ہو گئے ہیں ختم ہو جائیں اور منکرات سے مسلمانوں کو نجات ملے۔ اللہ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے اجر دے۔ پہلی حکومت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت اور اس سے دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔ اس حکومت میں بہ ظاہر وہ بات نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو لاعلمی کی بنا پر ہے۔ اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں اس حکومت میں بھی پہلی حکومت کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے اور عَرصَۂ حَیَات مسلمانوں پر تنگ ہو جائے۔ ع "چو بید بر سرِ ایمانِ خود ہمی لرزم" اپنے ایمان پر مثلِ بید کانپ رہا ہوں۔[1]

۱۳۔ آپ نے میر صدرِ جہاں کو تحریر فرمایا ہے۔

سننے میں آیا ہے کہ بادشاہِ اسلام اسلامی حسنِ استعداد کی بنا پر علماء کے طلبگار ہوئے ہیں۔ بِہ الحمد

---

[1] مکتوب ۶۵ دفتر اول۔

کا کرم ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے دَوْر میں جو خرابی پیدا ہوئی تھی علمائے سوء کی وجہ سے ہوئی تھی۔ لہٰذا علماء کے انتخاب میں آپ خوب چھان بین کریں۔ علمائے سوء دین کے ڈاکو ہیں ان کا مقصد عزت و منزلت اور ریاست ہے اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔ [1]

۱۴۔ آپ نے میر صدر جہاں ہی کو تحریر فرمایا ہے۔

اب جبکہ حکومت پلٹ گئی اور اہلِ مِلَلْ کے عِنَاد کا زور ٹوٹ گیا ہے تو تمام مقتدایانِ اسلام پر چاہے وہ وزرائے عظام ہوں یا علمائے کرام لازم ہے کہ اپنی تمام کوشش شریعت کی ترویج پر لگا دیں اور اسلام کے منہدم ارکان کو قائم کریں۔ تغافل میں کچھ فائدہ نہیں ہے مسلمانوں کے دل مضطرب ہیں ان کو پچھلے دور کی مصیبتیں یاد ہیں کہیں یہ نہ ہو کہ تلافیِ مافات کی صورت ہاتھ سے نکل جائے اور اسلام کی غربت میں مزید اضافہ ہو۔ جب بادشاہوں کو طریقۂ نبویہ کی اشاعت کا خیال ہو اور بادشاہ کے مقربین اپنے کو اس کام سے بچائیں اور چند روزہ حیات کی فکر میں رہیں تو اہلِ اسلام کا معاملہ کیوں کر نہ خراب ہو۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا　　صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

(ترجمہ) جو مصیبتیں مجھ پر ڈالی گئی ہیں اگر دنوں پر ڈالی جاتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔ [2]

۱۵۔ آپ نے حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا ہے۔

علماء کے چہرے پر دنیا کی محبت ایک سیاہ داغ ہے۔ ایسے دنیا پرست علماء سے اگرچہ لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے، چاہے اُن سے شریعت کی تائید اور مذہب کی تقویت ہو جائے لیکن خود اُن کے لئے اُن کا علم مفید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فاجروں سے بھی اس دین کی تائید کراتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَیُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید کسی مردِ فاجر سے کرائیگا۔ ایسے علماء سنگِ پارس کی طرح ہیں اگر اس سے تانبا یا لوہا رگڑ کھالے تو سونا بن جائے لیکن وہ خود پتھر کا پتھر ہی رہے گا۔ یہی حال اس آگ کا ہے جو پتھر اور بانس میں چھپی ہوئی ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن خود وہ پتھر اور بانس آتشِ درونی سے غیر مستفید ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایسے علماء کے لئے ان کا علم نقصان دِہ ہے کیونکہ اُن پر یہ علم حجت ہوگا۔ ارشادِ نبوی ہے۔ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ۔ بے شک قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عَالِم پر ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو فائدہ نہیں پہنچایا ہے۔

تدریس و افتا اس وقت مفید ہے جبکہ خالص اللہ کی رضامندی کے لئے ہو، حُبِّ جاہ و ریاست اور حصُولِ مال و رِفعت سے یکسر خالی ہو۔ [3]

۱۶۔ آپ نے ایک پاک دامن بی بی کو آٹھ صفحات کا مکتوب گرامی ارسال کیا ہے۔ جو دفتر اوّل

---

[1] مکتوب ۱۹۴ دفتر اول [2] مکتوب ۱۹۵ دفتر اول [3] مکتوب ۳۳ دفتر اول

کا اکتالیسواں مکتوب ہے اس میں اُن تمام بدعات اور قبائح کا بیان ہے جن میں عام طور پر مستورات مبتلا ہیں، جیسے مشرکوں کے رسومات کی تعظیم، چیچک اور دوسری بیماریوں کے ازالہ کیلئے غیر اللہ سے استمداد بھوت پریت کا قائل ہونا، کسی دیوی کی منّت ماننا، قبروں پر حیوانات کو لے جا کر ذبح کرنا، بعض پیروں کے نام کے اور بعض بی بیوں کے نام کے روزے رکھنا اور نامشروع طریقوں پر افطار کرنا وغیرہ۔

۱۷۔ ایک اور عفیفہ صالحہ کو سولہ صفحات کا طویل مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ جو دفتر سوم کا مکتوب سترہ ہے۔ اس میں آپ نے عقائد اور عبادات کا بیان خوب تفصیل سے کیا ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہ کی تحریریں گنجینۂ اَسرار و مَعارِف ہیں اور ان کا ایک ایک لفظ آپ کے سُوزِ نہانی اور جذبۂ ایمانی کا اظہار کر رہا ہے۔ آپ دنیوی سیاست سے بالکل الگ تھے آپ کو حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ کا تعلق صرف دین سے تھا۔ آپ کی یہ تمنّا تھی کہ دین تر و تازہ ہو، مسلمان حقیقی معنی میں مسلمان بنیں اور آپ آخری وقت تک اسی کوشش میں مصروف رہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے۔ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ "اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام" وہ جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہے بہ درجہ اتم اس کی استعداد عنایت کر دیتا ہے۔ حضرت مجدد سے تجدید و اصلاحِ دین کا کام اس کو لینا تھا لہٰذا اس کی کامل صَلاحِیّت بھی آپ کو دی آپ نے ایک حاذِق حکیم کی طرح اُن اسبابِ علل کو معلوم کرنے کی کوشش کی جن کی وجہ سے دین ناتواں و کمزور ہو گیا تھا۔ آپ نے رسالہ "اثباتِ نبوت" میں لکھا ہے: "میں دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطبّا بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور ان سے ان کے شبہات دریافت کئے ہیں" [1]

قباحتوں کی تفصیل

آپ کے بیان سے درج ذیل قباحتوں کا پتہ چلتا ہے۔

حکومت سے متعلق : ——————

۱۔ اکبر کے دَورِ حکومت میں اسلام سے دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو چھوڑا جا رہا تھا اور آپ کے مبارک نام پر جس کا نام ہوتا تھا اس کو بدلا جاتا تھا۔

۳۔ اہلِ مِلَل اسلام سے برسرِ عناد تھے۔

۴۔ کافروں کے رسوم کو جاری کیا جا رہا تھا۔

۵۔ اسلام کے ارکان منہدم کئے جاتے تھے۔

۶۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جاتا تھا۔

---

[1] اس بحث کے اوائل میں آپ کی پوری عبارت لکھ چکا ہوں۔

۷۔ مُتشرّع علماء کو قتل کیا جاتا تھا۔

۸۔ کوچہ و بازار میں برملا اسلام پر طعن کیا جاتا تھا۔

۹۔ نبوّت کے متعلق ذہنوں میں فتور آگیا تھا۔

۱۰۔ حکمت و مصلحت کو حاصلِ نبوت سمجھ لیا تھا۔

علماء کی حالت :

۱۔ علمائے سوء۔

۲۔ دنیا طلب فاجر علماء۔

۳۔ ڈھیل دینے والے بے باک و بے سرانجام علماء۔

صوفیہ کی حالت :

۱۔ فرائض سے تغافل اور دُور اَز کار مجاہدات اور ریاضات سے رغبت۔

۲۔ مشائخ کے اقوال کا غلط مفہوم نکال کر ملحدوں کا ساتھ دینا۔

۳۔ مسنون طریقوں کو چھوڑ کر بدعات میں مُبتلا ہونا۔

۴۔ مرید اپنے پیر کو سجدہ کرتے تھے۔

۵۔ بعض ملحد مسند نشین۔

عوام مرد و زن کی حالت :

۱۔ بدعات میں مُبتلا۔

۲۔ مشرکانہ رسوم کا ارتکاب۔

۳۔ ہندوانی ٹوٹکوں پر عمل۔

اور ان تمام قباحتوں کے ساتھ روافض کا مَسلک بھی فتنۂ عظیم تھا جو اہلِ بَیتِ اَطہار کے نام پر سادہ لوحوں کو غلط راہ پر ڈال رہا تھا۔

حضرت مجدد نے ان تمام اسباب و علل کے ازالہ کی سعی فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیاب مُصلح بنایا۔ خلقِ خدا نے آپ کو مُجدد کا خطاب دیا اور اللہ نے آپ کو مقامِ صِلہ عنایت کیا۔ فَطُوبیٰ لَہٗ وَلَہٗ عِندَ اللہِ لَزُلفیٰ وَحُسنُ مَآب۔

مُجَدّد کِس کو کہتے ہیں

مجدّد اسمِ فاعل کا صِیغہ ہے یعنی پُرانے کو نیا کرنے والا۔ حدیث شریف میں مجدد کا بیان اِس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاسِ کُلِّ مِائَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا [1] "اللہ تعالیٰ اِس اُمّت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں کسی کو بھیجے گا تاکہ وہ اُمّت کے واسطے اُن کے دین کی تجدید کرے"۔ مشکات میں اس کی روایت ابوداؤد سے ہے۔ ملا علی قاری نے مشکات کی شرح میں لکھا ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کی روایت صحیح سند سے "اَوْسط" میں کی ہے۔ حاکم نے بھی اِس حدیث کی روایت ثِقات سے کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری نے اس حدیث شریف کے بیان میں ابنِ عباس کا یہ قول لکھا ہے کہ ایسا کوئی سال نہ گزرے گا جس میں لوگ کسی بدعت کو رائج اور کسی سنّت کو ضائع نہ کریں۔ یہاں تک کہ سنتیں ختم اور بدعتیں رائج ہو جائیں گی۔ [2]

مشکات میں حدیث فوق الذکر کے بعد یہ حدیث لکھی ہیں "عَنْ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعُذْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْمِلُ ھٰذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُہٗ یَنْفُوْنَ عَنْہُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاوِیْلَ الْجَاھِلِیْنَ" رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْمَدْخَلِ مُرْسَلاً۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس علم کو (جو قرآن و حدیث کا علم ہے) عادل (اور ثقہ افراد) اپنے اَسلاف (کے جانشینوں) سے حاصل کرکے غُلو کرنے والوں کی تحریفات، باطل پرستوں کے غلط دَعَاوِی اور جاہلوں کی تاویلات کا اِنتفا کرینگے"

اس حدیث شریف میں تین قسم کے افراد کا بیان ہے جن کے مفاسد کا ازالہ حق پرست اور عادل اشخاص کریں گے۔

۱۔ غلو کرنے والوں کی تحریفات کا۔
۲۔ باطلوں کے غلط دَعَاوِی کا۔
۳۔ جاہلوں کی تاویلات کا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ "در دفع اعتراضات" کے آخر میں لکھا ہے۔

"پُر ظاہر است کہ از وجود ذات شریف حضرت ایشان شبہاتِ مَلَاحِدہ و رَوَافِض و غالیانِ توحید و مبتدعانِ طَرَائِق و معتقدانِ شرکِ خَفی و جَلی بالکلیہ برطرف شد و تابعانِ ایشان بفضلِ تعالیٰ در اتباعِ سنّت

---

[1] مشکات کتاب العلم فصل دوم [2] مرقات جلد اول صفحہ ۲۴۸

سرگرم و در اجتناب از بدعت پیش قدم "[1]

(ترجمہ) اچھی طرح ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کی ذات شریف کی وجہ سے ملحدوں، رافضیوں، توحید میں غلو کرنے والوں اور سلاسل کے مبتدعین اور شرکِ خفی و جلی کے معتقدین کے شبہات بالکل دُور ہو گئے اور اللہ کے فضل سے آپ کی پیروی کرنے والے سنّتِ مطہرہ کی پیروی میں خوب ساعی اور بدعت سے اپنے کو بچانے میں پیش قدم ہیں۔

شاہ عبد العزیز نے بیہقی کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مجدد اس پر عامل تھے۔ میں مختصر طور پر تینوں قسم کے افراد اور حضرت مجدد کے مساعی کا ذکر کرتا ہوں۔

غلو کرنے والوں کی تحریفات = یہ شیعانِ علی اور ان کی تحریفات پر صادق آتا ہے۔ حضرت مجدد نے لکھا ہے "عجب دین ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو گالی دینی اس کا بڑا جزء ہے" اور اسی مکتوب میں لکھا ہے "شاید اس جماعت کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و شریعت کا اِبطال ہے اور وہ اہلِ بیت کی محبت کے نام پر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ کاش ان لوگوں نے حضرت علی اور ان کے رفقاہی کو بے داغ چھوڑ دیا ہوتا اور ان حضرات کو تقیّہ کرنے والوں میں شمار نہ کرتے جو مکر اور نِفاق کرنے والوں کی علامت ہے" اور چند سطر بعد آپ نے لکھا ہے "یہ سب افراطِ محبت کے پھول ہیں جو دائرۂ اسلام سے نکلنے کے لئے کافی ہیں"[2]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے اس جماعت نے حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا اور پھر حضرات حسنین اور اہلِ بیتِ اطہار کا سہارا لے کر اپنے لئے ہر شے میں امتیاز پیدا کیا اور اسلام کی ہر روش کو بدلا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حج میں فرماتا ہے۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا "تمہارا نام اللہ نے اگلی کتابوں اور اس کتاب میں مسلمین رکھا ہے لیکن اس جماعت نے اس نام کو ٹھکرا دیا اور اپنے کو مومن کے نام سے پکارنے لگے۔ انھوں نے اپنی اذان اپنی مسجد الگ کی اور دعویٰ کر دیا کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سورۂ حجر میں فرما رہا ہے "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" (آیت ۹) بے شک یہ قرآن ہم نے اُتارا اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں" اس جماعت نے حرمتِ نبوی کے ضائع کرنے کی پوری کوشش کی۔ حضرت عائشہ کی براءت سے انکار اور اُن پر اور حضرت حفصہ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور تمام اکابر صحابہ پر لعن طعن اور سبّ و شتم ہی ان کی عبادت ہوئی۔

در مذہب کہ دشنام طاعت باشد
مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم

حضرت مجدد نے خان جہاں کو اہلِ سنّت کے عقائد لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد زندہ رہنے والا بہت اختلافات دیکھے گا۔ تم

---

[1] مجموعہ فتاوی عزیزی صفحہ ۲۲۲ [2] مکتوب ۳۶ دفتر دوم

میری سنّت اور میرے خلفاے راشدین کی سنّت کو مضبوطی سے پکڑو، نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ نئی بات گمراہی ہے، جو بھی نئی بات پیدا ہو وہ رَدّ ہے۔" لہٰذا جو مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے وہ رَدّ ہے۔ آپ اس نعمت کا شکر بجا لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو فرقہ ناجیہ میں شامل کیا۔ یہ جماعتِ اہلِ سنّت ہے اور ان میں سے نہ کیا جو اللہ کی خاص صفات میں بندہ کو شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور آخرت میں اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں جو دنیوی اور اخروی نعمتوں کا سرمایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کی بھی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو ان دو فرقوں سے بھی الگ رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے برسرِ پیکار اور اکابرِ دین سے بدظن ہیں۔ ان کو آپس میں ایک دوسرے کا دشمن سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن میں بُغض وعناد تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" کہ وہ آپس میں محبت کرنے والے ہیں۔ یہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھی راہ پر چلائے۔[1]

دُو فرقوں سے مُراد رافضی اور خارجی ہیں۔ اوّل الذکر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اور آخرالذکر حضرت علی کو ہدفِ ملامت وموردِ لعن وطعن بناتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ۔

حضرت مجدد نے باطلوں کے غلط دعاوی اور جاہلوں کی تاویلات کا جس طرح رَد کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مختصر بیان عنقریب کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حدیث کا اَتَم مصداق بنایا اور اس وقت کے اکابر علماء نے کھُلے دل سے اس کا اعتراف کیا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدرالدین نے اپنی تالیفات میں تفصیل سے اس کا بیان کیا ہے۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کی فصلِ ششم میں علامۂ روزگار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ "مُجَدِّدِ اَلْفِ الثَّانِی" کا خطاب انھوں نے آپ کے واسطے تجویز کیا ہے۔

"اولیائے حق" کے بیان میں صحیح مسلم کی حدیث گزر چکی ہے۔ اس میں ہے کہ "اہلِ آسمان اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اہلِ زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔" مولانا عبدالحکیم نے جو خطاب آپ کے واسطے تجویز کیا، قبولیت کے زیرِ اثر کیا۔ لہٰذا تمام عالم میں اس کی شہرت ہوئی اور ہر کہ ودِمہ بلکہ آپ کے معاند تک آپ کو مجددِ کے نام سے یاد کرتے اور لکھتے ہیں۔

ایں آں سعادتیست کہ حسرت بَرَد براں
جویائے تاجِ قیصر و ملکِ سکندری

اس سلسلہ میں آپ نے اپنے فرزندِ کلاں حضرت محمد صادق کو لکھا ہے۔

---

[1] مکتوب ۹۶ دفتر دوم

اے فرزند یہ وہ وقت ہے کہ زمانِ سابق میں ایسے ظلمت بھرے وقت میں انبیاء اولوالعزم کا ظہور ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت لایا کرتے تھے۔ چونکہ یہ اُمت خیرالامم ہے اور اس کے نبی خاتم النبیین ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علما کو بنی اسرائیل کے انبیا کی جگہ دی ہے۔ ہر صدی کے شروع میں کسی عالِم کا انتخاب ہوتا ہے تاکہ وہ دین کی تجدید کرے اور شریعت میں جان ڈالے (یعنی اس میں قوت آئے اور اس کے احکام نافذ ہوں) پہلی اُمتوں میں ایک ہزار سال گزرنے کے بعد اُولوالعزم پیغمبر (ہمت والے رسول) کی بعثت ہوا کرتی تھی۔ اس اُمت میں ایک ہزار سال گزرنے پر ایسے عالِم کی ضرورت ہے جو معرفتِ تامہ رکھتا ہو (شریعت کے احکام سے اور طریقت کے اسرار اور حقائق کے رموز سے پوری طرح باخبر ہو)

فیضِ رُوحُ القُدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آں چہ مسیحا می کرد

(ترجمہ) یعنی اگر مولیٰ جل شانہٗ کا لطف و کرم ساتھ دے تو جو کچھ مسیحا نے کیا ہے اور بھی کر دکھائیں [1]

توجہ سے اے زیدِ خیرِ جہاں کی   ہوئے زندہ دل مُردہ جاں کیسے کیسے

حدیثِ صِلَہ

سرشار بادۂ احمدی حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمہ اللہ نے حدیث، صلہ کے متعلق جو واقعہ لکھا ہے اسی کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مجدد کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ملی کہ تمہاری شفاعت سے قیامت کے دن کتنے ہزار افراد بخشے جائیں گے۔ اس بشارت ملنے پر آپ نے کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا اور تَحْدِیْثًا بِنِعْمَۃِ اللہِ اس بشارت کا بیان کیا۔ میں اس وقت حاضر تھا، میں نے آپ سے عرض کی۔ آپ نے دوسرے دفتر کے چھٹے مکتوب میں لکھا ہے۔

"آنچہ مقصود از آفرینش خود می دانستم معلوم شد بہ حصول پیوست و مَسْئُولِ ہزار سالہ بہ اجابت قرین گشت۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَۃً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ"

(ترجمہ) میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھا ہوں وہ پورا ہو گیا ہے اور ایک ہزار سال کی طلب مقرونِ اجابت ہوئی۔ حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اس نے مجھ کو دو سمندروں کو جوڑنے والا اور دو جماعتوں میں اصلاح کرنے والا بنایا۔"

آپ کی اس تحریر کے متعلق ایک فاضل عزیز سے میری بات ہوئی اور ہم دونوں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کی اوراق گردانی کی اور ہم کو یہ حدیث دستیاب ہوئی۔

یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ صِلَۃٌ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ بِشَفَاعَتِہٖ کَذَا وَکَذَا۔

(ترجمہ) میری اُمت میں ایک شخص ہو گا اور اس کو صِلہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے اتنے اتنے جنت میں داخل ہوں گے۔

---

[1] دفتر اول کا مکتوب ۲۳۴

میں نے اس فاضل عزیز سے کہا۔ کیا اس حدیث شریف سے آپ کی طرف اشارہ نہیں ہو رہا ہے۔ اس نے کہا اشارہ کا احتمال ہے[1]

اس حدیث شریف کو محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے۔ اس کی روایت اس طرح ہے۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ جَابِرٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ صِلَةٌ يَدْخُلُ بِشَفَاعَتِهٖ الْجَنَّةَ كَذَا وَكَذَا[2]

فرق صرف بِشَفَاعَتِهٖ اور اَلْجَنَّةَ کی تقدیم و تاخیر کا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے رسالہ "در دفعِ اعتراضات" کے آخیر میں ایک علمی مضمون لکھا ہے میں بہ صُورتِ اختصار اس کو لکھتا ہوں کیونکہ اس مَبحث سے اس کا تعلق ہے۔ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِکتِسابِ کمالات کے اِنتِساب کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کی اُمت کا ولی کسی غرض کو عُرُوض میں سے یا کسی صِفَتِ اضافی کو صفاتِ اضافیہ میں سے آپ کی اُمت تک پہنچانے کا واسطہ بنا ہے، وہ اوروں کو اپنی باطنی تہذیب سے فائدہ پہنچا رہا ہے اور باطنی تہذیب نام ہے تزکیۂ لطائف و حصُولِ ملکۂ یادداشت و حضورِ دائمی و نسبتِ بیرنگی کا۔

یہ بات مثلِ آفتاب کے روشن ہے کہ یہ کام حضرت مجددؒ نے خوب کیا ہے۔ بُخارا، سَمرقند، بَلخ، بَدخشَاں، قَندھار، کابُل، غَزنی، تاشکند، یارکند، شہرِ سبز، حِصارِ شادمان، اہلِ اسلام کے گڑھ ہیں، وہاں نہ ہنود ہیں نہ نصاریٰ نہ روافض، اِن مقامات میں صرف آپ ہی کا طریقہ رائج ہے شاید ہی کسی دوسرے طریقہ سے کوئی وابستہ ہو۔

اور یہ بات بھی خوب ظاہر ہے کہ ملحدوں، رافضیوں، غالی توحیدیوں، اہلِ طرق کے بدعتیوں اور شرکِ خفی و جلی کے معتقدوں کے تمام شبہات آپ کی مبارک ذات کی برکت سے بالکل دُور ہو گئے اور آپ کے متبعین اللہ کے فضل سے اتباعِ سنّت میں سرگرم اور اجتناب از بدعت میں پیش قدم ہیں۔ آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھ کو اُس حکیم نے نائب بنا کر بھیجا ہے۔ اور وہ لوگوں کا علاج کرے اور لوگوں کو فائدہ ہو۔ اب اگر حضرت مجددؒ کے متعلق حَکیمِ مُطلق جلّ شانہٗ کی سَند درکار ہے تو وہ بھی موجود ہے۔ جمع الجوامع میں سیوطی نے یہ حدیث لکھی ہے۔ (شاہ عبدالعزیزؒ نے فوق الذکر حدیث نقل کی ہے) اور حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنِيْ صِلَةً بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ وَمُصْلِحًا بَيْنَ الْفِئَتَيْنِ اور آپ کو بشارت ملی کہ قیامت کے دن تمہاری شفاعت

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۴ و ۲۸۵ [2] طبقاتِ کبریٰ، جلد سات صفحہ ۱۴۳۔ اور اس حدیث کو حلیۃ الاولیا سے علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ کی تیسری جلد صفحہ ۵۲۵ میں اور علامہ علی المتقی نے کنزالعمال کی جلد سات صفحہ ۱۳۱ میں نقل کیا ہے۔ حضرت مجددؒ پر جو کشف ہوا اس کی تائید حدیث شریف سے ہوئی ہے اب چاہے وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، اعظم سعادات ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

سے ہزاروں افراد بخشے جائیں گے۔ آپ کی اِس تحریر پر اور آپ کے مُبَشَّر ہونے پر حدیثِ صِلَہ پوری طرح صادق آرہی ہے۔ ہزار سال کے دَوْرے میں صِلَہ کا لقب کسی دوسرے شخص کو نہیں ملا ہے اور آپ کے اِس استنباط کی تائید نَقْلِیّات اور کَشْفِیّات سے بھی ہو رہی ہے۔ حضرت مجدد نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔ شکر کا قبول کرنے والا وہی ہے وہ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو) اور وعدۂ الٰہی کے بموجب آپ کی دعا جو شکرِ الٰہی ہے مقبول ہے۔ از قبولِ کسان دیگر کارے نیست۔

إِذَا رَضِيَتْ عَنِّيْ كِرَامُ عَشِيْرَتِيْ   فَلَا زَالَ غَضْبَانًا عَلَيَّ لِئَامُهَا

(ترجمہ) اگر مجھ سے کرم والے بزرگ لوگ راضی ہو گئے (میرا کام بن گیا اب چاہے) مجھ سے لِئَام (یعنی ذلیل لوگ) ہمیشہ ناراض ہی رہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ کو اسی شعر پر تمام کیا ہے۔ آپ نے یہ شعر لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہلِ فضل اور اصحابِ کمال حضرت مجدد کے مدّاح ہیں۔ جاہل اور گم کردہ راہ جو چاہیں سو کہیں۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَرَضِيَ عَنْهُ۔

شواہدِ تجدید

ارشادِ نبوی عَلٰى صَاحِبِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ہے۔ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ۔ "اپنے اموات کی حَسَنَات بیان کرو" لہٰذا میں حضرت مجدد کی ان حَسَنَات کا ذکر کرتا ہوں جن کا تعلق احیائے دین سے ہے۔

۱- اکبری الحاد کا استیصال

حضرت مجدد نے امرا اور ارکینِ سلطنت کو مکاتیب لکھے۔ اسلام کی زبوں حالی کا بیان اس انداز سے کیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کا درد پیدا ہوا۔ اُدھر اکبر مرا اور جہانگیر بادشاہ ہوا۔ امرا کو موقع ملا کہ بادشاہ کے کان تک کلمۂ اسلام پہنچائیں۔ اسی دوران میں عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ کا ظہور ہوا (شاید تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو) جہانگیر نے حضرت مجدد کو قید کیا اور پھر تین سال دس مہینے نظر بند رکھا جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔ نظر بندی کے زمانہ میں جہانگیر سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ کے نفسِ گرم کی گرمی نے جہانگیر کے دل کو پگھلایا اور اس طرح دینِ مبین میں پھر سے تر و تازگی کے آثار پیدا ہوئے۔ ملحدوں اور گمراہوں کی جمعیت پریشان ہوئی۔ وہ الحاد جس کی سرپرستی ایک عظیم مملکت کا سربراہ کر رہا تھا ایک بوریہ نشین فقیر کے اخلاص اور جدوجہد کی بدولت ایسا نیست و نابود ہوا کہ اس کا نام لیوا تک باقی نہ رہا۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ۔

۲۔ ملحدینِ صوفیہ

یہ وہ لوگ ہیں جو مسندِ شیخی پر بیٹھ گئے تھے اور حضراتِ مشائخ کرام کے اقوال کی غلط اور گمراہ کن تشریح کر کے عوام کو گمراہ کر رہے تھے آپ نے ان کے رد میں پُرزور مکاتیب لکھے اور واضح کیا کہ یہ گمراہ حضراتِ مشائخ کے اقوال کو طائفۂ باطنیہ (شیعوں کا ایک فرقہ) اور ملحد فلاسفہ کے طریقہ پر بیان کر رہے ہیں اور آپ نے اُن کی تشریحات کی قباحت و وقاحت کا بیان کیا۔

۳۔ بیباک علماء

آپ نے بیباک علماء کو دین کا ڈاکو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں وہ بمنزلہ سنگِ پارس ہیں کہ وہ خود پتھر ہی رہتا ہے اور لوہا تانبا اس سے رگڑ کھا کر سونا بن جاتا ہے، ان کے وعظ سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن وہ خود بے بہرہ ہیں بلکہ ان کے واسطے ان کا علم قیامت میں حجت بنے گا۔

۴۔ جاہل صوفیوں کو تاکید

آپ نے جاہل صوفیوں کو تاکید کی کہ وہ شریعت کی پیروی کریں۔ قیامت میں شریعت کے متعلق پوچھ تاچھ ہوگی نہ طریقت سے۔ شریعت کا ثبوت وحی سے ہوا ہے جو قطعی اور یقینی ہے اور طریقت کا ثبوت اِلہام سے ہے جو ظنّی ہے۔ قطعی کے مقابلہ میں ظنّی کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ تُرّہاتِ مشائخ پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔[1] اور آپ نے تحریر فرمایا ہے "زنہار بہ توسطِ روحانیاتِ مشائخ وامدادِ اتِ ایشان مغرور نہ شوید"[2] مشائخ کی روحانیات اور اُن کی اِمدادات پر ہرگز مغرور نہ ہو" آپ فرماتے ہیں۔ تمام مشائخ کے اقوال اور اعمال کو سردارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال پر جانچو، مطابق پاؤ تو فَبِھَا وَنِعْمَ، ورنہ ان کی تاویلِ حسن کرو کیونکہ اُن بزرگواروں سے یہ اقوال و اعمال اس وقت ظاہر ہوئے ہیں جب وہ مقامِ قلب میں تھے یعنی جبکہ ان کی ولایت اعلیٰ تر مقامات تک نہیں پہنچی تھی اور اُن پر سُکر کا غلبہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ عوام النّاس اولیاء اللہ کے اُن اوصاف و اخلاق کے گرویدہ بنتے ہیں جو اُن کے اوصاف و اخلاق سے الگ ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت شیخ فرید شکر گنج کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کو اپنی کسی اولاد کے مرنے کی خبر دی جاتی تھی تو اُن پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور وہ فرماتے تھے "سگ بچہ مردہ است بیروں برتابید" "سگ بچہ مرا ہے باہر پھینک دو" اب خیال کرو کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے کی وفات پر اشک ریز ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ "اے ابراہیم تمہارے فراق سے یقیناً ہم محزون ہیں" لیکن عوام کالانعام کے نزدیک حضرت شکر گنج کا معاملہ بہتر ہے کیونکہ اس سے بے تعلقی کا اظہار ہو رہا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ مُعْتَقَدَاتِھِمُ السُّوْءِ۔ "اللہ اُن کے بُرے معتقدات سے ہم کو بچائے"[3]

۵۔ افراطِ عقیدت

آپ نے لکھا ہے یہ بات متحقق ہے کہ حضرت عبد القادر جیلانی نے فرمایا کہ میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر ہے اور آپ کے اس قول کا تعلق آپ

---

[1] مکتوب ۲۷۲ دفتر اول [2] مکتوب ۱۴۸ دفتر اول [3] مکتوب ۲۷۲ دفتر اول۔

کے زمانے کے اولیا سے ہے لیکن آپ کے اتباع اور مریدین آپ کے حق میں بہت غُلو کرتے ہیں اور اُن کی افراطِ محبت شیعانِ علی کی افراطِ محبت کی طرح ہے وہ حضرت شیخ کے قدم کو تمام اولیا کی گردن پر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہ اللہ کے اولیا ہیں اور وہ سب بالیقین حضرت شیخ سے افضل ہیں۔ حضرت مہدی کا ظہور آپ کے بعد ہے۔ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے اور ان کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے اور یہی کیفیت اصحابِ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہے (آپ کے نزول کے بعد جو لوگ آپ کا ساتھ دیں گے)۔

حضرت شیخ کے اتباع کثرتِ خوارق کو افضلیت کی دلیل قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ درست نہیں۔ ... شیخ الشیوخ نے عوارف میں لکھا ہے۔ بعض کم رُتبہ افراد سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے اور ان سے بلند مراتب والوں سے نہیں ہوتا۔ خوارق کا ظہور برائے تقویتِ یقین ہے۔ جس کو خالص یقین مل چکا ہے اس کو تقویت کی کیا ضرورت ہے۔ مدارِ کار یہ ہے کہ تجوہر ذکر قلب میں ہوجائے یعنی ذکر شریف ملکۂ قلب ہوجائے اور ذکرِ ذاتِ تعالیٰ و تقدس کا غلبہ ہو۔ دیگر ہیچ۔

حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ خوارق دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم کا تعلق اُن علوم و معارف و اسرار سے ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہے۔ اس قسم کا تعلق اولیا اللہ سے ہے اور دوسری قسم کا تعلق کشفِ صُور اور اخبارِ مُغیبات سے ہے، جس کو کرامت کہا جاتا ہے اور عوام میں اس کا اعتبار ہے۔ یہ قسم اولیا اللہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اہلِ استدراج سے بھی اس کا ظہور ہوتا ہے۔[1]

۶۔ کثرت و قلّتِ خوارق

اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور ہوا ہے لیکن جس کثرت سے حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے کرامات و خوارق کا اظہار ہوا ہے کسی دوسرے ولی سے نہیں ہوا ہے حالانکہ آپ کی ولایت سے بہت عظیم تر ولایت حضراتِ صحابہؓ، حضرات حسنین اور حضرات ائمہ تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہے۔ اِس معمّہ کا حل حضرت مجدد قدس سرہ نے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولایت کا تعلق تقرب الی اللہ اور عروج سے ہے۔ جتنا عُروج زیادہ ہوگا، اللہ سے تقرب بیشتر ہوگا۔ اور اظہار کرامت اور خوارق کا تعلق نزول سے ہے۔ مقام قلب سے عروج کی ابتدا ہوتی ہے۔ حضرت عبدالقادر کا عروج اکثر اولیائے اُمّت سے بلند تر واقع ہوا ہے اور آپ کا نزول مقامِ روح تک ہوا ہے جو کہ عالمِ اسباب سے ایک درجہ بالاتر ہے۔ نزول جتنا پائیں تر ہوگا اتنا ہی عالمِ اسباب سے تعلق بیشتر ہوگا۔ شیخ الاسلام پیرِ ہرات نے جو کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کے خلیفہ تھے ایک شخص سے فرمایا کہ اگر اس وقت خرّقانی اور محمد قصّاب آملی ہوتے تو میں تم کو آملی کے پاس بھیجتا۔ تمہارے واسطے اُن کی صحبت مفید تر واقع ہوتی۔ حضرت خرّقانی اگرچہ منتہی تھے

---

[1] مکتوب ۲۹۳ دفتر اول۔

لیکن ان کا نزول پائیں تر نہ تھا۔ بنا بریں عالمِ اسباب سے ان کا تعلق کم تھا۔ ان کی صحبت مبتدی کے واسطے سودمند نہ تھی۔

حضرت مجدد نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرت حسن بصری دریا کنارے کشتی کے انتظار میں کھڑے تھے اس دوران میں حضرت حبیب عجمی آئے اور آپ سے توقف کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حضرت حبیب نے فرمایا کشتی کی کیا ضرورت ہے، کیا آپ یقین نہیں رکھتے۔ حضرت حسن نے فرمایا کیا آپ علم نہیں رکھتے۔ حضرت حبیب بغیر کشتی کے دریا پر سے گزرے لیکن حضرت حسن کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے کیونکہ آپ کا نزول عالمِ اسباب تک ہوا تھا اور آپ بہ اعانتِ اسباب کام کرتے تھے۔ بہ خلاف حضرت حبیب کے کہ اُن کا نزول عالمِ اسباب سے بالاتر رہا تھا لہٰذا اسباب پر اُن کی نظر نہ تھی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد پر ایسی حقیقت کا انکشاف کیا جس کا اظہار کوئی نہ کر سکا تھا۔ عوام کالانعام اور ناتمام صوفی خوارق و کرامات کو اصل کار سمجھ بیٹھے ہیں، وہ ایسے اَوراد و وظائف پڑھتے ہیں کہ ان پر کشفِ مُغیبات ہو اور وہ اسباب و وسائل سے بے نیاز ہو جائیں۔ حالانکہ اصلِ کار یہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد نے اپنے مکاتیب میں تحریر فرمایا ہے کہ ساحتِ سینہ تمام مُرادات سے خالی ہونا چاہیئے صرف اللہ تعالیٰ کی طلب رہنی چاہیئے۔ ع در تو یک یک آرزو ابلیسِ تُست ؛ میری نظر میں حضرت مجدد کا یہ کارنامہ آپ کے تجدیدی کارناموں میں نمایاں مقام رکھتا ہے، شوقِ کرامات رہبانیت اور یوگیت کی طرف لوگوں کو لے جا رہا تھا۔ حالانکہ اصلی کار رسُوخِ ذکر اللہ ہے بہ نوعے کہ اگر غفلت کو لانے کی بھی کوشش کیجائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ لائی جا سکے۔

۷۔ رہبانیّت اور یوگیّت

رہبانیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (ترجمہ) اور ایک دنیا چھوڑنا انھوں نے نیا نکالا، ہم نے اُن پر نہ لکھا تھا مگر چاہنے کو رضامندی اللہ کی، پھر نہ نباہا اس کو جیسا چاہیئے نباہنا، پھر دیا ہم نے اُن کو جو اُن میں ایمان لائے اُن کا نیگ اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین لاؤ اُس کے رسول پر، دیوے تم کو دو حصے اپنی مہر سے اور رکھدے تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔" حضرت شاہ عبد القادر نے موضح قرآن میں یہ فائدہ لکھا ہے۔ "یعنی اس رسول کے تابع ہو کر یہ نعمتیں پاؤ، اوروں سے دُونا ثواب ہے ہر عمل کا اور روشنی لئے پھرو یعنی اپنا وجود نورانی ہو جائے۔"

---

[1] دفتر اول کے مکتوب ۲۱۶ کو ملاحظہ کریں میں نے خلاصہ لکھا ہے۔

سبحان اللہ کیا عظیم نعمت ہے۔

سید محمود آلوسی نے اس آیتِ مبارکہ کے بیان میں ابوداؤد، ابویعلیٰ، اور ضیا کی یہ روایت لکھی ہے۔
عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدَّدُ عَلَیْکُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ فَشُدِّدَ عَلَیْہِمْ فَتِلْکَ بَقَایَاھُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارَاتِ [1]

(ترجمہ) حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سختی نہ کرو اپنے اوپر کہ سختی کی جائے تم پر، کیونکہ ایک گروہ نے اپنے اوپر سختی کی تو اُن پر سختی کی گئی اور اُن کے بقایا وہ ہیں جو کنیسوں اور دیروں میں موجود ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ بَیْنَ السَّارِیَتَیْنِ فَقَالَ مَا ھٰذَا الْحَبْلُ قَالُوْا ھٰذَا حَبْلٌ لِزَیْنَبَ فَاِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا، حُلُّوْہُ، لِیُصَلِّ اَحَدُکُمْ نَشَاطَہٗ فَاِذَا فَتَرَ فَلْیَقْعُدْ [2]

(ترجمہ) حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) داخل ہوئے۔ آپ نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسّی تنی ہوئی دیکھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی ہے۔ (صحابہ نے) کہا یہ رسّی زینب کی ہے، وہ جب تھک جاتی ہیں تو اس کو پکڑ لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، اس کو کھول دو، تم میں سے جو بھی نماز پڑھے نشاط سے پڑھے اور جب تھک جائے تو بیٹھ جائے۔"

ابنِ حجر عسقلانی نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام مسلم نے جو روایت اپنی صحیح میں کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تھے اور مسجد کے ستونوں میں سے دو ستونوں میں رسّی تنی ہوئی تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ بیٹھنے سے مُراد بیٹھ کر نماز پڑھنی بھی ہوسکتی ہے اور نماز کو ختم کر دینا بھی ہوسکتا ہے۔ [2]

اور بخاری یہ روایت کرتے ہیں۔ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَتْ عِنْدِیْ اِمْرَاَۃٌ مِنْ بَنِیْ اَسَدٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ ھٰذِہٖ، قُلْتُ فُلَانَۃٌ لَا تَنَامُ اللَّیْلَ تُذْکَرُ مِنْ صَلَاتِہَا فَقَالَ مَہْ، عَلَیْکُمْ مَا تُطِیْقُوْنَ مِنَ الْاَعْمَالِ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا۔ [3]

(ترجمہ) حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میرے پاس قبیلۂ بنی اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اس عورت کے متعلق استفسار کیا کہ یہ کون ہے۔ میں نے کہا کہ یہ وہ عورت ہے جو رات بھر نہیں سوتی اور اس کی نماز کا چرچا کیا جاتا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا نہیں، تم اتنا عمل کرو جس کی قوتِ برداشت تم میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا، تم ہی تھک جاؤ گے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا بے نہایت ہے وہ نہیں تھکتا، تم ہی تھک کر بیٹھ رہو گے۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ [2] باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ [3] جلد ۳ صفحہ ۳۰

کو وہ عمل پسند ہے جو ذوق و شوق سے پابندی کے ساتھ ہمیشہ کیا جاسکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیان فرمایا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنُ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ۔ [1]

یعنی دین آسان ہے۔ اس میں سہولت ہے۔ اور جو بھی دین سے مقابلہ کرتا ہے اس پر دین ہی غالب آتا ہے۔ لہٰذا افراط و تفریط سے بچتے ہوئے راہ وَسَط اختیار کرنی چاہیے۔ یہی بہتر و اکمل طریقہ ہے۔ اور اگر وہ نہ ہو تو اس کے قریب رہو اور بشارت پاؤ۔ بہتر عمل کی یہ صورت ہے کہ طلوعِ آفتاب سے چاشت کے وقت تک، پھر زوال کے بعد تھوڑی دیر اور رات کے آخری حصہ میں اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کرلیا کرو۔

آیت شریفہ وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا سے ظاہر ہے کہ رہبانیت کا طریقہ خود راہبوں نے اختیار کیا تھا۔ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ راہ و رسم پسند نہ تھی اور آپ نے اس سے رُوکا ہے۔ آپ نے نشاط کے تین اوقات بتائے کہ ان اوقات میں عبادت کرلیا کرو۔ اور بشارت حاصل کرو۔ آپ کی فرماں برداری اور اتباعِ سنّت میں جو اجر و ثواب ہے وہ اپنے اختیار کردہ اعمال میں کہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین لاؤ اس کے رسول پر۔ وہ کرو جو وہ ارشاد کرے۔ اور اس راہ پر چلو جو وہ پسند فرمائے تو اللہ اپنی رحمت سے تم کو دُگنا حصہ دے گا اور تم کو نورِ اتباعِ نبوی عطا کرے گا جو ہر جگہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اللہ تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کریگا۔ اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

میں "اتباعِ سنن و عزائمِ امور" کے بیان میں حضرت مجدد کے بعض ارشادات لکھ چکا ہوں، جیسے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے عمدہ کوئی فضیلت نہیں ہے۔ آپ سے تشبّہ نہایت سعادت ہے چاہے وہ ظاہری تشبّہ ہو۔ ایک مبارک سنّت کی ناتمام پیروی اس ہزار شب بیداری سے بڑھ کر ہے جو اپنے طور پر کی جائے۔" اور جیسے "بدعات اور فجور کی ظلمت و تاریکی نے دنیا کو گھیر لیا ہے۔ اس اندھیرے میں چراغِ سنّتِ نبوی ہی کی روشنی سے دیکھا جاسکتا ہے۔"

تعجب ہے کہ اس حقیقتِ ثابتہ کے ہوتے ہوئے بعض حضراتِ مشائخ نے ایسے چلّوں اور ریاضتوں کو اختیار کیا ہے جو طریقۂ مبارکہ نورانیہ نبویہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِیَّةُ سے برکنار ہیں

---

[1] باب الدین یسر من کتاب الایمان۔

بلکہ جادۂ بدعتِ رُہبان پر راست آتے ہیں۔

اس سلسلہ میں میرا یہ خیال ہے کہ حضرات مشائخ کرام قدس اللہ اسرارہم تک اجتنابِ تام از بدعت کی احادیثِ مبارکہ نہ پہنچی ہوں گی۔ کیونکہ ان حضرات کے زمانے میں احادیث کی کتابیں بہت کمیاب تھیں۔ ان حضرات نے جو کچھ کیا ہے اِبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللہِ کے تحت کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے۔

اگر معاملہ صرف رہبانیت تک محدود رہتا۔ مسئلہ آہون ہوتا کیوں کہ رہبانیت کو نہ کسی خاص عقیدے سے تعلق ہے اور نہ کسی فلسفہ سے بلکہ ریاضت و مجاہدے کی ایک صورت اور نوعیت ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طریقہ پسند نہ تھا اور آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بنابریں ہمارے لئے اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ نہ ہم دُگنا ثواب حاصل کرسکتے ہیں اور نہ نورِ سنّتِ نبوی پاسکتے ہیں۔ **ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔**

قاعدہ کی بات یہ ہے کہ بات میں بات اور کام میں کام نکلتا ہے۔ اگر حضرات مشائخ نے رہبانیت کو اپنایا تھا مَابَعْد کے افراد نے یُوگیّت کی طرف قدم بڑھایا۔ چونکہ یُوگیت کے اعمال کا تعلق ایک خاص فلسفہ سے ہے اِس لئے اُس فلسفہ نے اپنا اثر دکھایا۔ اور باطنیوں اور مُلحدوں کے واسطے طریقت کے ابواب کُھل گئے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد نے محمد غوث گوالیاری کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "شاہ محمد غوث گوالیاری" ہے۔ یہ کتاب کراچی میں چھپی ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب ایک شیخِ طریقت کے حال میں لکھی گئی ہے لیکن ساری کتاب میں "قَالَ اللہُ تَعَالیٰ" اور "قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وسلم" سے بحث نہیں ہے، البتہ یہ ملتا ہے کہ آپ نے تیرہ سال سات ماہ کوہستانِ چنار میں ریاضت کی[1] اور شیر شاہ سوری کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے بھانجے باختر جنگ کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر شیخ محمد غوث کا سر قلم کرنے کے واسطے بھیجا۔ آپ کو جب خبر ہوئی، جلال آیا اور فرمایا: "مرتیغ تو کجائی تا کارِ خود نمائی"۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ بارہ ہزار سر بُریدہ میدانِ جنگ میں پڑے ہوئے تھے۔[2] اور اس کتاب میں شیخ محمد غوث کی ریاضت کے سلسلہ میں کسی غار کا ذکر آیا ہے۔ غار کیا ہے قِصَّۃُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَھَا کی یاد دلاتا ہے۔ شیخ محمد غوث اور ان کے بھائی شیخ پھول اور شیخ فضل اللہ بنگالی کا واقعہ محمد غوث گوالیاری کی زبانی لکھا ہے۔ اس میں یہ حصہ بھی ہے۔

"ہم تینوں آدمیوں نے تلاش کے واسطے اس غار میں قدم رکھا۔ جب ہم دو منزل کے برابر راہ چل لئے تو وہاں پر ہم نے ایک پیر کو مراقب دیکھا"۔[3]

---

[1] صفحہ ۴۴ [2] صفحہ ۵۸ [3] صفحہ ۶۔

اس کتاب میں شیخ محمد غوث کی سات تالیفات کا ذکر ہے۔ ان میں چوتھی کا نام "بحر الحیات" ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے اور اس کتاب کے متعلق محمد غوثی کی کتاب "گلزارِ ابرار" سے درج ذیل عبارت لکھی ہے۔

"جوگیوں اور سنیاسیوں کی دو جماعتیں ہنود کے ریاضتمندوں، گوشہ نشینوں اور رہبانوں کی سرگروہ ہیں اور انھیں اشغال واذکار کی برکات سے استدراج اور خرق عادات کے درجہ کو پہنچ کر سائلوں کے ضمیروں کی چیستان پر اطلاع حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے (محمد غوث گوالیاری نے) ان تمام معانی کو سنسکرت عبارت سے جو کتبِ ہنود کی زبان ہے اخذ کر کے فارسی لباس پہنایا ہے۔ اس کتاب کے مفہومات سے زنار توڑ کر بجائے اُس کے توحید اور اسلام کی تسبیح گردن میں ڈالدی ہے۔ نیز حقیقی ایمان کی قوت سے ان مفہومات کو تقلید کی قید سے نکال کر صاحبِ تحقیق صوفیوں کے اذکار و اشغال سے تطبیق دی ہے۔" لہ

اس عبارت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یوگیت کے جراثیم کس حد تک شامل ہو گئے تھے۔ جوگیوں اور سنیاسیوں کے منتروں میں محمد غوثی کو برکات معلوم ہو رہے ہیں۔ مشکات کے باب الاعتصام بالکتاب والسُّنّۃ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کہ ہم یہودیوں کی باتیں سنتے ہیں اور وہ ہم کو اچھی لگتی ہیں، کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم ان کی باتیں لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بھی حیرت زدہ ہو گئے ہو جس طرح پر یہود و نصاریٰ حیرت زدہ ہو گئے ہیں۔ یقیناً میں تمہارے پاس ایسی صاف و روشن شریعت لایا ہوں کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے اسی کی پیروی اور اتباع کرتے۔"

اور اسی باب میں یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر ایک نسخہ توراۃ کا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ یہ توراۃ کا نسخہ ہے اور پھر انھوں نے توراۃ پڑھنی شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوا۔ حضرت ابو بکر موجود تھے۔ انھوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو حضرت عمر سے کہا ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ یعنی یہ کیا غضب ڈھا رہے ہو کیا تم اس تغیر کو نہیں دیکھ رہے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ظاہر ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے آپ کے چہرے کو دیکھا اور کہا۔ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ میں اللہ سے پناہ لیتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے، میں راضی ہوں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نبی ہونے پر۔ اس وقت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر ظاہر ہو جائیں تمہارے واسطے موسیٰ اور تم اُن کی پیروی

لہ صفحہ ۱۲۲

کرلو اور تم مجھ کو چھوڑ دو، یقیناً تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر موسیٰ زندہ رہتے اور میری نبوت پالیتے یقیناً میری پیروی کرتے۔"

اصحابِ قلوبِ مُطْمَئِنَّہ کے لئے اسرائیلیات اور یوگیوں کے اعمال میں نہ کوئی خوبی ہے نہ نورانیت، متحیرین جو چاہے سو کہیں "بحر الحیات" کے متعلق شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے۔

"شیخ محمد غوث گوالیاری نے "بحر الحیات" میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار و اشغال، کو فارسی میں منتقل کیا اور اپنی ابتدائی تصنیف "جواہرِ خمسہ" میں بھی ان کی ایک آدھ جھلک دکھائی، اس سے شطاریہ طریقہ کے اس ارتباط پر روشنی پڑتی ہے جو اس کا ہندو یوگ سے تھا۔[1]

سید صباح الدین عبد الرحمٰن نے دارا شکوہ کے متعلق لکھا ہے۔

"جب دارا شکوہ نے "مجمع البحرین" لکھی تو علماء کے حلقہ میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندوستان کے موحدوں کے اشغال کی یوں تو بہت سی قسمیں ہیں لیکن بہترین شغل اچھا ہے۔"

اور لکھا ہے۔" وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اُس کی تسلی قرآنِ پاک سے بھی نہ ہوسکی کیونکہ اس کی اکثر باتیں رمز کی ہیں، آخر اس کو توحید کی تمام باتیں اپنشد میں مل گئیں جس سے پچاس ابواب کا ترجمہ اس نے فارسی میں کرکے عام کیا۔[2]

اگر محمد غوثی اور ان کے مرشد محمد غوث گوالیاری کو یوگیوں کے اشغال و اذکار میں برکات نظر آرہی ہیں تو دارا شکوہ کے واسطے اسبابِ تسلیہ کیوں نہ ہوں۔ اِلَی اللّٰہِ الْمَفْزَعُ وَاِلَیْہِ الْمُشْتَکیٰ۔

ابنِ کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۷۵ میں واقعۂ بدر کے متعلق امام احمد کی روایت کردہ یہ حدیث لکھی ہے۔

"حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب پر نظر ڈالی جو تین سو اور کچھ تھے پھر آپ نے مشرکین کی طرف نظر اٹھائی جو ایک ہزار اور اس سے زیادہ تھے۔ اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِزار اور رِدا میں تھے۔ آپ نے قبلہ کی طرف منھ کرکے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكْ ھٰذِہِ الْعِصَابَةُ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ فَلَا تُعْبَدُ بَعْدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ اے اللہ، تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے اس کو پورا کردے۔ اے اللہ اگر یہ جماعت اہلِ اسلام کی ہلاک کردی گئی تو پھر تیری عبادت زمین پر کبھی نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مناجات میں مصروف رہے اور آپ کی مبارک رِدا گر گئی۔ اس وقت حضرت ابوبکر حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کی ردا کو درست کیا اور از جانب پشت آپ سے چمٹ گئے اور عرض کی۔ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ فَاِنَّهٗ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ

---

[1] رود کوثر صفحہ ۴۰ [2] ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸

بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ یعنی کفایت کرتی ہے آپ کو آپ کی فریاد اپنے پروردگار سے۔ جو وعدہ اس نے آپ سے کیا ہے یقیناً وہ اس کو پورا کرے گا۔ اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی "جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے جن کے پیچھے لگے آویں اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تا چین پکڑیں دل تمہارے اور مدد نہیں مگر اللہ سے اللہ زور آور ہے حکمت والا۔"

نہایت ہی نازک موقع پر سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے طلب کی، کسی غیر کی طرف آپ نے التفات نہ کی۔ شیخ گوالیاری جیسا کہ اُن کے تذکرہ نگار لکھ رہے ہیں اپنے اُن موکلوں کو یاد کر رہے ہیں جن کو مطیع کرنے کے واسطے تیرہ سال سات ماہ سنیاسیوں کی شکل و صورت بنائے رہے۔[1] اُن کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں "حضرت شیخ محمد غوث کو اچانک جلال آیا اور آپ نے فرمایا "مریخ تو کجائی تا کارِ خود نمائی" مریخ تو کہاں ہے تاکہ اپنا کارنامہ دکھائے۔ آپ کے فرماتے ہی ایک تلوار نمودار ہوئی اور مغرب تک چمکتی چلی گئی۔"[2]

پروردگار جل شانہٗ کا ارشاد وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ مدد نہیں مگر اللہ سے اور یہاں مریخ کو دہائی دی جا رہی ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے ان تمام خرافات و کفریات کا خاتمہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں "اسبابِ نامشروعہ اور غیر مسنون طریقوں سے جو احوال و مواجید ظاہر ہوتے ہیں وہ سب از قسمِ استدراج ہیں۔ حکمائے یونان و جوگیہ اور ہندو براہمہ اس معنی میں شریک ہیں۔[3]

۸۔ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود

اس سلسلہ میں شیخ اکبر اور حضرت مجدد کے کشوفات بیان کئے جا چکے ہیں حضرت مجدد نے ملحدین کے واسطے راستہ بند کر دیا اور فرمادیا۔ جو وحدت اہلِ توحید کو فنائیت میں نظر آتی ہے وہ ایک حال ہے اور اس سے بالاتر صحو و آگاہی کا مقام ہے جہاں پر اسرار مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ کا اظہار ہوتا ہے۔

کہاں مُشتِ خاکِ وَضِیعِ ذَلِیل   کہاں بارگاہِ رَفِیعِ وَجَلِیل

اور سالک کی زبان پر سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ جاری ہوتا ہے یعنی تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

۹۔ طریقت و حقیقت خادمانِ شریعت

اللہ تعالیٰ حکیمِ مطلق ہے اس نے حضرت مجدد کو حکمت و بصیرتِ تامہ عنایت کی۔

---

[1] فقیر منزل بڑہ حضرت جی، زیر قلعہ گوالیار میں حضرت جی محمد غنی اور ان کے صاحبزادے محمد رضا کے پاس شیخ محمد غوث گوالیاری کی قدیمی ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر تھی جس میں اُن کو ریش، بروت صاف کردہ، لنگوٹی باندھے عبادت کرتے دکھایا ہے۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو میں نے یہ تصویر گوالیار میں دیکھی تھی۔ اور متحیر رہ گیا تھا۔ لِلّٰهِ فِيْ عِبَادِهٖ شُئُوْنٌ۔ [2] کتاب شاہ محمد غوث گوالیاری صفحہ ۵۸۔

[3] دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ کو ملاحظہ کیا جائے۔

آپ پر پوری طرح انکشاف ہوا کہ اہلِ زیغ اور جن کے دلوں میں مرض ہے طریقت وحقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ حقیقت کے نام پر گمراہی کو اور باطنیوں کے مسلک کو رائج کر رہے ہیں۔ آپ نے ان سب مفاسد کا ایسا سدِباب کیا کہ کسی کو جائے دم زدن نہ رہی۔ اس سلسلہ میں آپ نے لکھا ہے۔

"مخدوما! منازلِ سلوک طے کرنے اور مقاماتِ جذب قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حاصل اور مقصد تمام سیر وسلوک کا یہ ہے کہ مقامِ اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ تمام آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے۔ شریعت کے تین اجزا ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص، طریقت اور حقیقت اخلاص کے خادم ہیں (یعنی طریقت وحقیقت کے جتنے منازل طے ہونگے اسی قدر اخلاص میں قدم راسخ تر ہوتا جائے گا) میں نے جو بات کہی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن ہر شخص کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے اور وہ خواب وخیال میں گرفتار ہے وہ اخروٹ اور کشمش جیسی معمولی اشیاء پر اکتفا کئے ہوئے ہے نہ وہ شریعت کے کمالات کو سمجھا ہے اور نہ طریقت وحقیقت کی تہ تک پہنچا ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ شریعت چھلکا ہے اور حقیقت گودا۔ اس کو اصلِ کار کی خبر نہیں ہے۔ وہ صوفیہ کی لایعنی باتوں پر فریفتہ اور احوال ومقامات پر مفتون ہو گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ سیدھی راہ پر لگائے اور اللہ کا سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر ہو"۔ [1]

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

"ضرورت دو باتوں کی ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ رہے اور اُن اعمال کو بروئے کار لایا جائے جن کا تعلق بدن سے ہے اور شریعت نے ان کا حکم دیا ہے۔ جو شخص بغیر اعمالِ بدنیہ کے قلب کی سلامتی کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ غلط ہے جس طرح دنیوی زندگی میں بغیر جسم کے روح نہیں ہوتی بلکہ اس کا خیال تک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح احوالِ قلبیہ کا ظہور بغیر بدنی اعمال کے محال ہے۔ اس زمانہ کے اکثر ملحد اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں اُن کے بُرے عقائد سے بچائے"۔ [2]

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت سید البشر کی حرمت سے جو زیغ بصر سے محفوظ تھے، ہم کو ماسویٰ کی طرف التفات کرنے سے بچا کر اور خود اپنے سے چھڑا کر شاہ راہِ شریعت پر استقامت عطا فرمائے۔ ع

"از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است"۔ جو کچھ ہو رہا ہے محبوب کا ذکر اس سے بہتر ہے۔

مقصد سنو، شریعت اور حقیقت فی الواقع ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ان میں کوئی مغایرت نہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف۔ اجمال وتفصیل، کشف واستدلال، غیبت وشہادت، تعمل اور عدمِ تعمل

---

[1] مکتوب ۴۰ دفتر اول [2] مکتوب ۳۹ دفتر اول۔

کا ہے۔ جو احکام اور جو علومِ شریعت سے ظاہری طور پر معلوم ہوئے ہیں وہی احکام و علوم جب حق الیقین کی حقیقت سے متحقق ہو کر تفصیل کے ساتھ منکشف ہوتے اور غیبت سے شہادت میں آتے ہیں، اُس وقت کسب اور عمل کی تکلیف باقی نہیں رہتی حق الیقین کی حقیقت کے مقام تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اس مقام کے علوم و معارف کا پورا تطابق شریعت کے علوم و معارف سے ہو جائے۔ اگر بال برابر بھی فرق باقی رہے تو حقیقت الحقائق یعنی اصل تہ تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے۔ حضرات مشائخ میں سے جس نے بھی علم و عمل میں شریعت سے اختلاف کیا ہے سُکر و مدہوشی کی وجہ سے کیا ہے جو راہِ سلوک میں پیش آتی ہے۔ اور وہ افراد جو انتہا کو پہنچ گئے ہیں وہ ہر وقت ہوش میں رہتے ہیں۔ وقت اُن کا مغلوب ہے اور حال و مقام اُن کے کمال کا پیرو اور مطیع۔

جب معاملہ کی حقیقت یہ ہوئی جو میں نے بیان کی ہے تو اس صورت میں ان افراد کی بے استقامتی ظاہر ہے جنھوں نے شریعت کو چھلکا اور حقیقت کو گودا قرار دیا ہے۔ اب اگر چھلکے اور گودے سے ان کی مُراد تفصیل و اجمال ہے تو پھر بات اور ہے کیونکہ اجمال خلاصہ ہے تفصیل کا اور اس طرح اسکو گودا کہہ دیا گیا۔ مع ہٰذا وہ اکابر جن کے احوال مستقیم ہو چکے ہیں وہ ایسی بات نہیں کہتے جو غلط فہمی میں ڈالے، بلکہ وہ شریعت و طریقت کے فرق کو اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف سے بیان کرتے ہیں حضرت خواجہ نقشبند سے کسی نے سیر و سلوک کا مقصد دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ جو معرفت اجمالی اور استدلالی ہے وہ تفصیلی اور کشفی ہو جائے۔ [1]

اور آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

شریعت کے تین اجزا علم و عمل و اخلاص ہیں۔ جب تک ان اجزا کا تحقق نہ ہو شریعت متحقق نہیں۔ شریعت کے متحقق ہونے سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے جو کہ دنیوی اور اُخروی سعادتوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور رضامندی اللہ کی سب سے بڑی ہے۔ تمام سعادتوں کی متکفل چاہے وہ دنیوی ہوں یا اخروی، شریعت ہے۔ لہٰذا ہم کو غرض شریعت ہی سے ہے کسی اور شے سے نہیں۔

صوفیہ کا امتیاز طریقت اور حقیقت سے ہے اور یہ دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ ان کا کام شریعت کے تیسرے جز کی جو اخلاص ہے خدمت کرنی ہے۔ اور طریقت و حقیقت کو حاصل کرنے کا مقصد شریعت کی تکمیل کے سوا اور کچھ نہیں۔ صوفیہ کو اثنائے راہ میں جو احوال و مواجید اور علوم و معارف پیش آتے ہیں وہ مقصود اور مطلوب نہیں ہیں بلکہ وہ اوہام و خیالات ہیں جن سے اطفالِ طریقت کو خوش کیا جاتا ہے اور اس طرح مبتدیوں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اِن تمام

---

[1] مکتوب ۸۴ دفتر اول

احوال و مواجید سے گزر کر رضا کے مقام تک پہنچنا ہوتا ہے جو جذبہ و سلوک کے مقامات میں سب سے آخری مقام ہے۔ تینوں تجلیات کے بعد یعنی تجلّی فعلی، تجلّی صفتی، تجلّی ذاتی اور عارفانہ مشاہدات کے بعد ہزاروں میں سے کسی ایک کی دولتِ اخلاص اور مقامِ رضا تک رسائی ہوتی ہے۔ ناسمجھ افراد احوال اور مواجید کو مقاصد اور مشاہدات و تجلّیات کو مطالب سمجھ بیٹھے ہیں اور وہم و خیال میں پھنس کر شریعت کے کمالات سے محروم رہ گئے ہیں۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔ بھاری پڑتا ہے شریک کرنے والوں کو جس طرف تو بلاتا ہے ان کو، اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لاوے۔" معاملہ یہ ہے کہ اخلاص کے مقام کا حاصل کرنا اور رضا کے مقام تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے اور ان علوم و معارف کے تحقق سے وابستہ ہے اور یہ سب اشیا مقصود تک پہنچنے کے اسباب و وسائل ہیں۔ پورے دس سال کے بعد حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ یہ حقیقت حقیر پر منکشف ہوئی اور شاہدِ شریعت جلوہ گر ہوا۔[1]

حضرت شاہ عبدالقادر نے آیت مندرجۂ بالا کا ترجمہ لکھ کر موضحِ قرآن میں یہ فائدہ لکھا ہے۔ "اصل دین ہمیشہ ایک ہے۔ اس کو قائم کریں گے۔ طریق ہر وقت جدا ٹھہرا دیئے ہیں اللہ نے۔"

عالم چو کتابیست پُر از دانش و داد　　صحاف قضا، جلدِ وے است بدْء و معاد
شیرازہ شریعت و مذاہب اوراق　　اُمت ہمہ شاگرد و پیمبر اُستاد

حضرت مجدد کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نسبتِ غلامی تھی آخر اس نے اپنا اثر دکھایا اور کامل دس سال کے بعد معاملہ کی حقیقت "عین الیقین" ہو کر آپ پر ظاہر ہوئی کہ طریقت و حقیقت جن پر حضرات صوفیہ کو ناز ہے خادمانِ شریعت ہیں۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ "سنتا ہے، اللہ کو ہے بندگی نِری۔" آپ کے اس اعلان نے تمام گمراہیوں کے راستے مسدود کر دیے۔ دینِ مبین تر و تازہ ہوا اور اللہ نے آپ کو خلعتِ تجدید پہنا کر آپ کے سر پر تاجِ صلہ رکھ دیا۔ هَنِيْئًا لَهٗ ثُمَّ هَنِيْئًا لَهٗ۔

سلام از ما رسد ہر دم بہ جانش　　الٰہی از تو رحمت بر روانش
لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ

---

[1] مکتوب ۳۰ دفتر اول

آپ کی مخالفت

حَسَدُوا الْفَتٰی اِذْ لَمْ یَنَالُوْا سَعْیَہٗ فَالْکُلُّ اَعْدَاءٌ لَہٗ وَخُصُوْمٌ

(ترجمہ) جب اس جوانمرد کی مساعی تک کوئی نہ پہنچ سکا تو سب اس کے اعداء اور دشمن ہو گئے۔

حضرت مجددؒ نے فِرَقِ بَاطِلَہ اور اَہْلِ زَیْغ کا رَدّ کیا، علماءِ سُوء کی جاہ پرستی اور دنیا طلبی کا اظہار کیا لہٰذا یہ سب آپ کے مخالف ہو گئے۔ چوں کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے یا جو معارف بیان کئے ہیں وہ زبانِ قلم سے کئے ہیں اور وہ صفحاتِ اَوْرَاق پر ثَبْت ہیں۔ اس لئے آپ کے مخالفوں کے لئے صرف دو صورتیں تھیں، کہ یا تو وہ آپ کی تحریرات کا غلط مفہوم بیان کریں، یا آپ کی تحریرات میں تحریفات کریں، تاکہ پھر آپ پر کفر و زندقہ کا حکم عائد کر کے بدنام کریں اور اس طرح اپنے کو رُسوائی سے بچا سکیں۔ چنانچہ انھوں نے ان دونوں صورتوں سے کام لیا ہے۔

غلط مفہوم کے سلسلہ میں مفتی غلام سرور لاہوری اور شیخ بدرالدین سرہندی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

مفتی غلام سرور کا بیان

نور جہاں کی وجہ سے جہانگیر کے دربار میں رَوَافِض کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تھا اور چونکہ حضرت مجددؒ نے رَوَافِض کے رَدّ میں رسائل لکھے تھے (رسالہ رَدِّ شیعہ اور مکاتیب طَوِیلَہ) اس لئے وہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ انھوں نے آپکے مکاتیب کا غلط مفہوم بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق نے بھی اعتراضات کئے ہیں اور کچھ لکھا ہے۔ درباری علماء نے رافضی امراء کی وجہ سے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا لیکن جہانگیر نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کیا۔"[1]

شیخ بدرالدین کا بیان

جب حضرت مجددؒ کو جہانگیر بادشاہ نے آگرہ طلب کیا تو شاہزادہ شاہجہاں نے جو آپ کا مخلص تھا علّامہ افضل خاں اور مفتی عبدالرحمٰن کو فقہ کی کتابیں دے کر آپ کے پاس بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ "آپ بادشاہ کو سجدۂ تحیت کر لیں۔ میں اس صورت میں ضامن ہوتا ہوں کہ بادشاہ سے آپ کو تکلیف نہ پہنچے گی۔" آپ نے علماء سے فرمایا۔ یہ رُخصت ہے یعنی جان بچانے کے لئے جواز کی صورت، عزیمت یعنی اصل کار یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے چنانچہ جب

---

[1] خزینۃ الاصفیا کے صفحہ ۵۷۸ سے ۵۸۰ تک ملاحظہ کریں۔

آپ بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے تو بادشاہ نے آپ سے کہا "تم نے لکھا ہے کہ میرا مرتبہ صدیق اکبر کے مرتبہ سے افضل ہے۔"

بادشاہ کی اس بات کا تعلق آپ کے اس عریضہ سے ہے جو آپ نے اپنے پیر و مرشد کو لکھا ہے اور دفتر اول کا گیارہواں مکتوب ہے۔

آپ نے فرمایا میں نے تو یہ بات لکھی ہے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی۔ آپ کی بات سن کر جہانگیر کا قہر زائل ہوا۔ مخالفوں نے جب دیکھا کہ ان کی محنت رائگان جا رہی ہے تو انھوں نے بادشاہ سے کہا۔ اس شیخ کے تکبر کو آپ ملاحظہ کریں۔ آپ ظل اللہ ہیں اور آپ کو اس نے نہ سجدہ کیا اور نہ وہ احترام بجا لایا جو عام طور پر رائج ہے (یعنی دونوں ہاتھ سینہ پر رکھکر سر کو کسی قدر جھکانا جو بخارا وغیرہ میں اب تک رائج ہے) یہ سن کر بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے آپ کو قید کرایا۔[1]

داراشکوہ کا بیان تحریف وافترا کے سلسلہ میں داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیا" میں لکھا ہے۔

"شیخ احمد کابلی قدس اللہ سرہٗ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا وطن سرہند ہے، سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ کے مرید ہیں اور قادریہ وچشتیہ مشائخ سے بھی اجازتِ ارشاد حاصل ہے۔ وہ صاحبِ ریاضت اور مجاہدہ تھے۔ اواخرِ احوال میں آپ پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی کہ وہ اپنے مرتبہ کو خلفائے راشدین کے مرتبہ سے زیادہ سمجھتے ہیں لیکن یہ بات خالص افترا ہے کیونکہ سیادت ونقابت پناہ فضائل وکمالات دستگاہ افضل فضلائے عصر علامی فہامی استادی میرک شیخ بن شیخ فصیح الدین سے میں نے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ میرا گزر سرہند میں ہوا اور شیخ احمد سے میری ملاقات ہوئی۔ اثنائے ملاقات میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ میں خدا شناسی ہے تو وہ از خود میری ان تین باتوں کا جواب دیں۔ میں سمجھوں گا کہ جو کچھ ان کے متعلق کہا جاتا ہے وہ خالص جھوٹ اور افترا ہے۔ چنانچہ جن تین باتوں کا خیال آخوند کو آیا تھا ان کا صحیح جواب شیخ نے دیا اور حضرت آخوند جناب شیخ کے معتقد ہوگئے اور ان کے ارشاد کے بموجب اس فقیر کو یقین ہوگیا کہ شیخ احمد سرہندی صاحبِ حال تھے آپ کی وفات سنہ ۱۰۳۴ھ میں ہوئی اور قبر سرہند میں ہے۔"[2]

مطبوعہ نسخہ میں تینوں باتوں کی تفصیل ہے لکھا ہے۔

میرے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ میں کرامت ہے تو وہ از خود بیان کریں وہ جو کہ انؒ کے متعلق لوگ کہتے ہیں۔ اور انؒ کے پیر خواجہ باقیؒ کے متعلق کہ ان کو اپنے پیر سے اجازت ارشاد نہ تھی اور خواجہ خاوند محمود کے متعلق کہ وہ کیسے ہیں۔ اور میں شیخ کے سامنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ شیخ نے مسند کے ایک گوشے کے نیچے سے ایک جزو نکال کر مجھکو دیا اور کہا۔ آپ اس کو مطالعہ فرمائیں، اور جب

---

[1] حضرات القدس کے ساتویں حضرت کو ملاحظہ کریں۔ [2] سفینۃ الاولیاء مجریہ سنہ ۱۲۰۲ھ

میں مطالعہ کر چکا تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کیا اس تحریر میں کوئی بات قابلِ گرفت ہے۔ میں نے کہا نفسِ تحریر میں کوئی بات نہیں ہے اور یہ بیان درست ہے آپ نے فرمایا "بدانید آنچہ ازما واقع شدہ ہمین است و باقی افترا است۔" آپ یقین کریں کہ میں نے صرف یہی لکھا ہے اور باقی سب افترا ہے۔" پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔ خواجہ خاوند محمود آئے تھے اور بیان کرتے تھے کہ خواجہ باقی کو اپنے پیر سے صراحۃً اجازت ارشاد نہیں ملی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن اُن کے پیر خواجگی امکنگی خربزہ کھا رہے تھے اور حاضرین و مریدین کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک پھانک کاٹ کر دے رہے تھے۔ خواجہ باقی کو انھوں نے پھانک نہ دی کسی نے کہا کہ خواجہ باقی بھی حاضر ہیں۔ حضرت خواجگی نے کہا کہ میں اُن کو ایک مُسلّم خربزہ دے چکا ہوں۔ اس بات سے خواجہ باقی یہ سمجھے کہ ان کو اجازتِ ارشاد مل گئی ہے۔ یہ بات سن کر میں نے خواجہ خاوند محمود سے کہا۔ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مجھ سے نہ میرے پیر نے یہ بات کہی ہے نہ کسی دوسرے نے بلکہ خواجہ باقی تو مرید کرنے سے انکار کر رہے تھے اور عرض کر رہے تھے میں اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا اور مولانا خواجگی نے ان سے فرمایا۔ میں نے تُم کو اجازت دی ہے اور تم کو یہ کام کرنا چاہئے۔ اور مجھ سے اس عرصہ میں چند کُہن سال افراد نے کہا ہے کہ ہم اس مجلس میں موجود تھے جس میں مولانا خواجگی نے مولانا باقی کو اجازت ارشاد دی تھی۔ خواجہ خاوند محمود میری بات سن کر بولے تو پھر میں نے غلط بات سنی ہے۔ اس کے بعد شیخ احمد نے مجھ سے کہا۔ خواجہ خاوند کے مرید جو کچھ ان کے متعلق کہتے ہیں میری نظر میں ویسے نہیں ہیں۔ میرا اعتقاد ان پر نہیں ہے [1]

داراشکوہ کی تحریر سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت مجدّد کے خلاف دشمنوں کی سرگرمیاں آپ کے آواخرِ دَوْر میں شروع ہوئیں۔ اور آپ کے جن مکاتیب پر حرف گیری کی گئی ہے ان کا سردفتر وہ عریضہ ہے جو آپ نے اپنے پیر و مرشد کو لکھا ہے اور جس کو پڑھکر حضرت خواجہ خوش ہوئے ہیں۔ اگر فی الواقع آپ کے مکتوب میں قباحت تھی تو اٹھارہ سال تک خاموشی کیوں اختیار کی گئی۔ اور حضرت خواجہ نے اس کی تصویب کس طرح فرمائی۔

یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مجدد کے جن مکاتیب میں تَحرِیف و تَزْوِیرُ سے کام لیا گیا ہے وہ تھوڑے ہیں لیکن جا بہ جا ان کی تشہیر کر دی گئی ہے۔ اور یہ کام حضرت مجدد کی حیات میں ہوا ہے۔ حضرت مجدد نے ان مکاتیب کو جن میں تحریف کی گئی ہے ایک جگہ لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر میں مولانا وکیل احمد سکندرپوری کی کتاب ہدیۂ مجددیہ سے شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی کی کتاب مناقب العارفین کی عبارت نقل کرتا ہوں جس سے حقیقت کھل کر سامنے آرہی ہے۔ مولانا وکیل احمد [2] نے لکھا ہے۔

---

[1] سفینۃ الاولیاء مطبوعہ ۱۸۷۲ء صفحہ ۱۹۸ [2] مولانا وکیل احمد طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں اشرف علی حیدرآبادی سے (باقی اگلے صفحہ پر)

شاہ فتح محمد کا بیان

شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی در مناقب العارفین آوردہ۔ "چوں براِرقامِ احوالِ شیخ احمد کابلی رسیدم و مکتوباتِ اورا مع معارضاتِ شیخ عبدالحق دہلوی ملاحظہ کردم تحیّرم افزود کہ چہ نویسم باوجودِ صُدُورِ چنین کلماتِ کفر در حق ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم واہانتِ اولیاء را کہ ارض وسمابر عُلُوِّ مرتبۂ آنہا شہادت می دہد ہمچنین اکابر مثلِ شیخ آدم بنوری و دیگر کسانے کہ در سلسلۂ وے داخل اند اکثرے علماء محدثین صاحبِ حال وقال اند چساں اتباع کردند خصوصاً علماءِ بلخ وبخارا وکابل کہ در تدیّن وصلابتِ دین نظیرے نہ دارند، اکثرے بہ ہمین سلسلہ متمسک اند، پس برائے تفتیشِ حال وے قصدِ دہلی کردم واز شیخ نورالحق ابن شیخ دہلوی ملاقی شدہ استفسار حال وے نمودم۔ بہ تحقیق پیوست کہ شخصے حسن خان نامی از قوم افغان از مریدانِ شیخ کابلی چیزے از وے آزردگی پیدا کردہ مسوداتِ مکتوباتِ شیخ را کہ نزد وے بود ازاں تحریف کرد وبست نسخہ نویسانیدہ جابجا منتشر گردانید چون نقلِ مکتوبات بہ شیخ دہلوی کہ از خلفائے شاہ عبدالباقی بود رسیدہ کمال متوحش شدہ مکتوباتے در ردِّ آن اقوالِ کاذبہ بشیخ کابلی نوشت وبسیار زجر وتوبیخ کرد ازانجا شیخ کابلی مسوداتِ خود را کہ دستخطی بودہ بجنسہٖ نزد شیخ دہلوی فرستاد ونوشت کہ معاذ اللہ کہ از من چنین کلمات بہ صدور پیوستہ باشد یکے از مریدانِ من مَردُود بہ طریقت گشتہ ایں فتنہ برپا ساخت ومَرا ہدفِ برنا وپیر نمود وآخر بہ دُعائے من گرفتار شدہ در بخارا در تہمتِ اِرتِداد کشتہ شد بعد دریافت آن شیخ دہلوی در توصیفِ آں مقال واعتذار عدم علم بدین حال مکتوبے نوشت چنانچہ آن مکتوب شیخ دہلوی دستخطی شان ملاحظہ کردم۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ واگرچہ نزد وے زمرۂ اہل وجد وسماع از جنس فساق ایم لیکن بہ حکمِ ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا۔ راہِ انصاف پیمودہ درپئے تفتیشِ حالِ وے شدیم۔ انتہٰی۔[1]

یعنی جب شیخ احمد کابلی کے حالات لکھنے کا موقع آیا اور میں نے ان کے مکتوبات کو اور پھر شیخ عبدالحق دہلوی کے اعتراضات کو پڑھا حیرت میں پڑ گیا کہ میں ایسے شخص کے متعلق کیا لکھوں کہ ایک طرف تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے کلمات کفر صادر ہوئے ہیں اور ایسے بلند پایہ اولیاء کی اہانت کی ہے کہ جن کی بزرگی وجلالتِ قدر پر آسمان وزمین گواہی دیتے ہیں اور دوسری طرف شیخ (سیدنا) آدم بنوری جیسے اولیا ان کے مرید ہوں اور صاحبِ حال وقال علماء ومحدثین ان کے سلسلہ سے وابستہ

(بقیہ گزشتہ صفحہ سے) بیعت تھے وہ خلیفہ شاہ سعداللہ کے جن کا مزار حیدرآباد دکن میں ہے، وہ خلیفہ حضرت شاہ ابوسعید اور ان کے مرشد حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے۔ قدس اللہ اسرارہم۔ مولانا وکیل احمد نے سنہ ۱۳۰۹ھ میں کتاب انوارِ احمدیہ اور سنہ ۱۳۱۱ھ میں کتاب ہدیہ مجددیہ اور سنہ ۱۳۱۲ھ میں اَلْکَلَامُ الْمُنْجِیْ بِرَدِّ اِیْرَادَاتِ الْبَرْزَنْجِیْ لکھی ہے۔ پہلی دو کتابیں فارسی میں اور پچھلی عربی فصیح میں ہے یہ تینوں کتابیں مولوی عبدالاحد نے مطبع مجتبائی دہلی میں طبع کی ہیں۔ ان تینوں کتابوں میں اُن اعتراضات اور اتہامات کا رَدّ ہے جو نادانوں نے حضرت مجددؒ پر کئے ہیں۔ مولانا وکیل احمد نے جس شائستہ علمی انداز سے یہ کتابیں لکھی ہیں قابل صد ستائش ہیں۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

[1] ہدیۂ مجددیہ صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵

ہوں اور خاص کر بلخ و بخارا و کابل کے علماء جو تدیّن اور صَلابتِ دین میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ہیں انکے سلسلہ میں داخل ہوں۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر میں حقیقت معلوم کرنے کے لئے دہلی روانہ ہوا۔ اور وہاں شیخ نور الحق سے ملا جو کہ شیخ عبد الحق کے صاحبزادے ہیں۔ ان سے مجھ کو حقیقت کا پتہ چلا اور میں اس کو لکھتا ہوں۔

حسن خان افغان شیخ احمد کا مرید تھا وہ کسی بات پران سے آزردہ ہوا۔ اس کے پاس شیخ احمد کے کچھ مکاتیب تھے اس نے ان مکاتیب میں تحریفات کیں اور پھر ان کے بیس نسخے لکھوا کر منتشر کئے جب شیخ عبد الحق کے پاس جو شاہ عبد الباقی کے خلیفہ ہیں وہ خطوط پہنچے، تو بہت ناراض ہوئے اور ان کے رَدّ میں خطوط لکھ کر شیخ احمد کابلی کو ارسال کئے۔ شیخ کے خطوط زجر و توبیخ بھرے تھے۔ شیخ کابلی نے اصل خطوط کی نقل اپنے ہاتھ سے لکھ کر شیخ عبد الحق کو ارسال کی اور ان کو لکھا۔ ایسی تحریر سے اللہ مجھ کو محفوظ رکھے۔ میرے مریدوں میں سے ایک شخص مجھ سے برگشتہ ہوا اور یہ فتنہ پھیلا کر مجھ کو ہر چھوٹے بڑے کا ہدفِ ملامت بنایا۔ بالآخر میری بَددُعا اس کو لگی اور وہ بُخارا میں ارتداد کی تہمت میں مارا گیا، جب شیخ دہلوی پر یہ بات کُھلی تو انھوں نے ایک مکتوب لکھا جس میں آپ کے بیان کی تعریف اور اپنی لاعلمی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ تحریر میں نے ملاحظہ کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

اگرچہ ان کے نزدیک ہم اہل وجد و سماع فاسق ہیں تاہم "ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا" پر نظر رکھتے ہوئے میں نے رَاہِ اِنْصَاف اختیار کی اور ان کے حال کی تفتیش میں لگا۔" ام

شاہ فتح محمد کی تحریر سب کے سامنے ہے۔ ان کا انداز تحریر بتا رہا ہے کہ وہ اپنے بیان میں سچے ہیں۔ وہ یقیناً شیخ نور الحق سے ملے ہیں۔ اور انھوں نے جناب شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر بھی دیکھی ہے۔ حضرت میرزا جانِ جانان مظہر شہید قدس سرہ کا بیان "اخلاص نامہ" کے سلسلہ میں آگے آرہا ہے آپ ایک طویل مکتوب کا ذکر کر رہے ہیں جو جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام لکھا ہے آپ کے بیان سے شاہ فتح محمدؔ کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔

اس دَوْر کے بعض فضلا غیر مجددی ذَرائع کی تلاش میں ہیں تا کہ طرفداری کا شَائبہ باقی نہ رہے شاہ فتح محمد کا بیان ایسے افراد کے لئے وَقیع ہونا چاہئے کیونکہ نہ وہ مجدّدی ہیں نہ حَقّی۔ نہ ان کا تعلّق سلسلۂ نقشبندیہ سے ہے نہ قادریہ سے۔ وہ حضراتِ چشت سے وابستہ ہیں اور انہی کے مسلک کے دلدادہ۔ وہ جویائے حقیقت اور صاف گو ہیں۔ چلتے چلاتے ایک چوٹ کر گئے۔ کہ ہم اہل وجد و سماع اگرچہ ان کی نظر میں فاسق ہیں لیکن ہم نے راہِ انصاف نہیں چھوڑی اور ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا کو کبھی نہ بھولے۔

شاہ فتح محمد کے بیان سے جناب شیخ کا دامن الزام تراشی اور تہمت طرازی سے پاک ہو رہا ہے۔ کیونکہ جناب شیخ کا وہ طولانی مکتوب جس کو حضرت مجدد کے معاندین بڑی وقعت دے رہے ہیں

(گویا کہ صحیفۂ آسمانی ہے)۔ سب کے سامنے ہے۔ اور حضرت مجدد کے رسائل اور مکتوبات بھی پیش نظر ہیں۔ اٹھا کر دیکھ لیا جائے کہ حضرت مجدد کی جن عبارتوں کو نقل کیا گیا ہے، وہ درست ہیں یا نہیں، اور یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ بالکل من گھڑت کتنے افسانے درج ہیں۔ جناب شیخ کو حضرت مجدّد سے ہزار اختلاف کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ ایسا حرام فعل کسی حال میں نہیں کر سکتے کہ کسی کی عبارت کو بدلیں۔ یقیناً جناب شیخ کو بَدطِینَت اَفراد نے دھوکہ میں ڈالا ہے۔ اور جب ان پر حقیقت ظاہر ہوئی تو انھوں نے اس کو بیان کر دیا۔

میں نہیں کہتا کہ جناب شیخ کو مسائلِ طریقت میں حضرت مجدّد سے اختلاف نہیں تھا، جناب شیخ نے "سَیْرِ مُرَادِی" اور "وَصْلِ عُرْیَان" کے سلسلہ میں حضرت مجدّد کے بیان کردہ معارف سے اختلاف کیا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ اختلاف زائل نہیں ہوا بلکہ آخر تک رہا۔ اس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔

معاندوں نے نہایت منظّم طریقے سے حضرت مجدّد کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی، انکے دامِ فریب میں بہت سے سادہ لوح افراد گرفتار ہو گئے تھے۔ انہی میں سے ایک جناب شیخ عبدالحق ہیں۔ جہانگیر بھی ان کی غلط باتوں سے متاثر ہوا تھا کیوں کہ اس نے جو بات آپ سے کہی وہ صحیح نہ تھی اور جو فتویٰ درباری علما نے حضرت مجدّد کے قتل کا دیا تھا وہ بھی غلط الزامات کی بنا پر تھا۔ حضرت مجدّد کے معاندوں اور درباری علماء کے حسب حال اِبنِ خَفَاجہ اندلسی کے یہ دو شعر ہیں۔

دَرَسُوا الْعُلُوْمَ لِيَمْلِكُوْا بِجِدَالِهِمْ　　فِيْهَا صُدُوْرَ مَرَاتِبٍ وَمَجَالِسِ
وَتَزَهَّدُوْا حَتّٰى أَصَابُوْا فُرْصَةً　　فِيْ أَخْذِ مَالِ مَسَاجِدٍ وَكَنَائِسِ

ترجمہ:- علوم دین کو اس واسطے پڑھا کہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوں اور امیروں کی محفلوں تک رسائی ہو۔ ان لوگوں نے دینداروں کی سی شکل اس واسطے اختیار کی ہے کہ موقع پا کر مسجدوں اور معبدوں کا مال لوٹیں۔"

وہ فتویٰ بھی اقوال محرفہ کی رُو سے لکھا گیا تھا۔ محمد اقبال مجددی نے عبداللہ خویشگی عَبدی قُصُوری کے احوال و آثار پر ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ اس میں معارج الولایت سے ایک استفتا اور فتویٰ نقل کیا ہو۔ سائل جو سوال کرے گا اور جن الفاظ سے کرے گا مفتی اسی کا جواب لکھے گا۔ جو استفتا ہے وہ محرف عبارات سے لکھا گیا ہے لہٰذا جواب لکھنے والوں نے دل کھول کر تکفیر و تضلیل کی ہے۔ کسی نے ملحد لکھا ہے اور کسی نے واجب القتل قرار دیا ہے [1]

زباں پر وہ آئے گا جو مَن میں ہے　　رِسیگا وہی جو کہ بَرتَن میں ہے

معارج الولایت میں سے کچھ عبارتیں محمد اقبال نے نقل کی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریفات کی تشہیر بہت زیادہ کی گئی، سادہ لوح اور حقیقت سے بیخبر افراد پر کافی اثر ہوا خاص کر اس وجہ سے کہ شیخ عبدالحق

---

[1] احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری کے صفحہ ۲۰۵ سے ۲۱۷ ملاحظہ کریں

نے، جو آپ کے پیر بھائی تھے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صاحبِ علم و فضل و تقویٰ اور صاحبِ تالیفات بھی تھے، ان تحریفات کو قبول کیا تھا اور ان کے رَدّ میں وَقتاً فوَقتاً کچھ لکھتے رہے تھے۔ معارج الولایت کی ایک تحریر محمد اقبال کی کتاب سے یَں نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو اس ظلم و ستم کا کچھ اندازہ ہو سکے جو مخالفوں نے آپ کے ساتھ جائز رکھا تھا۔

خویشگی کی تحریر

"به دعوت طالبان حق ارشاد کرد۔ پس وے اکثر طالبان (را) ہدایت نمودے و بہ جانبِ حق دلالت فرمودے و براجرائے شرایع تقید فرمودے، و تارک شرائع را توبیخ و زجر کردے و مرتکب شرایع را دوست داشتے وچوں برائے تحریمۂ نماز برخاستے اغلب اوقات نیّت را بہ دل کردے و زبان را ساکت گردانیدے و گفتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نیّت بہ دل کردہ نہ بہ زبان۔ زیرا کہ نیّت فعلِ قلب است نہ فعلِ لِسان۔ واز مشائخ متقدمین ہر کہ قائل بہ وحدت وجود شدہ چنان کہ حُسین منصور و شیخ محی الدین عربی و امثال آن اورا ملحد و زندیق گفتے۔ در مکتوبات خود کہ مجلّد بہ سہ مجلّد است در اکثر مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر نمودہ و در بعضے محَال نسبتِ مذاہب اعتزال بہ وے ثابت نمودہ و با ایں ہمہ اورا از جملۂ مقبولان شمردہ، وچوں در حدیث نبوی واقع شدہ مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْهِ لَوَہِمَتْ حَتّٰی وَقَعَ فِیْهِ۔ چنان کہ بر مشائخ شطحیّات طعن کردے خود نیز اکثر جا قائل شطحیّات شدہ و ازیں جہت جہانگیر بادشاہ شیخ را برگوالیار مدّتے محبوس ساخت چناں کہ شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد وچوں بادشاہ بر بَرَاءَۃِ ذِمّۂ او وقوف یافت در معذرت شتافت۔ فرمود کہ حاجت اعتذار نیست زیرا کہ دریں حبس بہ حفظ کلام الٰہی مستعد شدم۔ وچون ایں حقیر را بر مشائخ اعتقاد صحیح و عقیدۂ صریح است با وجودے کہ علمائے عصر و فضلائے دہر بر بُطلانِ کلامِ او و فسادِ سخنانِ او فتویٰ دادہ، بہ حسبِ طاقتِ فہم و قدرتِ ذہنِ خویش شطحیّات ایشاں مع ایرادات ایرادی نماید۔"[1]

ذیل میں عبدی خویشگی کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ کیا جائے۔

"(حضرت خواجہ باقی باللہ نے) آپ کو دعوتِ طالبان حق کی اجازت دی اور طلبگارانِ حق کو آپ ہدایت کرتے، اللہ کی طرف دلالت فرماتے، احکامِ شرعیہ کی پیروی کی تاکید کرتے، تارکِ شریعت کو زجر و توبیخ کرتے۔ شریعت پر عمل کرنے والے سے خوش ہوتے، جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے اکثر اوقات میں دل سے نیت کرتے، زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے نیت کی ہے، زبان سے نہیں کی ہے کیونکہ نیت دل کا کام ہے نہ زبان کا۔ اور گزرے ہوئے مشائخ میں سے جو بھی وحدت وجود کا قائل ہوا ہے جیسے حسین منصور اور شیخ محی الدین عربی اور ان کے امثال، ان سب کو وہ ملحد و زندیق کہتے، اپنے مکتوبات میں جو تین جلدوں میں ہے۔ اکثر جگہ شیخ محی الدین عربی کی تکفیر کی ہے۔ بعض جگہ ان کو

---

[1] احوال و آثار خویشگی صفحہ ۱۴۹ و ۱۵۰

معتزلی قرار دیا ہے۔ **اور ان سب کے ہوتے ہوئے** ان کو (ابنِ عربی کو) مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کی جماعت میں شمار کیا ہے۔ حدیثِ نبوی میں واقع ہے۔ "جو شخص اپنے بھائی کے واسطے گڑھا کھودے تو مرنے سے پہلے وہ خود اس میں گرے۔" چوں کہ آپ اصحابِ شطح مشائخ پر طعن کرتے تھے خود ہی اکثر مواقع میں شطحیات کہہ گئے ہیں (شطحیات کلامِ سُکر ہے جیسے انا الحق اور سبحانی) بنا بریں جہانگیر بادشاہ نے گوالیار میں ایک مدت شیخ کو محبوس رکھا۔ آپ نے وہاں قرآن مجید حفظ کیا اور **جب بادشاہ کو آپ کے** بری الذمہ **ہونے کا علم ہوا تو معذرت چاہی**۔ آپ نے فرمایا معذرت خواہی کی حاجت نہیں کیونکہ اس حبس میں حفظ کلام الٰہی کی سعادت میں نے حاصل کی ہے۔

چوں کہ اس حقیر (عبدی) کو مشائخ سے صحیح اعتقاد اور کھلی عقیدت ہے اور باوجود اس کے کہ علمائے عصر اور فضلائے دہر نے ان کے کلام کے اِبطال اور ان کی باتوں کے فساد پر فتویٰ دیا ہے۔ پھر بھی اپنی طاقتِ فہم اور قدرتِ ذہن کے مطابق ان کی شطحیات کو مع ایرادات کے ذکر کرتا ہوں۔"

عبدی کو اعتراف ہے کہ حضرت مجدد نے ابن عربی کو جماعتِ مقبولان میں بھی شمار کیا ہے پھر بھی وہ لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد نے ابن عربی کی تکفیر کی ہے اور ان کو ملحد و زندیق قرار دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عبدی کا علم جزوی تھا، ان کو یہ تک خبر نہ تھی کہ جو شخص شرعاً فاسق ہوتا ہے وہ ولی نہیں ہو سکتا چہ جائے ملحد و زندیق و کافر۔

عبدی نے لکھا ہے، جب بادشاہ کو آپ کی برارت کا علم ہوا تو معذرت خواہ ہوا، اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ آپ پر جو الزامات لگائے گئے تھے اور آپ کی جو گرفتاری تھی سب ناحق تھے، مع ہٰذا عبدی ان الزامات کو دہراتے ہیں۔

میں نے حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارت اور اس کا ترجمہ ابتدا میں لکھا ہے آپ نے کیا خوب کہا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنے انبیا کے ساتھ رکھا اور جو اس کی عادتِ مستمرہ ہے وہی اس نے حضرت مجدد کے ساتھ کیا کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور مُتقشِّف (خشک) فقہا نے انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں بیشی ہوتی رہے۔"

حضرت شاہ صاحب کا کلام اگرچہ مختصر ہے لیکن بہت وقیع ہے، آپ نے شریعت مطہرہ کے حکم سے آگاہ کر دیا ہے کہ جس شخص کو ایذا پہنچائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے مراتب بڑھاتا ہے اور جس شخص پر غلط الزام لگایا گیا، جب تک وہ الزام دُہرایا جائے گا، اللہ تعالیٰ الزام لگانے اور اس کو دُہرانے والوں کی نیکیاں اس شخص کو دیتا رہے گا اور اگر الزام لگانے یا دُہرانے والوں کی نیکیاں نہیں ہیں تو اس شخص کے گناہوں کو الزام لگانے والوں کے حساب میں جمع کرتا رہے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے جو بات کہی ہے اور جس مضمون کو آپ نے اس طریقہ پر بیان کیا ہے اسی کو

حضرت مجددؒ نے عجب والہانہ انداز سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے جناب شیخ عبدالحق کو تحریر فرمایا ہے۔

ایک مکتوب

”مخدوما مکرما۔ مصائب کے نازل ہونے میں اگرچہ دکھ درد اٹھانا پڑتا ہے لیکن ان میں بھلائیوں کی توقعات ہیں اس حیات کا عمدہ تحفہ رنج وغم اور اس مائدہ (خوان) کی لذیذ تر نعمت اندوہ والم ہے، یہ مصری کی ڈلیاں ہیں جن کو کڑوی دوا کے غلاف میں لپیٹ کر آزمائش کا دروازہ کھول دیا ہے، خوش نصیب اور سعادت مند وہ افراد ہیں جن کی نظر مصری کی ڈلیوں پر ہوتی ہے اور وہ ان کڑوے غلافوں کو بھی مصری کی طرح کھا لیتے ہیں، ان کا حال صفرائیوں اور علتیوں کے برعکس ہے، کیوں کہ ان کے لئے اس تلخی میں مٹھاس ہے اور مٹھاس کیوں نہ ہو جب کہ وہ حضرت محبوب تعالیٰ شانہٗ کا عطیہ ہے۔ اور محبوب کے تمام عطیات شیریں ہیں، چوں کہ علتی ماسویٰ کا گرفتار ہے لہذا تلخی محسوس کرتا ہے، سعادت مندوں کو محبوب کے ایلام میں جو حلاوت ولذت حاصل ہوتی ہے وہ اس کے انعام میں نہیں ہوتی اگرچہ دونوں محبوب ہی کا عطیہ ہیں کیونکہ ایلام میں مُحِبّ کی خواہش شامل نہیں ہوتی بخلاف انعام کے کہ اس میں نفس کی خواہش شامل ہوتی ہے۔“ [1]

اس مضمون کو وقار جالسی نے کیا خوب ادا کیا ہے۔

دیکھی جب ان کی خوشی غم کی عطائیں　ہم ہو گئے دلدادۂ غم اور زیادہ

حضرت مجددؒ کو مقامِ رضا مل چکا تھا آپ ہر حال میں اپنے مولیٰ سے راضی تھے، اصحابِ رضا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ۔ ”اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے۔“

جناب شیخ عبدالحق کا اختلاف

جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ولادت ماہ محرم ۹۵۸ھ میں اور وفات ماہ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں ہوئی ہے، [2] جناب سید احمد خاں نے ”آثار الصنادید“ میں اُس عبارت کو نقل کیا ہے جو آپ کے مزار کے سرہانے دیوار پر چونہ کے حرفوں سے لکھی ہے۔ میں اس کا آخری حصہ لکھتا ہوں۔

”در محرم ۹۵۸ھ این نوراتم پرتو ظہور بہ عالم عنصری دادہ و در ۱۰۵۲ھ بہ تمام آگہی و کشادہ پیشانی بہ عالم قدس خرامید، تاریخ ولادت ”شیخ اولیا“ (۹۵۸) و تاریخ وفات ”فخر العالم (۱۰۵۲) است۔“ [3]

آپ فضلائے روزگار او ربندگان اخیار میں سے تھے، مدۃ العمر دین کی خدمت کی اور بہ کثرت کتابیں تالیف کیں۔ آپ کی چھپن کتابیں میرے شمار میں آچکی ہیں۔ آپ کو سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ آپ نے حضرت کے مناقب میں ”زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار“ لکھی ہے اور حضرت کی کتاب ”فتوح الغیب“ کی شرح بھی لکھی ہے، آپ ابتدا میں مخدوم موسیٰ گیلانی اوچی

---

[1] مکتوب ۲۹ دفتر اول [2] نزہۃ الخواطر جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ و ۲۱۰ [3] آثار الصنادید، باب پہلا صفحہ ۷۵۔

الحسنی القادری سے بیعت ہوئے، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور حضرت خواجہ نے آپ کو اجازتِ طریقت دی، خواجۂ خورد نے اپنی رباعیات کی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے[1] حضرت خواجہ کی وفات کے بعد آپ پھر سلسلۂ قادریہ کی طرف راجع ہوئے اور شاہِ اَبُوالمَعَالِی قادری لاہوری سے بیعت ہوئے۔ جو کہ مخدوم موسیٰ گیلانی کے پیر بھائی تھے، جناب شیخ اگرچہ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے، لیکن کششِ دل ان کو اسی راہ پر لے گئی جوان کے حسب حال تھی۔ حضرت مجدؔد نے تحریر فرمایا ہے۔

"ہمارے حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ احوال کی صحت کی نشانی یہ ہے کہ یقین کامل حاصل ہو۔"[2]

حضرت مجدؔد کے علم ظاہر کے متعلق میں کیا لکھوں، آپ کے رسائل اور مکتوبات ساڑھے تین سو سال سے اہل علم کے سامنے ہیں، وہ ان کو دیکھیں اور آپ کے مَبلغِ علم کا اندازہ لگائیں، اس معاملہ میں آپ کے حسب احوال یہ شعر پاتا ہوں۔

تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَیْنَا فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا اِلَی الْآثَارِ

آپ کے علم باطن کے متعلق آپ کے پیر و مرشد برحق حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا یہ ارشاد گرامی میرے سامنے ہے۔ "میاں شیخ احمد آفتابے است کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم است واز کُمَّلِ اولیائے متقدمین خال خالے مثل ایشاں گزشتہ باشند"[3]

"یعنی میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے ضمن میں گم ہیں اور ان جیسے اولیائے متقدمین میں خال خال ہی ہوئے ہوں گے۔"

مَقَامِ اِیقَان

حضرت خواجہ کا اشارہ اس مقام ایقان کی طرف ہے جس کا سرچشمہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس ہے۔ حضرت صدّیق کے ایقان کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حُدَیْبِیہ میں اہل مکّہ سے صلح کی اور جو صلح نامہ لکھا گیا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دب کر صلح کی ہے، اس وقت حضرت عُمرؓ حضرت صدیق کے پاس پہنچے، رضی اللہ عنہما، اور ان سے کہا۔ کیا حضور اکرم اللہ کے رسول نہیں ہیں آپ نے فرمایا، ہیں۔ پھر کہا۔ کیا ہم مسلمین نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہیں۔ پھر کہا۔ کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں، آپ نے فرمایا ہیں۔ پھر کہا۔ فَعَلَامَ نُعْطِی الدَّنِیَّةَ فِی دِیْنِنَا۔ تو ہم اپنے دین میں یہ گراوٹ کیوں منظور کریں، حضرت صدّیق نے فرمایا "یَا عُمَرُ اِلْزِمْ غَرْزَهٗ فَاِنِّی اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ" اے عمر ان کی رکاب کو مضبوطی سے تھام۔ یعنی جو بھی وہ کریں بلا چون و چرا اس کو قبول کر، میں یقین سے گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، عمر نے کہا میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں پہنچے اور بجنسہٖ وہی سوال کیے، جو حضرت صدیق سے کیے تھے اور بجنسہٖ وہی جواب پائے جو انھوں

---

[1] رباعیات و شرح رباعیات از خواجۂ خورد صفحہ ۱۳۲ [2] مکتوب ۴ دفتر دوم [3] زبدۃ المقامات در احوال میر محمد نعمان

نے دیئے تھے البتہ آخری سوال کا حضور اکرم نے یہ جواب دیا۔ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ لَنْ اُخَالِفَ اَمْرَہٗ وَلَنْ یُضَیِّعَنِیْ ۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس کے امر کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا اور وہ مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔[1]

اور پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ایقانِ کامل کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ جب آپ نے بوقتِ آخر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی۔ "آپ نے لوگوں پر عمر کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور آپ دیکھ چکے ہیں جو کچھ لوگوں کو ان سے پہنچا۔ اور یہ سب کچھ ایسے وقت میں ہوا ہے کہ آپ موجود ہیں اور جب وہی مختارِ کل ہوں گے تو کیا کریں گے۔ آپ اپنے مولیٰ کے پاس جا رہے ہیں۔ اور وہ آپ سے آپ کی رعیت کے متعلق دریافت کرے گا۔" راوی کہتا ہے کہ حضرت صدیق اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ کی بات سن کر فرمایا۔ مجھ کو بٹھاؤ چنانچہ آپ کو بٹھایا گیا۔ آپ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا۔ اَبِاللّٰہِ تُفَرِّقُنِیْ اَوْ اَبِاللّٰہِ تُخَوِّفُنِیْ، اذا لقیتُ اللّٰہَ رَبِّیْ۔ فَسَائَلَنِیْ قُلْتُ اسْتَخْلَفْتُ عَلٰی اَھْلِكَ خَیْرَ اَھْلِكَ ۔ کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو، یا خائف کرتے ہو۔ جب میں اللہ سے جو کہ میرا پالنے والا ہے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو میں عرض کروں گا۔ میں نے تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر کو تیرے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے۔[2]

حضرات مشائخِ کرام میں سے جس کو یہ نعمتِ عظمیٰ ملتی ہے وہ معارف میں امام ہے اس کو اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ وہ دوسروں کے کشوفات و الہامات کا پابند نہیں ہے۔ اپنے کشوفات اور الہامات کو قرآن و حدیث اور اجماع پر عرض کرے اور جب مخالفت نہ پائے تو انکو بیان کرے اور ان پر عمل کرے۔

حضرت مجدد کو حضرت خواجہ کے طفیل سے اللہ تعالٰے نے یہ نعمت دی اور آپ کو منصبِ امامت ملا۔ خلقِ خدا آپ کو امامِ ربانی کہتی ہے۔

حضرت شیخ اکبر کے بعد یہ مقام حضرت مجدد کو ملا اور آپ مامور من اللہ ہوئے کہ اپنے کشوفات کا اظہار کریں لیکن جناب شیخ عبدالحق میدانِ طریقت میں ہمیشہ سہارے کے محتاج رہے۔ ان کا قدم دائرۂ تقلید سے باہر نہیں نکلا تھا، ان کے نزدیک حضرت سیدنا عبدالقادر کے ارشاد کا جو مفہوم ان کے متبعین نے بیان کر دیا ہے یا شیخ اکبر نے جن حقائق کا اظہار کر دیا ہے اس سے تجاوز کرنا بے ادبی ہے۔ لہٰذا شیخ عبدالحقؒ نے حضرت مجدد سے اختلاف کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں وہ حضرت مجدد سے خوش نہ تھے۔ انھوں نے جو طولانی مکتوب حضرت مجدد کو لکھا ہے اور جس کو چند سال قبل پروفیسر خلیق احمد نظامی نے طبع کیا ہے۔ اس کے اوائل میں یہ لکھا ہے۔

"بعد ازاں کہ در خدمت خواجہ محمد باقی افتادند و از صحبت شریف ایشان استفادۂ ایں نسبت

---

[1] البدایۃ والنہایہ جز ۴ صفحہ ۱۶۸۔ [2] تاریخ الامم والملوک جز ۲ صفحہ ۶۲۱۔

کروند درُو بہ ترقی نہادند در حیات و بعد از وفات ایشان از حالات و کمالات خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حدِّ حصر و قیاس چناں کہ و چنداں کہ مردم حیران شدند۔"[1]

ترجمہ:۔ جب آپ خواجہ محمد باقی کی خدمت میں پہنچے اور ان کی مبارک صحبت سے اس نسبت کا استفادہ کیا اور رد بہ ترقی ہوئے تو ان کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد اپنے فضائل و کمالات کا اظہار شروع کر دیا اور اتنے بے حد و بے حساب فضائل بیان کئے کہ لوگ حیران ہو گئے۔"

خواجگانِ نقشبندیہ کا معمول رہا ہے کہ وہ سالک سے اس کے واقعات و احوال کو دریافت فرماتے ہیں اور توجہات سے منازلِ سلوک طے کراتے ہیں۔ اگر جناب شیخ دفتر اول کے مکتوب گیارہ کو دیکھ لیتے تو حیران نہ ہوتے۔ اس مکتوب میں حضرت مجددؒ حضرت خواجہ کو لکھ رہے ہیں۔

"چوں از جانبِ حضرت ایشاں مامور بود امتثالاً لِلْأَمْرِ در بعضے امور جرأت و گستاخی نمود والاّ۔ ع
مَن ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستیم۔"

ترجمہ:۔ چوں کہ حضرت والا کی طرف سے حکم ہوا تھا لہٰذا حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے بعض امور کے بیان کرنے کی گستاخی واقع ہوئی ورنہ میں تو وہی پرانا احمد ہوں جو ہوں۔

میں "وصول بہ کعبۃ الآمال" کے بیان میں حضرت خواجہ کے اس مبارک مکتوب کو لکھ چکا ہوں جس کو خواجہ ہاشم نے حضرت خواجہ کے ارسال کردہ مکتوب سے جو آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ تھا زبدۃ المقامات میں نقل کیا ہے۔ حضرت خواجہ نے اس مبارک مکتوب میں کن مقاماتِ عالیہ کے متعلق حضرت مجددؒ کو تحریر فرمایا ہے اور آپ سے کیسے کیسے اَدق مسائل دریافت کئے ہیں، جتنا صاحبِ استعداد طالب علم ہوتا ہے کامل استاد اتنا ہی دقیق سوال اس کے سامنے رکھتا ہے۔ اور سعادتمند طالب اس کو حل کر کے استاد کی خوشنودی اور دعائیں حاصل کرتا ہے۔

جناب شیخ کو حضرت مجددؒ کے بیانات نے حیران کر دیا ہے۔ اگر ان کو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد صادق قدس سرہٗ کے حالات کا علم ہوتا۔ واللہ اعلم کیا فرماتے اور کیا لکھتے خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات کی فصل دہم میں آپ کا جو حال لکھا ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے از عجائبات عالم ہے۔ لکھا ہے۔

"آپ کی عمر دس سال کی تھی اور حضرت خواجہ باقی باللہ آپ سے اُمورِ کَونیّۂ غَیبیّہ کے متعلق استفسار فرماتے تھے اور آپ عَلَی الفَور جواب عرض کرتے تھے۔ حضرت خواجہ آپ کو مقابر لے جا کر بعض اصحابِ قبور کا حال دریافت فرماتے تھے اور آپ اپنا کشف و مشاہدہ بیان کرتے تھے۔"

حضرت خواجہ کا مکتوب "وصول بہ کعبۃ الآمال" کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس میں تحریر ہے "شیخ

---

[1] حیات شیخ عبدالحق صفحہ ۳۱۳۔

مذکور کی اولاد جو ابھی کم عمر بچے ہیں، اَسرارِ الٰہی ہیں۔"

حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ در خاتمہ رسالہ کہ از سوالات بر کلام حضرت ایشاں نمودہ می نویسد کہ مرا دربارۂ شما ایں آیت شریفہ " وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ " اِلقا گردیدہ۔ مخفی نیست کہ ایں کریمہ در رفع اشتباہ حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام است مر فرعون و فرعونیاں را۔ سبحان اللہ حضرت ایشاں موسوی المشرب بودند۔ اگر حضرت شیخ را از فرط غضب رفع شبہات ازایں کریمہ نشدہ آما بعد چندے بہ حقیقت کمالات حضرت ایشاں اقرار نمودہ اند" الخ [1]

(ترجمہ) حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طویل مکتوب کے خاتمہ میں حضرت مجدّد کو لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے بارے میں یہ آیت شریفہ مجھ کو القا ہوئی۔ (آیت) " اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہوگا تو تم پر پڑے گا کوئی وعدہ جو دیتا ہے " واضح رہے کہ اس آیت مبارکہ کا تعلق اس اشتباہ کے ازالے کے لئے ہے جو فرعون اور فرعونیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کے متعلق تھا۔ سبحان اللہ (کیا ہی خوب اِلقا ہے) حضرت والا موسوی المشرب تھے۔ (ورودِ فیض لطیفۂ سر پر بیشتر تھا) اگرچہ انتہائے غضب کی وجہ سے اس آیت مبارکہ کے اِلقا کے وقت حضرت شیخ کا اشتباہ رفع نہ ہوا، لیکن کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ آپ پر حضرت مجدّد کے کمالات کی حقیقت ظاہر ہوئی اور آپ نے خواجہ حسام الدین احمد کو مکتوب تحریر کیا (اخلاص نامہ)۔" -

اور حضرت شاہ غلام علی نے دوسرے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ در شرح فارسی فتوح الغیب تصنیف حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ اند۔ اسرار دقیقہ و علوم غامضہ بر قلوب عرفا وارد می شود عبارت بہ آں کفایت نہ می کند پس تعلیم و تفویض آں بہ علم حضرت علیم مطلق سبحانہ باید نمود، زبان انکار نہ باید کشود" [2]

(ترجمہ) حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی کتاب فتوح الغیب کی فارسی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ نے لکھا ہے۔ عارفوں کے دلوں پر ایسے دقیق اسرار اور مخفی علوم وارد ہوتے ہیں کہ ان کے بیان سے دامانِ عبارت قاصر رہتی ہے لہٰذا ان اسرار و علوم کے علم و معرفت کو حضرت دانائے مطلق جل شانہٗ کے حوالے کیا جائے اور انکار نہ کیا جائے۔"

اُن مشائخ کرام سے جن کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی بزرگی پر اتفاق ہے ایسے اقوال منقول ہیں جو بہ ظاہر نادرست ہیں۔ جیسے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ، لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ، قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیٍّ۔ وامثالہا ـــــ اور جناب شیخ ان اقوال کے لئے تاویل و توجیہ سے کام لیتے ہیں۔

---

[1] مکتوب ۹۰ صفحہ ۱۴۲۔ [2] مکتوب ۸۸ صفحہ ۱۰۹۔

تو پھر حضرت مجدّد کے لئے اس گوشۂ عاطفت کا استعمال کیوں نہیں فرماتے اگر حضرت شیخ حضرت مجدّد کے کلام کی تاویل و توجیہ نہیں کرتے تو اتنا تو کریں کہ آپ کے کلام کو صحیح طور پر نقل کریں اور اس کو برائی کیطرف نہ لے جائیں۔ مولانا سید صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی نے اس سلسلہ میں کیا خوب لکھا ہے۔

"كَانَ فَقِيهًا مَاتُرِيدِيًّا حَرِيصًا عَلَى اِتِّبَاعِ السُّنَّةِ مُجْتَهِدًا فِيهِ قَلِيلَ الْخَطَأِ فِي دَرَكِهِ الْمَسَائِلُ الْمَعْدُودَةُ الَّتِي شَدَّدَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ النَّكِيرَ بِهَا عَلَيْهِ فَالصَّوَابُ أَنَّ لَهَا تَاوِيلًا وَقَدْ شَارَكَهُ فِيهَا غَيْرُهُ مِمَّنْ لَا يُحْصَى كَثْرَةً فَلَيْسَ إِذًا يَخُصُّهُ الْإِنْكَارُ" [1]

ترجمہ۔ آپ (حضرت مجدّد) ماتریدی فقیہ، اتباعِ سنّت پر حریص اور اس میں ساعی اور مجتہد تھے اور اپنے اِدراکات میں خطا پر کم تھے، اور وہ چند مسائل جن کی بنا پر بعض اہل علم نے آپ پر سختی سے نکیر کی ہے تو اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ان کی تاویل ہے اور اس قسم کی باتوں میں بے حساب افراد آپ کے شریک ہیں بنا بریں اس انکار کی تخصیص آپ سے نہیں ہے۔"

مشہور مثل ہے۔ گھر کی مرغی دال برابر۔ حضرت مجدّد ہندوستان کے تھے لہٰذا یہاں آپ کو بدنام کرنے کی ہر کوشش کی گئی، آپ کی عبارت کو بدلا گیا، اس کا غلط مفہوم بیان کیا گیا، جہانگیر کے دربار میں آپ کی جو براءت ثابت ہوئی اس کا ذکر تک نہیں کیا جاتا اور وہ جھوٹا الزام آج تک برابر دہرایا جا رہا ہے جس کا بُطلان سرِ دربار ثابت ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ ہندوستان کے محقق کر رہے ہیں ان بے خبروں کو کچھ خبر نہیں کہ حضرت غوث الثقلین، حضرت بُسطامی، حضرت خرقانی، حضرت جنید بصری، حضرت پیر ہرات انصاری، حضرت شیخ اکبر وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے کیسے کیسے اقوال بہ تواتر ثابت ہوئے ہیں اور علماءِ اعلام نے بلکہ حضرت مجدّد نے ان اقوال کی کیا اچھی تاویلات کی ہیں۔

قطبِ شام، علامۂ روزگار شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ نے رسالۂ ایضاح الدّلالات میں اس سلسلہ میں نہایت نفیس پُر از حقائق مقالہ لکھا ہے۔ اس میں تحریر فرمایا ہے۔

إِذَا سَاءَ فِعْلُ الْمَرْءِ سَاءَتْ ظُنُونُهُ　　وَصَدَّقَ مَا يَعْتَادُهُ مِنْ تَوَهُّمِ

وَالْإِنْسَانُ الْكَامِلُ لَا يَعْرِفُ الْوُجُودَ إِلَّا كَامِلًا وَلَا يَرَى إِلَّا الْكَمَالَ۔ الخ

(ترجمہ) جب کسی شخص کا کردار اچھا نہیں رہتا تو اس کے خیالات بھی فاسد ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ اپنے مزعُومات اور تخیلات کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ ورنہ حقیقتِ امر یہ ہے کہ مردِ کامل، وجود کو سراسر کامل سمجھتا ہے اور اس کو بجز کمال کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔"

کہاں آج کل کے محققوں کی دروغ بافیاں اور ان کے فاسد خیالات اور کہاں اہلِ کمال کا ارشاد اور ان کا مبارک طریقہ۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ لِمَرْضَاتِهٖ۔

---

[1] ابجد العلوم صفحہ ۹۰۰۔

مکتوب جناب شیخ کے متعلق

جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت مجدد کو آخری ایام میں ایک طویل مکتوب لکھا ہے، جس کو سنہ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "حیات شیخ عبدالحق" میں طبع کیا ہے، جو اس کتاب کے صفحہ ۳۱۲ سے ۳۴۴ تک ہے۔ اگرچہ یہ مکتوب نئے تعلیم یافتہ افراد کے سامنے اس کتاب کے ذریعہ اب آیا ہے، لیکن اہل علم اور اکابر سلسلۂ مجددیہ کے سامنے پہلے دن سے آیا ہوا ہے، اور ان حضرات نے اس ساڑھے تین سو سال کے عرصہ میں اس مکتوب کے جواب میں بہ کثرت رسالے لکھے ہیں، میں بعض اہم رسائل و تحریرات کو بیان کرتا ہوں۔

۱۔ شیخ بدرالدین سرہندی نے "حضرات القدس" کے ساتویں حضرت میں بعض اعتراضات کا جواب لکھا ہے اور وہ مکالمہ بھی تحریر کیا ہے جو آپ کا جہانگیر سے کھلے دربار میں ہوا ہے۔

۲۔ حضرت محمد یحیٰی فرزند اصغر حضرت مجدد نے ایک رسالہ لکھا ہے۔

۳۔ حضرت محمد فرخ معروف بہ فرخ شاہ فرزند سوم حضرت محمد سعید، فرزند دوم حضرت مجدد نے رسالۂ "کَشْفُ الْغِطَاءِ عَنْ اَذْهَانِ الْاَغْبِيَاءِ" لکھا ہے، آپ اپنے وقت کے اجلۂ علماءِ اعلام میں سے صاحب تالیفاتِ قیمہ تھے۔

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ایک مختصر پُر از تحقیق رسالہ لکھا ہے جو آپ کے فتاویٰ کے آخر میں طبع ہوگیا ہے۔

۵۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے دو رسالے لکھے ہیں ایک شیخ عبدالحق کے اعتراضات کے رد میں۔ اس کا نام احقاق الحق ہے۔ دوسرا دیگر افراد کے اعتراضات کے رد میں۔ پہلے رسالے کی تالیف سے سہ شنبہ ۲۵ شوال ۱۱۶۰ھ کو فارغ ہوئے ہیں یہ دونوں رسالے آپ کے ہاتھ کے تحریر کردہ میرے پاس موجود ہیں۔

۶۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جو انگریزوں کے غدر سے پہلے کا لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے۔

۷۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے مستقل ایک کتاب ۲۳۶ صفحات کی جناب شیخ کے مکتوب کے رد میں لکھی ہے جو ۱۳۱۱ھ کو چھپ گئی ہے، اس کا نام ہدیہ مجددیہ ہے۔ اللہ ان کو اجر دے کہ انہوں نے جناب شیخ کے ادب اور احترام کا پورا خیال رکھا ہے اور جناب شیخ کے تمام ایرادات کی حقیقت بیان کردی ہے، اور ان کی دوسری کتاب انوار احمدیہ ہے، اس میں اوروں کے ایرادات کا جواب ہے یہ کتاب ۱۳۰۹ھ میں چھپی ہے یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں اور تیسری کتاب عربی میں الکلام المنجی لکھی ہے یہ ۱۳۱۲ھ میں چھپی ہے۔

مولانا وکیل احمد نے "انوار احمدیہ" کے صفحہ ۸۶ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اہل حق نے ستر رسائل سے

زائد ہفواتِ مخالفین کے ردّ میں لکھے ہیں۔

یہ آدان رسائل اور کتابوں کا ذکر ہے جو مستقل طور پر اعتراضات کے رد میں لکھی گئی ہیں، بیانات اور تحریریں جو ضمناً کسی کتاب میں آگئی ہیں، ان کے علاوہ ہیں اور ایسی تحریریں بھی بہ کثرت بیر اور اصحابِ علم کی ہیں۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت میرزا جان جاناں مظہر، مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا سید صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی، وغیرہم۔ یہ سب نہایت قیمتی اور مہتم بالشان حق و صداقت سے معمور رسائل و تحریرات ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۰۹۴ھ میں علامہ محمد بیگ نے مکہ مکرمہ میں، کتاب عِطیَۃُ الوَھَّابِ الفَاصِلَۃُ بَیْنَ الخَطَأِ وَالصَّوَابِ لکھی ہے، اس کتاب پر اس وقت کے نو جلیل القدر علماء نے تقریظیں لکھی ہیں۔ ان کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ الاسلام مفتی مکہ مکرمہ عبداللہ عتاقی زادہ۔
۲۔ علامۂ اجل شیخ حسن بن مراد تونسی۔ آپ کی تقریظ کیا ہے تحقیقات سے بھرا مستقل رسالہ ہے۔
۳۔ علامۂ اجل شیخ احمد بشیشی مصری ازہری شافعی، آپ کی وفات ۱۰۹۶ھ میں ہوئی ہے۔
۴۔ علامۂ اجل عبداللہ عباسی شافعی مکی۔
۵۔ علامہ قاسم سنجقدار مکی حنفی۔
۶۔ علامہ سید محمد حسینی مکی۔
۷۔ علامہ سید علی بن محمد معروف بہ کُلَاہ زادہ، دِیارِ بکری، مکی۔
۸۔ علامہ مرشد الدین بن احمد مرشدی۔
۹۔ شیخ الاسلام مفتی مدینۂ منورہ سید اسعد۔

علامہ محمد مُرَاد مَنزَاوِی، قَزَانِی، مکی سید محمد صالح زَوَاوِی سے بیعت تھے اور وہ حضرت شاہ محمد مظہر مہاجر مدینہ کے خلیفہ تھے (شاہ محمد مظہر میرے دادا حضرت شاہ محمد عمر کے چھوٹے بھائی تھے) انھوں نے چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مکتوبات قدسی آیات کو عربی میں ترجمہ کیا اور ۱۳۱۶ھ میں مکہ مکرمہ کے مطبع امیریہ میں اس کو طبع کیا۔ انھوں نے پہلے حصّے کے حاشیہ پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مختصر احوال لکھ کر مندرجہ بالا نو علماء کی تقریظوں کو طبع کیا ہے اور تیسرے حصّے (دفتر) کے حاشیہ پر رسالہ عطیۃ الوہاب ہے۔ محمد مراد نے مکتوبات کو عربی میں ترجمہ کرکے علماء عرب کو حضرت مجدد کے معارف سے مستفید ہونے کا موقع دے دیا ہے۔ جزاہُ اللہُ عَنِ الاِسلَامِ وَالمُسلِمِینَ خَیراً۔

جناب شیخ نے یہ طویل مکتوب حضرت مجدد کی وفات سے بہت کم عرصہ پہلے لکھا ہے۔ مکتوبات کا تیسرا دفتر ۱۰۳۱ھ میں بند ہوا ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے سات آٹھ مہینے کے عرصہ میں دس مکاتیب تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک مکتوب خواجہ حسام الدین احمد کے نام ہے (مکتوب ۱۲۱) جناب شیخ نے اپنے طویل

مکتوب میں حضرت مجدد کے اس مکتوب کی بعض عبارات پر ردّ و قدح کی ہے۔ آپ کی اس ردّ و قدح میں جرح کا پہلو نمایاں ہے۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ یہی نا ملائم جرح اخلاص نامہ لکھنے کا سبب ہوئی ہے (اخلاص نامہ کا ذکر عنقریب آرہا ہے)

اس میں کوئی محل ریب نہیں کہ اس طویل مکتوب میں حضرت مجدد کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے بہت زیادہ محرّف اور غلط ہیں، بنا بریں بعض افراد نے کہا ہے کہ یہ مکتوب جناب شیخ نے نہیں لکھا ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں کیوں کہ مجددی حضرات پہلے ہی دن سے اس کا ذکر کر رہے ہیں اور ردّ لکھ رہے ہیں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں ہے کہ اس مکتوب کی وجہ سے حضرت مجدد کے معاندین میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ البتہ مطابع کے ظہور کے بعد سے حالات نے پلٹا کھایا۔ کیوں کہ جس نے بھی مکتوبات کا مطالعہ کیا وہ صدق دل سے آپ کی بزرگی اور جلالتِ قدر کا قائل ہوا۔ اس پر ظاہر ہو گیا کہ الزامات باطل ہیں۔

محرم ۱۳۸۴ھ / مئی ۱۹۶۴ء میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے کتاب حیات شیخ عبد الحق میں جناب شیخ کے اس طویل مکتوب کو طبع کیا، اور مکتوب سے پہلے یہ عبارت لکھی ہے۔

"یہ مکتوب شیخ مجدد اور شیخ محدث کے تعلقات کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتا ہے۔ شیخ محدث نے مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے۔ اُن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، جس شخص نے مجدد صاحب پر اعتراض کئے ہیں اس کو ان سے جو محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔" این مقدار کہ مرا بہ شما محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود "۔

کتاب "حیات عبد الحق" میں اس مختصر و موثر تعارف کے ساتھ مکتوب طویل کی طباعت نے نئی تعلیم کے دلدادگان میں ہلچل مچادی، کسی نے کتاب لکھی، کسی نے پیش لفظ عقیدت کے ساتھ پیش کیا کسی نے تحسین کی کسی نے صلہ دیا، کسی نے اس سے استفادہ کر کے دوسری کتاب لکھدی، کسی کی کتاب ہندوستان میں چھپی، کسی کی لندن میں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے ہاتھ کوئی راز آگیا ہے۔ حالانکہ نہ وہ راز ہے اور نہ کوئی نئی بات۔ یہ سب کچھ صدہا سال پہلے گزر چکا ہے اور اہل حق نے خوب تفصیل سے الزامات کا بطلان ثابت کر دیا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد کو چاہیئے تھا کہ یا تو اس مکتوب کو نہ چھاپتے اور اگر کسی وجہ سے اس کا چھاپنا ضروری تھا تو پھر منصفانہ طور پر جناب شیخ کی تحریر کا جائزہ لیتے۔ اور دیکھتے کہ آیا انھوں نے حضرت مجدد کی عبارتیں صحیح نقل کی ہیں یا ان میں تحریف ہے۔ حضرت مجدد کے مکاتیب چند مرتبہ چھپ گئے ہیں۔ ہر شخص ان کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد صاحب نے لکھا ہے۔ "مجدد صاحب کے جن جن خیالات پر اعتراض کیا ہے ان پر

سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔" حضرت مجدّد کی اولاد اور آپ کے ماننے والوں نے صدہا سال سے اس پر سنجیدگی سے غور کیا ہے اور سب کچھ بیان کر دیا ہے، اب تو ضرورت اس بات کی ہے کہ خلیق احمد صاحب سنجیدگی سے ان رسائل کو پڑھیں اور ان تحریرات کو سمجھیں جو عالی قدر حضرات چھوڑ گئے ہیں۔ اور پھر اس محبّت کی قدر و قیمت کا اندازہ کریں جو "ایں مقدار کہ مرا بہ شما محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود۔" سے ظاہر ہوتی ہے۔

میں نے بہ کثرت حضرات مشائخ کرام کے مبارک احوال کا مطالعہ کیا ہے۔ جو ظلم و ستم معاندوں نے حضرت مجدّد کے ساتھ کیا ہے اور کر رہے ہیں اس کی نظیر مجھ کو نہیں ملی ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ آپ نے اہل زیغ کے لئے ان کی کج روی کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے کیا خوب حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "اللہ نے جو طریقہ اپنے انبیاء کے ساتھ رکھا ہے اور جو اس کی عادت مستمرہ ہے، وہی اس نے حضرت مجدّد کے ساتھ کیا۔ کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہاء نے انکار کیا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں بیشی ہوتی رہے۔"

میری نظر میں جناب شیخ کا یہ مکتوب ایک خصوصی مکتوب تھا جس میں انھوں نے اپنے دل کی وہ تمام الجھنیں جو پینتیس سال سے ان کو بے چین کئے ہوئی تھیں ظاہر کر دی ہیں، ان کو جو بات بھی کسی ذریعہ سے پہنچی تھی لکھ دی۔ انھوں نے ذریعہ کے مُستنَد یا نا مُستنَد ہونے کو نہیں دیکھا ہے اور ان کو حضرت مجدّد سے امید تھی کہ وہ اس کا جواب تحریر فرمائیں گے، لیکن وقت گزر چکا تھا اور حضرت مجدّد مخصوص گوشہ میں مصروف عبادت ہو کر رفیق اعلیٰ کے پاس جانے کی تیاری کر رہے تھے، بلکہ آپ کی علالت بھی شروع ہو گئی تھی اور آپ شوق وصال میں یہ ہندی مصرع زبان پر لاتے تھے۔ "آج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دینوں وار" لہٰذا آپ نے جناب شیخ کو جواب تحریر نہ فرمایا۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ جناب شیخ نے اپنے مکتوب میں بعض جگہ جو صریح جارحیت کی ہے۔ جیسا کہ تحریر فرمایا ہے۔ "در آخر سکر را بہانہ ساختہ اند" اس کا اثر جناب شیخ پر ہوا ہے اور آپ نے خواجہ حسام الدین کو وہ مکتوب لکھا ہے جس کا بیان بہ عنوان "اخلاص نامہ" عنقریب آ رہا ہے۔

چوں کہ یہ نجی مکتوب تھا بنا بریں جناب شیخ نے اس کو اپنی کتاب "المکاتیب والرسائل" میں درج نہیں کیا، اور شاہ فتح محمد کی روایت اور حضرت مرزا جان جاناں مظہر کا بیان یقیناً درست ہے کہ جناب شیخ نے اس مکتوب کو ضائع کرنے کی وصیت کی تھی:-

ایک نجی مکتوب جس میں برادرانہ شکوے شکایتیں ہوں عوام کے سامنے لانا یا اس پر رائے زنی کرنی از روئے انصاف کب درست ہے۔ ایسے مکتوب کی تشہیر خود جناب شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے موجب بدنامی ہے۔

نہ ہر فعلے مسرّت خیز باشد   نہ ہر قولے طَرَب انگیز باشد
بسے کردار حملش بار گردد   بسے گفتار خِزی و عار گردد
بدی را اَرچہ کم باشد بداں بیش   دلیلش ظاہر است اندک بیندیش
ببیں خارے بہ دَرد آرد تنے را   بسوزد اخگرے صَد خرمنے را
بود زہرِ ہلاہل گرچہ اندک   شود وجہِ ہلاکِ خلق بے شک۔
اگر در رَاوِیاں شخصے جہُول است   بیانِ جملہ بیکار و فضُول است
کلامِ نیک باشد جملہ مقبول   بہ تحریفے شود مَردُود و مَبذُول

چوں کہ جناب شیخ کے مکتوب کو حضرت مجدد کے مخالفوں نے صحیفۂ آسمانی کا درجہ دے رکھا ہے اور بلا وجہ حضرت مجدّد پر الزامات عائد کئے جا رہے ہیں، اس لئے میں اس مکتوب کے ایک حصہ پر کچھ تبصرہ کرتا ہوں۔

عیبِ مستاں مکن اے خواجہ کزیں کہنہ رباط   کس نہ دانست کہ رحلت بہ چساں خواہد بود

مکتوب کا کچھ بیان

"حیات شیخ عبدالحق" میں یہ مکتوب چھپ کر ان افراد کے ہاتھوں تک پہنچ گیا ہے جو وحدت ادیان کے فلسفہ کی تشکیل میں لگے ہوئے ہیں جن کی نظر میں نماز، روزہ، حج ابتدائی تدریجی امور ہیں اور اصل کار "سب وہی سب وہی" ہے۔

چوں کہ ان لوگوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حضرت مجدد کی ذات اور آپ کی تعلیمات ہیں اس لئے آپ کی مخالفت اور آپ کو بدنام کرنے کے لئے یہ سب ساعی ہو گئے ہیں۔ اس کام کیلئے شیعہ سُنّی کی تفریق بھی بہ ظاہر مٹا دی گئی ہے۔ ان لوگوں کے سامنے جناب شیخ کی تحریر آئی تو اس کو تائیدِ غیبی سمجھ بیٹھے۔ اور حضرت مجدّد پر حملے شروع کر دیئے۔

میں جناب شیخ کی صرف ان عبارتوں پر کچھ تبصرہ کرتا ہوں جن کو ان لوگوں نے نقل کیا ہے۔

آہستہ برگِ گل بفشان بر مزارِ ما   بس نازک است شیشۂ دل در کنارِ ما

۱۔ جناب شیخ نے لکھا ہے۔

"چوں در ضمنِ آں تنقیص و تخطیۂ بزرگانے کہ اتفاق است بر بزرگی ایشان مثل سید الطائفہ جنید بغدادی و سلطان العارفین بایزید بسطامی و امثال ایشاں و گفتہ اند کہ ایں بیچارہ ہا حقیقت کار در نیافتہ و بہ اصلی نہ رسیدہ و گرفتار ظل ماندہ اند و ادعاے آں کہ آنچہ ایشان را دادہ اند ہیچ کس را نہ دادہ اند"[1]

ترجمہ " چونکہ اس ضمن میں ان بزرگوں کی تنقیص اور ان کا خطا پر ہونا بیان کیا ہے جن کی بزرگی پر اتفاق ہے جیسے سیّد طائفہ حضرت جنید بغدادی اور سلطانِ عارفین حضرت بایزید بسطامی اور ان جیسے دوسرے اکابر اور کہا ہے۔ یہ بیچارے معاملہ کی تہہ اور اس کی اصل تک نہیں پہنچے ہیں، بلکہ سایوں میں پھنس کر رہ گئے

---

[1] حیات شیخ عبدالحق صفحہ ۳۴۳۔ چونکہ صحت کے اعتبار سے بدیہ مجددیہ کی نقل کردہ عبارت میری نظر میں اصح ہے اسلئے اختلاف کی صورت میں اس کو ترجیح دیتا ہوں۔

ہیں۔ اور آپ نے یہ اِدّعا کیا ہے کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے کسی کو نہیں ملا ہے"

یہ عبارت حضرت شیخ نے لکھی ہے۔ میں اب ان لوگوں سے دریافت کرتا ہوں جن کی نظر میں یہ تحریر صحیفۂ آسمانی بنی ہوئی ہے کہ حضرت مجدد کے رسائل اور آپ کے مکاتیب سب کے سامنے ہیں کیا وہ یہ عبارت دکھا سکتے ہیں۔ "شیخ اکبر اور وحدت وجود" کے بیان میں حضرتِ مجددؒ کے مکاتیب سے آپ کا بیان نقل کرچکا ہوں۔ آپ نے جو عزت اور احترام ان بزرگوں کا کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے آپ اپنے کو ان کے خوانِ نعمت کا ایک ادنیٰ زَلّہ بردار اور ریزہ چین ظاہر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں یہ مقامِ توحید ہر سالک کو راہِ سلوک میں پیش آتا ہے (چنانچہ خود مجھ کو بھی پیش آیا ہے) اور پھر اللہ کے لطف سے مقامِ شہود تک رسائی ہوئی ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ان حضرات سے کلماتِ توحید کا صُدور اس وقت ہوا ہے جب وہ اس مقام میں تھے۔ اللہ ان لوگوں کو انصاف دے یہ کہاں سے سمجھ گئے کہ ان بزرگوں کو اس مقام سے ترقی نہیں ہوئی ہے اور اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ [۱]

افسوس صد افسوس جن لوگوں کو دین و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے وہ آج معارف و اسرار کے عقدے حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اولیائے پروردگار کو مطعون کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ظِل کا لفظ دیکھا جس کے معنی سایہ ہیں۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ بارگاہِ قرب میں سائے ہوتے ہیں۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ وہ عالم تو بتمامہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے وہاں ظل اور سایہ کا کیا سوال۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ارشادِ ربانی ہے کہ نورانی طبقات ایک پر ایک ہیں حضرات مشائخ کرام ہر نورانی طبقہ کو اس سے بالاتر نورانی طبقہ کے لئے بہ منزلۂ ظل سایہ قرار دیتے ہیں اور شریعت کی زبان میں اس کی تعبیر غَیْن سے کی گئی ہے جو کہ غَیْم و سَحاب اور اَبْر کو کہتے ہیں۔ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ [۲] "میرے قلب پر انوار کی تہہ پڑتی ہے، سکینہ کے بادل چھاتے ہیں اور میں سو بار دن میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں"۔ ہر آن اور ہر زمان آپ منازل طے کرتے تھے اور ہر تحتانی منزل بہ منزلۂ اَبْر و سایہ اور ظل کے نظر آتی تھی۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

حضرت مجدد تو اپنے کو حضراتِ مشائخ کا پروردہ اور خوشہ چین لکھتے ہیں ایک جگہ بھی آپ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ جو کچھ مجھ کو ملا ہے کسی کو نہیں ملا ہے۔ یہ آپ پر بہتان اور صریح الزام ہے۔ کیا کوئی شخص حضرت کے رسائل یا مکاتیب میں یہ عبارت دکھا سکتا ہے۔؟

۲۔ اور جناب شیخ نے لکھا ہے۔

" ویکے ازاں مواضع کہ بسے خطرناک واز رعایتِ مقام ادب دور است آن است کہ درباب

---

[۱] مکتوب ۲۹۰ دفتر اول کو مطالعہ کریں۔ [۲] مشکات باب الاستغفار فصل اول۔

حضرتِ غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گفتہ اند کہ کثرتِ ظہور کرامات از ایشان از جہت آں بود کہ نزول ایشان ناقص بود۔"[1]

"یس شواہد تجدید" کے بیان میں کثرت و قلّتِ خوارق کے سلسلہ میں حضرت مجدد کی عبارت کا ترجمہ لکھ چکا ہوں جو کہ درج ذیل ہے۔

حضرت کا عروج اکثر اولیائے امّت سے بلند تر واقع ہوا ہے اور آپ کا نزول مقامِ رُوح تک تھا۔ جو کہ عالمِ اسباب سے بالاتر ہے۔"

اب میں آپ کے مکتوب گرامی سے جو کہ دفتر اول کا ۲۱۶ مکتوب ہے آپ کے الفاظ لکھتا ہوں:

"عروج ایشاں از اکثر اولیا بلند تر واقع شدہ است و در جانب نزول تا مقامِ روح فرو آمدہ اند کہ از عالم اسباب بلند تر است۔"

حضرت مجدّد نے لفظ ناقص کہیں نہیں لکھا ہے یہ آپ پر الزام ہے اور جناب شیخ نے اسی لفظ کی وجہ سے "موضعِ خطرناک" اور "از رعایتِ مقامِ ادب دور" کہا ہے۔

خیال کرنا چاہیئے کہ ولایت و بزرگی کا تعلق عروج سے ہے۔ بارگاہ خداوندی سے جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا، ولایت کا مقام اتنا ہی بلند و بالا ہوگا۔ جب کہ حضرت مجدّد صراحت کے ساتھ حضرت غوث الثقلین کے متعلق لکھ رہے ہیں کہ ان کا عروج اکثر اولیائے امّت سے بلند تر ہے تو پھر "ایسے خطرناک" اور "از مقام ادب دور" لکھنے کی کیا وجہ!

حضرت مجدّد نے رسالہ مکاشفات غیبیّہ میں لکھا ہے۔

" واصلان ذات این بزرگواران کہ بہ اَفْرَاد مُلقّب اند اَقَلِّ قلیل اند۔ اکابر صحابہ و ائمہ اثنیٰ عشر از اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین بہ ایں دولت فائز اند و از اکابر اولیاء اللہ غوث الثقلین قطبِ ربّانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس بہ ایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شان خاص دارند کہ اولیائے دیگر ازاں خصوصیت قلیل النصیب اند۔"[2]

ترجمہ۔" حضرات مشائخ کرام میں سے وہ پاک نہاد جن کو "اَفْرَاد" کہتے ہیں اور وہ واصلان ذات ہیں، نہایت قلیل ہیں۔ اکابر صحابہ اور ائمہ اثنیٰ عشر از اہل بیت اَطہار اس دولت سے فائز ہیں اور اکابر اولیاء اللہ میں سے حضرت غوث اعظم اسی دولت سے ممتاز ہیں اور اس مقام میں آپ کی نرالی شان ہے کہ دیگر اولیاء اللہ اس دولت سے کم بہرہ ور ہیں۔"

اور حضرت مجدّد نے رسالہ مبدا و معاد کے اوائل میں لکھا ہے۔

" و دریں عروج اخیر کہ عروج در مقامات اصل است مدد از روحانیت حضرت غوث الاعظم

---

[1] خیاتِ عبدالحق صفحہ ۳۱۴۔ [2] مجموعہ رسائل سبعہ قلمی صفحہ ۱۲۷۔

محی الدین شیخ عبدالقادر بود قدس اللہ سرہ الاقدس، و بہ قوتِ تصرف ازاں مقامات گزرانیدند و بہ اَصْلُ الْاَصْلِ وَاصِل کردند و ازانجا بہ عالم باز گردانیدند۔" [1]

ترجمہ: "اس عروجِ اخیر سے جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے حضرت غوث اعظم کی روحانیت اور آپ کی قُوَّتِ تَصَرّف کی بنا پر میرا گزر اور اصل الاصل تک میرا وصول ہوا ہے اور وہاں سے میری واپسی عالم کو ہوئی ہے۔"

سیّدنا عبدالقادر جیلانی سے جو محبت و ارتباط حضرت مجدّد کو تھا محتاج بیان نہیں حضرت مجدّد نے قلّت و کثرتِ خوارق کے سلسلہ میں جو بات کہی ہے کہ حضرت غوث کا نزول مقامِ روح تک تھا اس سے آپ کے مخالفین نے یہ فتنہ برپا کر دیا۔ حالانکہ حضرت غوث کے لئے اس مقام تک نزول اَکْمَل وَ اَفْضَل تھا کیونکہ آپ سے اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت خوارق ظاہر کرانے تھے۔ اگر آپ کا نزول مقام قلب تک ہو جاتا تو آپ سے خوارق بہ کثرت ظاہر نہ ہوتے۔

حضرت مجدّد نے حضرت غوث کی ولایت و بزرگی کو نہایت عمدہ طریقہ پر بیان کیا ہے، پھر بھی حضرت مجدّد کو بدنام کرنے کے لئے آپ پر الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ کیا یہی انصاف ہے۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔ کیا اسی کو آزاد خیالی کہتے ہیں۔

۳۔ اور جناب شیخ نے لکھا ہے۔

"واں کہ در بعض مکتوبات نوشتہ اند کہ انگارم کہ حکمت در پیدا کردن من آن است کہ تا کمال ابراہیمی و محمدی در یک جا جمع شود و اشد و اعظم است از ہمہ،" [2]

(ترجمہ) اور وہ جو بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کمالِ ابراہیمی اور محمدی ایک جگہ جمع ہو جائے۔ سب سے زیادہ سخت اور سب سے بڑھا ہوا ہے۔"

اس عبارت کا تعلق دفتر دوم کے چھٹے مکتوب سے ہے۔ کاش کہ عبارت صحیح نقل کر دی ہوتی حضرت مجدّد نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"انگارم کہ مقصود از آفرینش من آن است کہ ولایتِ محمدی بہ ولایتِ ابراہیمی منصبغ گردد و حُسنِ مَلاحَتِ ایں ولایت بہ اِجْمَالِ صَبَاحَتِ آں ولایت ممتزج شود، وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَ اَنَا اَمْلَحُ۔ و بہ ایں انصباغ و امتزاج مقامِ محبوبیت محمدیہ بہ درجہ عُلْیَا رسد۔" -

(ترجمہ) میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایتِ محمدی ولایتِ ابراہیمی سے رنگین ہو اور ولایت محمدی کا حُسنِ مَلَاحَت ولایتِ ابراہیمی کے اِجْمَالِ صَبَاحت سے مل جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ میرے بھائی یوسف میں صباحت اور مجھ میں ملاحت ہے۔ اس طرح کی رنگینی اور آمیزش

---

[1] مجموعہ رسائل سبعہ صلا۔ [2] حیاتِ عبدالحق صفحہ ۳۱۴۔

سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجۂ عُلیا کو پہنچ جائے گا۔"

اِجمالِ صباحت سے اشارہ اس ضمنی اتباعِ مِلّتِ ابراہیمی کی طرف ہے جو آیت اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا سے مستفاد ہے۔

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ جناب شیخ کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں۔ باوجود اس کے جناب شیخ کا یہ اعتراض نقل کر کے لکھا ہے۔

"بداں کہ ہمیں عبارت است کہ موجب افترائے بسیار برایشاں گردیدہ و مردم بہ گمانِ خود سخنہا بربافتہ اند چناں چہ حضرت شیخ دَرْ ہمیں رسالہ نوشتہ کہ شامی گویند در خلوتے کہ منم محمد بر دَرْ است و مردم مشہور ساختہ اند کہ ایشاں رسالۂ معراجیہ نوشتہ اند و معراج خود بلند تر از معراج سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کردہ و نیز می گویند کہ ایشاں گفتہ اند من و رسول خدا اسپ دَرْ مَیدانِ قرب تاختیم اسپ من سبقت کرد معاذ اللہ، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا - ایں ہر سہ مقدمہ محض افترا است در ہیچ جا و ہیچ وقت ایں کلمات نہ گفتہ اند۔"[1]

(ترجمہ) جان لو کہ یہی وہ عبارت ہے جو حضرت مجدد پر بہت افترا اور تہمتوں کا سبب بنی ہے اور لوگوں نے صرف اپنے گمان کی بنا پر من گھڑت افسانے بنا ڈالے ہیں چناں چہ خود حضرت شیخ نے اسی رسالے میں لکھا ہے کہ آپ کہتے ہیں "جس خلوت میں مَیں ہوں محمدؐ اس کے دروازہ پر ہیں" اور لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ "آپ نے رسالۂ معراجیہ لکھا ہے جس میں اپنی معراج کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے بلند تر بتایا ہے" لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے کہا ہے "میدانِ قرب میں میں نے اور رسول خدا نے گھوڑے دوڑائے اور میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا" پناہ بہ خدا "کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے، سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں" یہ تینوں باتیں نری تہمتیں ہیں۔ کسی جگہ اور کسی وقت بھی آپ نے یہ باتیں نہیں کہی ہیں۔"

افسوس صد افسوس کیسے جھوٹے الزام لگائے جا رہے ہیں اور ان الزامات کو دیکھ کر علماء کفر کا فتویٰ کیونکر نہ دیں گے اور آپ کو واجب القتل کیسے قرار نہ دیا جائے گا، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور دعویٰ ہے۔

"این مقدار کہ مرا بہ شما محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود۔"

(ترجمہ) جس مقدار میں کہ مجھ کو آپ سے محبت اور یگانگت ہے، کم کسی کو رہی ہوگی۔"

حضرت مجدد اور آپ کے صاحبزادوں کو مطعون کرنے والے افراد حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کی مندرجہ بالا تحریر کو پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ حضرت مجدد کے خلاف کیسی گہری اور گھناؤنی

---

[1] قلمی رسالہ صفحہ ۱۵۔

سازش برپا کی گئی تھی۔ اور اس صورت میں جہانگیر کا آپ کو قتل نہ کرانا ایک عجوبہ ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔

قولہ انکارم۔ الخ۔ حاصل کلامِ شریف آن است کہ از کمالِ متابعتِ حضرت رسالت مرتبت علیہ السلام والتحیۃ و متابعتِ ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کہ بہ حکم وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا در ضمنِ آں متابعت است۔ حق سبحانہ بہ طفیلِ ہر دو صاحبِ شریعت چنانچہ خادم را از مخدوم می رسد کمالاتِ آں ہر دو صاحب شریعت بہ من رسید واز اولیا بہ ہیچ کس نہ رسید ایں اظہار نعمت و شکر است واگر افتخار ہبر اولیا ہم معلوم شود مُضَایَقَہ نہ دارد چہ اولیاء سابق کلمات افتخار بر فضل خود بسیار فرمودہ اند[1] الخ

(ترجمہ) حضرت مجددؒ نے جو یہ بات کہی ہے کہ ”میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش کا مطلب یہ ہے“ تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ متابعت کی وجہ سے مجھ کو متابعتِ ابراہیم علیہ السلام کا شرف بھی عنایت کیا ہے جو کہ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا کے ضمن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دونوں اصحابِ شریعت کے کمالات سے اس حیثیت سے مستفید کیا ہے جیسا کہ خادم زلّہ بردار مستفید ہوا کرتا ہے، یہ صورتِ استفادہ اولیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد اظہار شکر کی بنا پر ہے اور اگر اس کو افتخار پر حمل کر لیا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ اولیائے پیشین سے اللہ کے فضل پر بہ کثرت افتخار ثابت ہے۔ الخ۔ اور آپ نے مثال میں حضرت غوث اعظم کا قول قَدَمِیْ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ لکھا ہے۔

خُلّتِ ابراہیمی کی ولایت اور محبوبیّتِ محمدی کی ولایت کے امتزاج اور اختلاط کے سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے پر از حقائق مضمون لکھا ہے، میں اس کا خلاصہ ذیل میں لکھتا ہوں۔

”ولایتِ خُلّت کے علاوہ دوسری ولایتوں کا بیان شارع نے کیا ہے۔ چاہے وہ بیان صراحت کے ساتھ ہوا ہو چاہے کنایہ اور اشارہ سے۔ جیسے ولایتِ محبت ہے۔ اس کا پتہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اور يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ سے اور ولایتِ رِضا کا پتہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اور لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، سے چلتا ہے لیکن ولایتِ خُلّت کا پتہ کسی جگہ سے نہیں ملتا۔

حضراتِ صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد حضرت جنید بغدادی اور مشائخ قادریہ وچشتیہ کے زمانے تک ولایتِ خُلّت کے علاوہ دوسری ولایتوں کے ذریعہ کمالات حاصل کئے جاتے تھے اور ان ولایتوں سے کمالات حاصل کرنے کے طریقے کتابوں میں مُدوّن و مرتّب اور مبوّب ہوئے۔

حضرت مجددؒ سے پہلے طریقہ نقشبندیہ کی راہِ محبت و محبوبیت تھی۔ ذکر جہر و وَجد و شوق ان کا

---

[1] رسالہ اخفاق قلمی صفحہ ۷۔

مشغلہ تھا، حضرت عبدالخالق غجدوانی اس طریقہ کے بانی ہیں۔ ان کو خضر نے ذکرِ خفی کی تعلیم دی۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری نے اس طریقے کی آبیاری کی اور وہ بار آور ہوا۔ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے زمانے میں علومِ توحید کا امتزاج ہوا یعنی جناب شیخ اکبر کے بیان کردہ علوم اس طریقے میں بھی رائج ہو گئے اور اس امتزاج نے ایسا رنگ پیدا کیا کہ علوم توحید کا غلبہ ہو گیا۔

اب حضرت مجدد کا دور آیا، آپ نے ان تمام علوم کو بُطونُ البُطون میں پہنچایا یعنی انکو چھوڑا اور اپنے چاکِ سینہ سے محبوب تک پہنچنے کا ایسا راستہ نکالا کہ شوق و وجد ایک طرف رہ گئے اور مدارِ کار قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ اور عناصر پر ہوا، یہاں تک کہ باطن سے انوار اٹھ کر پھر باطن پر گرنے لگے تا آں کہ مقامِ خلّت نے جلوہ دکھایا۔

محبت عاشقی ہے اور محبوبیت معشوقی اور خلّت دوستی و یاری، عاشقی میں آہ و نعرہ و بیتابی اور سر پھوڑنا ہے۔ اور معشوقی میں ناز و دلال و فخر و مباہات، اور خلّت میں صحبت و سرگوشی اور راز و نیاز از جانبین۔

یہ ہے اجمالِ صباحتِ خلّت، اور اگر کوئی تفصیل چاہتا ہے تو حضراتِ مجددیہ کی صحبت چند سال اختیار کرے اور پھر بہ طریقِ وجدان خود ملاحظہ کر لے (اور دیکھ لے کہ ولایتِ محمدی کا حسن ملاحت ولایت ابراہیمی کے اجمال صباحت سے کس طرح ملا ہے اور اس آمیزش سے محبوبیتِ محمدیہ کا مقام کس درجہ علیا کو پہنچا ہے)۔

راہِ ولایتِ خلّت کا بیان ایک ہزار سال سے کسی نے نہیں کیا تھا، یہ مقام سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر شریف میں مکنون و مخزون تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کی ذات کو اس مقام کے ظہور کا منشا بنایا اور آپ کے طفیل ہزارہا طالبانِ حق اس راہ سے مستفید ہوئے۔

عجب تر یہ ہے کہ سالہا سال حضرت مجدد نے اس طریقہ اور راہ سے طالبانِ حق کی رہبری کی اور پھر حضرت سکندر فرزند پسر حضرت کمال کیتھلی سرہند آئے اور سر حلقۂ طریقۂ محبوبیت حضرتِ غوثِ صمدانی سیدنا عبدالقادر جیلانی کا مبارک خرقہ آپ کو پہنایا اس طرح آپ از راہِ مقامِ خلّت مقامِ محبوبیت کو پہنچے۔ پروردگار اپنے خاص بندوں سے ایسے عجیب معاملات کرتا ہے عجب تر معاملہ یہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کے ساتھ کیا ہے۔ کہ ابتدائے کار مقام ابراہیمی سے ہوئی جب کہ آپ نے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھا۔ پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور آپ نے یہود اور نصاریٰ سے جہاد کیا اور آپ کو مقامِ موسوی اور مقامِ عیسوی عنایت ہوا۔ ان دونوں مقاموں کا آغاز از وقتِ اسرا بہ سوئے بیت المقدس ہو چکا تھا اور غزوہ تبوک پر اسمیں تضاعف اور تزاید ہوا۔ اور حجۃ الوداع میں پھر کمالِ ابراہیمی سے مشرف ہوئے اور اس طرح "اَلنِّهَایَةُ هِیَ الرُّجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَةِ"

متحقق ہوا۔ یعنی ابتدائے سیر سالک جہاں سے ہوتی ہے جب لوٹ کر پھر اس مقام پر آجاتا ہے تو سیر کی انتہا ہو جاتی ہے۔"[1]

افسوس صد افسوس جناب شیخ نے نہ تو نقل میں صحّت کا خیال رکھا اور نہ مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ علمِ ظاہر اور شے ہے اور علمِ باطن کچھ اور ہے۔ حضرت مجدّد پر جو کشف ہوتا تھا اس کو وہ بیان فرماتے تھے۔ اور آپ کے کشف کی صحت کے قائل آپ کے پیرو مرشد تھے۔ جناب شیخ کو مناسب نہ تھا کہ وہ اسرار و معارف میں حضرت مجدّد پر نکیر کرتے۔

حضرت شاہ غلام علی اپنے دوَر کے قیوّم تھے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ کو اُن کے پیر و مرشد عَلَم الہدیٰ فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے اگر مجھ سے ربّ العزّت کہے گا کہ میرے واسطے کیا تحفہ لایا ہے تو میں عرض کروں گا۔ ثَنَاءُ اللّٰہ۔ اور حضرت قاضی صاحب کو ان کے اُستاد زادے حضرت شاہ عبدالعزیز بیہقیِ وقت کہتے تھے اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے علم و کمال کا ایک جہان قائل ہے۔ یہ تینوں حضرات سرچشمہائے علم و عرفانِ الٰہی تھے۔ جب یہ کسی کی عظمت و ولایت کے معترف ہوں تو یقین کامل ہے کہ وہ شخص ولیِ پروردگار ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ ایک جنازہ گزرا اصحابہ نے اس کی خوبی کا بیان کیا آپ نے فرمایا۔ "وَجَبَتْ" واجب ہوئی۔ پھر ایک جنازہ گزرا اور اس کی بُرائی کا بیان ہوا آپ نے فرمایا۔ واجب ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ علیکَ وَسَلَّمَ۔ کیا واجب ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے جس کی خوبی بیان کی اس کے واسطے جنّت اور جس کی بُرائی بیان کی اس کے واسطے دوزخ واجب ہوئی۔ اَنْتُمْ شُھَدَاءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ۔ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔[2] یہ تینوں حضرات شہداء اللہ ہیں اور ان کی گواہی یقیناً مقبول ہے۔

جنابِ شیخ نے کہیں سے خلوت کی بات سُنی کہیں سے رسالۂ معراجیہ کی داستان اور کہیں سے اَسْپِ دَوَانی کا قصہ اور پھر آپ کی محرف عبارت پڑھ کر "اَشَدّ وَاَعْظَمُ" کا حکم صادر کر کے لکھا ہے۔

"وگفتہ اند کہ ہمہ کمالات محمدیہ بے تفاوت در ذاتِ مَن حاصل است لیکن بہ تبع و طفیل است مردے ثِقَۂِ صادق اَز ایشاں شنید، آن شخص گفت ازیں جا مزیّتِ شما بر انبیا لازم می آید جواب دادند آں جا بہ اِصَالت است و ایں جا بہ طفیل"[3]

ترجمہ۔ "اور آپ نے کہا ہے کہ تمام کمالاتِ محمدیہ بلا تفاوت میری ذات کو حاصل ہیں لیکن ایک طفیلی اور تابع کی حیثیت سے۔ ایک ثقہ اور معتبر شخص نے یہ بات آپ سے سُنی ہے اور اس نے آپ سے کہا ہے کہ اس صورت میں آپ کی فضیلت انبیاء پر لازم آتی ہے۔ آپ نے جواب دیا، وہاں یہ کمالات بہ طور اِصَالت ہیں اور یہاں بہ طور تبعیّت۔"

---

[1] اس بیان کو رسالہ دفع اعتراضات میں ملاحظہ کریں۔ [2] مشکات باب المشی بالجنازۃ۔ [3] حیات عبدالحق ص۱۸۲

جناب شیخ کی عجیب حالت ہے جو شخص بھی ان سے حضرت مجدد کے متعلق کوئی بات کہتا ہے وہ اس بات کو قبول کرتے ہیں اور اس شخص کو صادق اور ثقہ قرار دیتے ہیں اور حضرت مجدد پر الزام عائد کر دیتے ہیں۔ جناب شیخ کی اس عبارت کو حضرت شاہ غلام علی نے نقل کر کے لکھا ہے۔

"یہ بات خلاف واقع ہے۔ حضرت مجدد نے یہ بات کبھی نہیں کہی ہے اور نہ ایسا دعویٰ کیا ہے البتہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو جو کچھ بھی ملا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپ کی متابعت کی وجہ سے ملا ہے۔"[1]

جناب شیخ نے مسموعاتِ کاذبہ اور الزاماتِ باطلہ لکھکر اصل مقصد کا اظہار ان الفاظ سے کیا ہے۔

"ایں ہمہ را می گزرانیدیم تا نوبت بہ ایں مکتوب رسید کہ باعث ایں ہمہ نفرت و وحشت گشت"[2]

ترجمہ۔ میں ان سب باتوں سے درگزر کر رہا تھا یہاں تک کہ اس مکتوب کی باری آئی جو اس تمام نفرت اور وحشت کا ذریعہ بنی۔"

جناب شیخ نے اس جگہ کھُلے اور صاف الفاظ میں اپنی نفرت اور وحشت کا اعتراف کیا ہے، اس صورت میں آپ کی اس تحریر کے متعلق کیا کہا جائے گا جو اسی مکتوب میں آپ نے لکھی ہے۔

"ایں مقدار کہ مرا بہ شما نسبتِ محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود"[3]

ترجمہ۔ جس قدر محبت اور اتحاد مجھ کو آپ سے ہے کم کسی کو ہوگا۔"

اِس تحریر کے بعد جناب شیخ نے حضرت مجدد کے اس مکتوب کو جو نفرت و وحشت کا سبب بنا ہے کاملاً نقل کیا ہے اور پھر اس پر تنقید کی ہے۔ یہاں پر خاص طور پر ذکر کرنے کی یہ بات ہے کہ اس مکتوب کی نقل میں کسی تصرف کا اثر نہیں ہے جزوی اختلاف اور غلطیاں ہیں اور وہ نقل در نقل کا ثمرہ ہیں، چوں کہ اس مکتوب کی وجہ سے جناب شیخ نے حضرت مجدد پر سخت اعتراضات کئے ہیں اس لئے میں پہلے اس مکتوب کو نقل کرتا ہوں اور یہ نقل مکتوبات شریف سے کرتا ہوں تاکہ حضرت مجدد کی تحریر صحیح طور پر سب کے سامنے آئے۔ اور پھر اس کا ترجمہ لکھکر جناب شیخ کے اہم اعتراضات کا بیان کروں گا، حضرت مجدد نے لکھا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ مَن ہُم مُرِیدِ اللہ اَم جَلَّ وَعَلَا وَہم مُرادِ اللہ عزّ شانہٗ، سلسلۂ ارادتِ من بے توسط بہ اَللہ متصل است تعالیٰ، وَیدِ من نائب منابِ یدِ اللہ است سبحانہٗ ارادتِ من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ وسائطِ کثیرہ است۔ در طریقۂ نقشبندیہ بیست و یک واسطہ درمیان است و در طریقۂ قادریہ بیست و پنج و در طریقۂ چشتیہ بیست و ہفت،

---

[1] شاہ غلام علی کا قلمی رسالہ صفحہ ۲۵۔ [2] حیات عبدالحق صفحہ ۲۱۵۔ [3] حیات عبدالحق صفحہ ۳۴۳۔

وارادتِ من بہ اللہ تعالیٰ قبول وساطت نمی نماید چنانچہ گزشت، پس مَن ہَم مُرید محمد رسول اللہ اَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَہَم ہَمہ پَرَّہ پس رَوِاُو[1] بر خوانِ ایں دولت ہر چند طفیلی اَم اَمّا ناخوانده نیامده اَم، وہر چند تابع اَم اَمّا از اِصالت بے بہره نیم، وہر چند اُمتیم اما شریکِ دولتیم نہ شرکتے کہ ازاں دعوے ہمسری خیزد کہ آں کفر است بلکہ شرکت خادم است با مخدوم، تا نہ طلبیده اند، بر سفرۂ ایں دولت حاضر نہ شده ام وتا نہ خواستہ اند دست بہ ایں دولت دراز نہ کرده ام، ہر چند اُویسی اَم اَمّا مُربیِّ حاضر وناظر دارم، ہر چند در طریقہ نقشبندیہ پیرِ من عبدالباقی است، اَمّا متکفلِ تربیتِ مَن اللہ الباقی است، من بہ فضل تربیت یافتہ اَم وبہ راهِ اِجتبا رفتہ، سلسلۂ من سلسلۂ رحمانی است کہ من عبدالرحمٰن اَم چہ ربِّ مَن رحمٰن است ومُربیِّ من ارحم الراحمین وطریقۂ من طریقۂ سبحانی است کہ از راهِ تنزیہ رفتہ اَم واز اسم وصفت جز ذاتِ اقدس تعالیٰ نہ خواستہ، ایں سُبحانی نہ آں سُبحانی است کہ بُسطامی بہ آں قائل گشتہ است کہ آں را بہ ایں مناسبے نیست کہ آں از دائرۂ انفس برآمده است وایں ماورائے انفس وآفاق ست وآں تشبیہ است کہ لباسِ تنزیہ پوشیده است وایں تنزیہ است کہ گردے از تشبیہ بہ وے نہ رسیده وآں از سرچشمۂ سُکر جوش زده است وایں از عَینِ صَحو برآمده است۔ ارحم الراحمین درحق من اسبابِ تربیت را غیر از مُعِدّات نہ داشتہ است وعلّتِ فاعلی در تربیتِ من غیر از فضلِ خود را نہ ساختہ از کمالِ کرم اہتمام وغیرتے کہ درحق من دارد تعالیٰ وتقدس تجویز نمی فرماید کہ فعل دیگرے را در تربیتِ مَن مدخلے باشد یا من بہ دیگرے دریں معنی متوجہ گردم مُرباۓ الٰہی اَم جل شانہٗ ومجتبائے فضل وکرمِ نامتناہی او تعالیٰ ؎ باکریماں کارہا دشوار نیست۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ وَالْمِنَّۃِ، وَالصَّلَاۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالتَّحِیَّۃُ اَوَّلًا وَّآخِرًا۔[2]

(ترجمہ) تعریف اللہ کے واسطے اور سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر۔ میں اللہ تعالیٰ کا مُرید بھی

---

[1] وَہم ہمہ پَرَّہ پس رَوِاُو، چونکہ لفظ پَرّہ کا استعمال کم ہے اسی واسطے ناقلوں کا تختۂ مشق بنا ہے۔ حیاتِ عبدالحق میں جناب شیخ کے طویل مکتوب میں دو طرح لکھا ہوا ہے۔ صفحہ ۳۱۵ میں "وہم ہمہ و پس رَوِاُو" اور صفحہ ۳۱۹ میں "ہمسرہ اویم" اور مکتوبات شریف مطبوعہ احمدی دہلی کے سنہ ۱۲۸۸ھ کے نسخہ میں اور نولکشور کے سنہ ۱۲۹۳ھ کے مطبوعہ میں "وہم ہمپیرۂ پس رَوِاُو" اور مطبوعہ مولوی نور احمد لیپروری امرتسری در سنہ ۱۳۳۲ھ میں "وہم ہمپیرۂ پس رَوِاُو" ہے۔ مولانا وکیل احمد سکندرپوری نے کتاب ہدیہ مجددیہ کے صفحہ ۱۹۵ میں لکھا ہے "مکتوبات شریف میں ہمپیرہ کا لفظ نہیں ہے اور نہ ازروئے لغت اس کے کوئی معنی ہیں۔ اگر کسی کو اس لفظ کا ادعا ہے تو وہ لغت سے ثابت کرے۔ یہ لفظ ہم پَرّہ ہے۔ حرفِ ر مشدد ہے اور اس پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی صفِ لشکر اور پرِ کاہ کے ہیں۔ ان دونوں معانی سے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو رہا ہے" اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۹ میں لکھا ہے "اصحابِ ارادت جو پس رو ہوا کرتے ہیں صفِ لشکر سے مشابہت رکھتے ہیں۔"

وکیل احمد کا بیان پڑھ کر میں نے حضرات اجداد کرام کے قلمی نسخوں کو نکالا۔ سنہ ۱۲۰۳ھ کا تحریر شدہ نسخہ حضرت شاہ احمد سعید کے تصرف میں رہا ہے اور آپ نے غالباً اسی نسخہ میں حضرت شاہ غلام علی سے مکتوبات شریفہ از اول تا آخر پڑھے ہیں۔ دوسرا نسخہ دفتر دوم و سوم پر مشتمل ہے۔ کاغذ اور تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارھویں صدی میں لکھا گیا ہوگا۔ تیسرا نسخہ سنہ ۱۲۸۰ھ میں محمد بخش نادان نے لکھا ہے۔ یہ بھی دفتر سوم و دوم پر مشتمل ہے۔ ان تینوں قلمی نسخوں میں وضاحت کے ساتھ ہم پَرّہ لکھا ہے۔ مولانا وکیل احمد کی تحقیق درست ہے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

[2] دفتر سوم کا مکتوب ۸۷۔

ہوں اور مُراد بھی ہوں، میری اِرَادَت کا سلسلہ بغیر کسی تَوَسُّط وَحَیلُولَت کے اللہ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کا نائب مناب ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری اِرَادَت میں بہت واسطے ہیں، طریقۂ نقشبندیہ میں اکیس ۲۱ واسطے اور طریقۂ قادریہ میں پچیس ۲۵ اور طریقۂ چشتیہ میں ستائیس ۲۷، لیکن اَللہ کی ارادت میں جیسا کہ لکھ چکا ہوں وساطت کا سوال نہیں، بنا بریں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُرِید بھی ہوں اور آپ کا "ہَم پَرَہ پَسْ رَوْ" بھی (پیچھے چلنے والا خادم بھی) اگرچہ اس خوانِ نعمت پر طفیلی ہوں تاہم بِن بُلائے نہیں آیا ہوں۔ اگرچہ تابع ہوں لیکن اِصَالت سے محروم نہیں ہوں، اور اگرچہ اُمّتی ہوں لیکن نعمت میں شریک ہوں۔ نہ وہ شرکت جس میں ہَمسَرِی کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت جو کہ ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے، جب تک بُلایا نہ گیا خوانِ نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہ ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، اگرچہ اُوَیسی ہوں (روحانیوں کا پروردہ و تربیت یافتہ)[1] لیکن حاضر و ناظر مُرَبِّی رکھتا ہوں۔ اگرچہ طریقۂ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا متکفل اَللہُ اَلبَاقِی ہے۔ اس کے فضل نے میری تربیت کی ہے اور راہِ اِجْتِبَا پر چلا ہوں (پسندیدہ راہ پر) میرا سلسلہ رحمانی ہے اور میں عبدالرحمٰن ہوں، میرا رَبّ رَحمَان ہے[2] اور مُرَبِّی اَرحَم الراحِمین، میرا طَرِیقَہ طَرِیقۂ سُبْحَانی ہے جس تک رَاہِ تنزیہ سے پہنچا ہوں نام اور صفت سے مُسَمّیٰ کے علاوہ جو کہ ذاتِ بَحْتْ ہے کسی کا طالب نہیں، یہ سُبحَانی وہ سُبْحَانی نہیں ہے جس کے قائل بایزید بسطامی ہوئے تھے۔ ان کے قول کو میرے قول سے کوئی ارتباط نہیں کیوں کہ ان کے قول کا صُدُور دائرۂ اَلْاَنفُس سے ہوا ہے (ابھی بُسطَامی مَقامِ توحید و اَحْوَالِ سُکر میں تھے) اور میرے اس قول کا صُدُور دائرۂ اَلْاَنفُس و آفاق سے وَرَاء ہوا ہے، وہ تشبیہ ہے جو کہ لباسِ تنزیہ میں ہے اور یہ سراسر تنزیہ ہے کہ تشبیہ کا کوئی اَثر اس پر نہیں۔ وہ چشمۂ سُکر و مَدہوشی سے اُبلا ہے اور یہ ہوش و آگاہی کی سوت سے نِکلا ہے[3] میرے لئے اسبابِ تربیت کو ارحم الراحمین نے بہانہ بنایا ہے، اور بجز اس کے فضل کے کوئی شے میری تربیت کی عِلّتِ فاعلی نہیں، کمالِ کرم سے جو عنایت اس کی مجھ پر ہے وہ نہیں چاہتی کہ اس کے سوا کسی اور کے فعل کو میری تربیت میں دخل ہو یا میں کسی کی طرف اس کام کے لئے متوجہ ہوں میں اپنے مولیٰ کا پَروَردَہ اور اس کے فضل و کرم نا متناہی کا برگزیدہ ہوں۔ "باکریماں کارہا دشوار نیست"۔ تعریف اللہ کے واسطے جو جَلَال و اِکرَام اور اِحْسَان والا ہے اور اس کے رسول پر دُرُودِ و نِیَاز، شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔"

حضرت مجدد کے اس مبارک مکتوب کو جب میں پڑھتا ہوں ضمیر کہتا ہے کہ جس وقت حضرت

---

[1] اُوَیسی کا یہ بیان آپ نے دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۱ میں کیا ہے۔ [2] حضرات مشائخ نے کہا ہے کہ ہر شخص کا مُرَبِّی اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم مکرم ہوتا ہے۔ آپ کا مربی اسم رحمٰن تھا اور آپ عبدالرحمٰن ہوئے۔

[3] شیخ اکبر اور وحدتِ وجود کے بیان میں دفتر دوم کے مکتوب ۴۴ کو اَنفُس و آفاق کے سلسلہ میں دیکھیں۔

نے اس کو لکھا ہے آپ کی ہَیئَتِ وحْدَانِی رِیَاضِ اُنس و حُضُورِی میں سَائِر و دَائِر تھی۔ جو اَنعامات ہو رہے تھے اور جن اِکرَامَات کو یاد دلایا جا رہا تھا، زَبانِ قلم ان کا بیان کر رہی تھی، آپ کی کیفیت بہ زبانِ حال کہہ رہی تھی۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَایَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَانَبِیٌّ مُّرْسَلٌ [1]

ترجمہ۔ میری ایک گھڑی اللہ کے ساتھ ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نہ کسی مقرّب فرشتہ کی اور نہ کسی مُرسل نبی کی۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ

جَا اٰئے خیالِ غیر کے فرصت نہیں ہیں   ہیں جلوۂ نگار کی مہمانیوں میں ہم

حضرت مجدّدؒ نے لکھا ہے کہ میری ارادت کا سلسلہ بغیر کسی توسط کے اللہ سے متصل ہے۔

یہ عبارت جنابِ شیخ کے واسطے نہایت برہَمی کا سبب بنی ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ اس عبارت کی وجہ سے حضرت مجدّدؒ کے مُعَانِدُوں نے جو کچھ جناب شیخ سے کہا تھا اور جو مُحرّف عبارتیں پیش کی تھیں ان سب کو جناب شیخ نے صحیح تسلیم کر لیا۔ اور حضرتِ مجدّدؒ کے متعلق یہ خیال کر لیا کہ آپ کو، پناہ بہ خدا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمسَری کا دعویٰ ہے۔ اور "ہم پَرّہ" کے لفظ کو ہمسَر سمجھنے کی وجہ سے مزید اس خیال میں تقویّت ہو گئی۔

اندریں احوال اگر جناب شیخ دوسرے "نیم مُلاّ" کی طرح آپ کو کافر اور واجب القتل قرار دیدیتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن آپ کا اِتّقا، آپ کا اولیائے پروردگار سے اِرتِبَاط، اور آپ کا علم آپ کے کام آیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوا آپ نے تکفیر نہیں کی۔ بلکہ زجر و توبیخ کے حُدُود میں معاملہ کو دائر رکھا۔ اور اس عبارت اور اس کے بعد کی چند عبارتوں پر صفحات لکھ ڈالے۔

وہ افراد جو علومِ دین سے ناواقف ہیں۔ یا وہ افراد کہ جن کے علم کا تعلق ظاہری علوم سے ہے اور وہ حضرات مشائخ کرام کے اقوال اور ان کے علوم سے ناواقف ہیں، یقیناً جنابِ شیخ کی حمایت کریں گے اور حضرت مجدّدؒ کے متعلق بُری رائے کا اظہار کریں گے۔

میرا خیال یہ ہے کہ جس شخص کو بھی شریعت اور طریقت کے علوم اور اصطلاحات سے واقفیت ہے وہ جناب شیخ کے رَوِیّہ کو بعید از انصاف قرار دے گا، کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی بات بُری ہے تو وہ سب کے لئے بُری ہے۔ یہ نہیں کہ بعض کے لئے بُری اور بعض کے لئے اچھی جناب شیخ نے اپنے اس مکتوب میں جو رَوِیّہ اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدّدؒ کے ساتھ امتیاز برت رہے ہیں۔ حضرت مجدّدؒ نے اس مبارک مکتوب میں اَحْوَالِ مُرَادِیّت کا بیان کیا ہے

---

[1] مُلّا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں اس کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ صوفیہ اسکو بکثرت نقل کرتے ہیں اور ملکِ مُقرّب سے جبرئیل مُراد ہیں اور نبی مرسل سے مراد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اور اسمیں اشارہ اس مقامِ استغراق کی طرف ہے جو حضوری کے وقت ہوتا ہے اور جس کو فنا کہتے ہیں۔ یعنی اسوقت سالک روحاً و جسماً اپنے مولیٰ ہی میں مستغرق ہوتا ہے۔

جس کو مقامِ جذبہ کہتے ہیں یعنی پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے جذب کرتا ہے اور اس وقت اس پر نوازشیں کرتا ہے۔ ان نوازشوں کے وقت کوئی واسطہ حائل نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد نے لکھا ہے۔

"تحقیق ایں مقام آن است کہ توسط آن سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام بہ دو معنی تواند بود، یکے آں کہ اُو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم حائل وحاجب بُود درمیانِ سالک و درمیانِ مطلوب و معنی دوم آن است کہ سالک بہ طفیلِ او و بہ توسطِ تبعیت و متابعتِ اُو علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام بہ مطلوب واصل گردد و در طریقِ سلوک و پیش از رسیدن بہ حقیقتِ محمدی توسط بہ ہر دو معنی کائن است بلکہ می انگارم کہ دریں طریق از شیوخ ہر کہ درمیان آمدہ است متوسط و حاجب شہودِ سالک است۔ وائے اگر اَواخرِ حالِ جذبہ تدارک آں نہ نماید و معاملہ از پردہ بہ بے پردگی نہ کشد زیرا کہ در طریقِ جذبہ و بعد از رسیدن بہ حقیقۃ الحقائق توسط بہ معنی ثانی است کہ طفیل و تبعیت است نہ حیلولت و حجاب کہ پردۂ شہود و مشاہدہ و مانند آنہا بود۔"[1]

"اس مقام کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طالب اور مطلوب کے درمیان حائل اور حاجب ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے طفیل اور آپ کی تبعیت اور متابعت کے طفیل طالب اپنے مطلوب سے واصل ہوگیا ہے۔ سلوک کے راستہ میں جب تک سالک حقیقتِ محمدی تک نہیں پہنچا ہے، توسط بہ ہر دو صورت موجود ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ تمام مشائخ جو کہ سلسلہ میں آئے ہیں سالک کے شہود میں حاجب[2] ہیں۔

افسوس ہے اگر جذبہ کا اَواخرِ حال اس کا تدارک نہ کرے اور پردہ سے بے پردگی تک معاملہ نہ پہنچے کیونکہ راہِ جذبہ میں حقیقت الحقائق (حقیقت محمدی) تک پہنچنے کے بعد توسط دوسری صورت اور درجہ کا ہوتا ہے جو بہ معنی طفیلیت اور تبعیت ہے نہ بہ معنی حیلولت و حجاب جو کہ شہود و مشاہدہ اور ان جیسے دوسرے مقامات کے لئے بہ منزلہ پردہ و حجاب کے ہے۔"

حضرت مجدد کے اس بیان کو جو میں نے نقل کیا ہے جناب شیخ نے پڑھ کر اپنا طویل خط لکھا ہے اور حضرت مجدد کے اس کلام کو جس کا تعلق اَواخرِ حالِ جذبہ سے ہے اور جس کو حضرات مشائخ وصلِ عُریان کے نام سے یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

اُو شود عُریان زِتَن مَن اَز خیال   تا خرامم در نہایاتُ الوصال

جناب شیخ بہ صورتِ اطلاق ذکر کرتے ہیں۔ اور حضرت مجدد کے اس واضح بیان کو کہ طفیلیت

---

[1] مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم۔ [2] یہ حجاب دوربین کے شیشوں کی طرح ہیں کہ خود نظر نہیں آتے اور نظر پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اور تبعیّت کا توسط ہر حال میں ہے۔ نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آں کہ می گوئید۔ در قرب و وُصُول تا بہ مقامے رسیدہ ام کہ ہیچ کس واسطہ نیست و ہیچ یکے را دخلے نیست نہ رسول و نہ غیر ویرا۔ اگر واسطہ بودند در وقت سلوک بودند حالا کہ سلوک تمام شدہ و قرب درگاہ حاصل گشتہ و وُصُول بہ حُصُول پیوستہ، ہیچ کس واسطہ نیست و ہمہ منقطع شدند"

(ترجمہ) آپ جو یہ کہتے ہیں کہ قرب و وصول کے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ کوئی شخص واسطہ نہیں ہے اور کسی کا کوئی دخل نہیں ہے، نہ رسول کا نہ ان کے سوا کسی دوسرے کا۔ اگر وہ واسطہ تھے تو دَورانِ سُلوک میں تھے، اب جب کہ سلوک تمام ہو گیا ہے اور درگاہ کا قرب حاصل ہو گیا ہے، کوئی واسطہ نہیں رہا اور سب منقطع ہو چکے۔"[1]

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۶ پر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"اَلْعِیَاذُ بِاللہِ این چہ خلاف نویسی است و این چہ بے تحقیق گوئی است۔ در ہیچ مکتوبِ ایشاں این چنین عبارت نیست۔ یَا شَیْخُ عَفَی اللہُ عَنْکَ"

(ترجمہ) پناہ بہ خدا۔ یہ کیسی اُلٹ تحریر اور کیسی بے تحقیق بات ہے۔ حضرت مجدد کے کسی مکتوب میں ایسی عبارت نہیں ہے۔ اے شیخ، اللہ تم کو معاف کرے۔"

اس جگہ یہ بات ظاہر کرنی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ غلام علی نے مسلسل پینتالیس سال مکتوباتِ قدسی آیات کا دَرس دیا ہے۔ لہٰذا جب آپ لکھدیں کہ حضرت مجدد نے یہ بات کہیں نہیں لکھی ہے تو وہ قطعاً درست ہے۔ مع ہٰذا اگر کوئی تحقیق کرنی چاہے شوق سے مکتوبات و رسائل کی اوراق گردانی کرے۔

افسوس ہے کہ جناب شیخ اس حدیث سے صَرفِ نظر کر رہے ہیں جس کو حضرات صوفیہ نقل کر رہے ہیں اور جس کی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے، اور جناب شیخ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ جو بات حضرت مجدد نے کہی ہے آپ سے پہلے صدہا مشائخ فرما چکے ہیں، حضرت شاہ غلام علی نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۹ میں امام شعرانی اور شیخ اکبر کے اقوال نقل کئے ہیں اور مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے اپنی کتاب میں خوب تفصیل سے سیدنا عبدالقادر جیلانی اور دوسرے مشائخ کبار کی عبارتیں نقل کی ہیں انکو ملاحظہ کیا جائے۔[2]

اگر اس بات کی وجہ سے حضرت مجدد پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو یہ اعتراض صدہا مشائخ کبار پر بھی وارد ہوتا ہے۔ مولانا سید صدیق حسن خان نے کیا خوب لکھا ہے۔

---

[1] حیات عبدالحق صفحہ ۳۱۶۔ لیکن میں نے حضرت شاہ غلام علی کے رسالہ سے جو قلمی ہے یہ عبارت صفحہ ۲۶ سے نقل کی ہے۔

[2] ہدیۂ مجددیہ کے صفحہ ۱۶۹ سے ۱۸۵ تک۔

"وَقَدْ شَارَكَهُ فِيهَا غَيْرُهُ مِمَّنْ لَا يُحْصَى كَثْرَةً فَلَيْسَ إِذًا يَخُصُّهُ الْإِنْكَارُ۔"[1]

(ترجمہ) اس طرح کی باتوں میں بے حساب افراد آپ کے شریک ہیں، لہٰذا اس انکار کی تخصیص آپ سے نہیں ہے۔" کیا سیدنا عبد القادر جیلانی اور کیا دوسرے مشائخ کبار اس انکار میں داخل ہیں۔ میں حضرت شاہ غلام علی کے اس قول پر: "ایں چہ خلاف نویسی و چہ بے تحقیق گوئی است یا شیخ عَفَی اللّٰہُ عَنکَ۔" جو کہ تمام لغزشوں کا جواب اور ہر قسم کی نفرت و وحشت کے لئے بمنزلۂ تریاق ہے اس رنجدہ اور مؤلم بیان کو ختم کرتا ہوں۔ اور تازہ دم و نوخاستہ محققین سے یہ گزارش ہے کہ وہ تحقیق کے معیار کو گرانے کی کوشش نہ کریں۔ کتابیات کی لمبی فہرست لکھ دینے سے غلط بیانی جامۂ صحت نہیں پہن سکتی۔ جھوٹ کا اظہار ہو کر رہے گا اور وہ لمبی فہرست طوقِ رسوائی بنے گی۔ ع
اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔

اخلاص نامہ

شاہ نعیم اللہ بہرائچی نے اپنی کتاب بشارات مظہریہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت میرزا جان جاناں مظہر شہید قدس سرہ کا یہ بیان لکھا ہے۔

"می فرمودند کہ از اخلاص نامۂ شیخ عبد الحق دہلوی کہ بہ جانب حضرت خواجہ حسام الدین احمد کہ از اَجَلِّ خُلَفائے عارف و کامل و خدا آگاہ، حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اند، و مکتوبے طولانی کہ بہ اولاد خود بدیں مضمون نوشتہ اند، آنچہ مسودات اقتراحات کہ بر کلماتِ قدسی آیات حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ ام در آبِ جَمَن بشویند۔ معلوم می شود آنچہ غبارے بہ نسبت حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ خاطر ایشاں رسیدہ بود آخر بہ صفا انجامیدہ است و آں اخلاص نامہ ایں است۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ وَاَبْقَاکُمْ عَلٰی رُؤُسِ الْمُحِبِّیْنَ الطَّالِبِیْنَ الْمُخْلِصِیْنَ دریں دو سہ روز کہ از احوالِ شریف خبر نہ گرفت یا بہ جہتِ تقصیرے کہ در جبلّتِ بشر است یا بہ قصدِ آں کہ مطلقاً از آلایشِ ضُعف و فترت پاک شدہ باشند تا بہ خبرِ مسرّت اثرِ صحتِ کلی و عافیتِ تام مشرف و مسرور گردد و امید کہ بہ اعلام آں مشرف گردانند۔

دیدۂ محبت در راہِ انتظارِ وصولِ اخبارِ مسرت آثارِ بندگی حضرت میاں شیخ احمد دوچار است، امیدوار است کہ دعائے محبان بہ اجابت رسیدہ اثرِ عظیم آرد، نسبتِ ایں فقیر دریں ایام و صفائے باطن بہ خدمت ایشان از حد متجاوز است وَاَصلاً پردۂ بشریت و غشاوۂ جبلت درمیان نہ ماندہ نہ می داند کہ اُو کجا است۔ با قطعِ نظر از رعایتِ طریقۂ انصاف و حکمِ عقل کہ با ایں چنین عزیزان و بزرگان بد نہ باید بود و در باطن بطریقِ ذوق و وجدان و غلبہ ــــ چیزے افتادہ است کہ زبان از تقریر آں لال است۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ وَمُبَدِّلِ الْاَحْوَالِ، شاید کہ ظاہر بینان دریں جا استبعاد کنند۔ من نہ می دانم کہ حال چیست و بہ چہ منوال است۔ زیادہ چہ گوید و چہ نویسد

---

[1] ابجد العلوم صفحہ ۹۰۰

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ“[1]

(ترجمہ) فرماتے تھے کہ جو اخلاص نامہ شیخ عبدالحق دہلوی نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد کو ارسال کیا ہے جو کہ عارف و کامل و خدا آگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے عالی قدر خلفا میں سے ہیں اور جو طویل مکتوب اپنی اولاد کو اس مضمون کا لکھا ہے کہ حضرت مجدد کے کلمات قدسی آیات پر جو اقتراحاتی مسودے میرے تحریر کردہ ہیں ان کو جمنا کے پانی میں دھو ڈالو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد کی طرف سے جو غبار اُن کے دل میں تھا وہ صاف ہو گیا تھا۔ اور وہ اخلاص نامہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور چاہنے والے مخلص طالبوں کے سروں پر باقی رکھے۔ اس دو تین دن کے عرصہ میں آپ کے احوالِ شریفہ کی خبر معلوم نہ کرنے کی وجہ یا تو وہ کوتاہی ہو سکتی ہے جو انسان کی فطرت میں ہے یا پھر وہ ارادہ ہو سکتا ہے کہ کامل صحت حاصل ہو جانے اور پھر خبرِ مسرت سننے میں آئے امید کہ صحت کی خبر سے آگاہ کریں گے۔

بندگی حضرت میاں شیخ احمد کے اخبارِ مسرت آثار پر چشم شوق لگی ہوئی ہے۔ امید ہے چاہنے والوں کی دُعا قبول ہو کر بڑا اثر پیدا کرے گی۔ آجکل ان سے فقیر کا قلبی تعلق بے حد زیادہ ہے بشریت کا کوئی پردہ یا اُفتادِ طبع کا کوئی اثر بالکل حائل نہیں رہا۔ میں خود نہیں جانتا کہ یہ کس بنا پر ہے۔

اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طریقۂ انصاف کی رعایت اور حکیم عقل کا تقاضا ہے کہ ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ بُرا نہ ہونا چاہیئے۔ میرے دل میں ذوق و وِجدان اور غلبہ کی بنا پر کچھ ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ اس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے اور احوال کا بدلنے والا۔ ظاہر بین شاید اس پر یقین نہ کریں۔ میں خود بھی نہیں جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے۔ زیادہ کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ حقیقت حال کا پورا علم اللہ کو ہے“ اھ

حضرت میرزا قدس سرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے جناب شیخ کے اس طویل مکتوب کو ملاحظہ کیا ہے جو جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام لکھا ہے۔ آپ کے واسطے اس کے ذرائع اچھی طرح مہیا ہو گئے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد سید نور محمد بدایونی قدس سرہ حضرت شیخ سیف الدین کے خلیفہ تھے، مع ہذا انھوں نے حضرت حافظ محمد محسن سے بھی استفادہ کیا ہے جو کہ حضرت سیف الدین کے اور پھر آپ

---

[1] بشاراتِ مظہریہ کا پورا نام بشاراتِ مظہریہ در فضائلِ مجددیہ ہے۔ شاہ نعیم اللہ بہرائچی رمضان سنہ ۱۱۸۹ھ میں حضرت میرزا جانِ جاناں کی خدمت میں پہنچے۔ تقریباً تین سال آپ کی خدمت میں رہے اور خلافت حاصل کر کے وطن کو گئے۔ اسی عرصہ میں انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے اور اپنے پیر و مرشد کو دکھائی ہے اور آپ نے جزوی طور پر ملاحظہ بھی فرمائی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ سنہ ۱۲۳۶ھ کا تحریر کردہ لندن کے کتب خانہ میں ہے۔ اس نسخہ کے حاشیہ پر حضرت شاہ غلام علی نے اپنے ہاتھ سے بعض جگہ تحریر فرمایا ہے۔ اس نسخہ کا عکس میں نے لندن سے منگوایا ہے۔ واضح رہے کہ مصنف نے حضرت میرزا جانِ جاناں کی شہادت کے بعد آخر میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کتاب کے ورق ۳۴ کے دوسرے صفحہ پر یہ عبارت ہے۔

کے حضرت والد خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ تھے اور بشارات مظہریہ میں لکھا ہے کہ آپ جناب شیخ عبدالحق کے نواسے تھے۔ [1]

حضرت محمد محسن کے صاحبزادے حضرت محمد احسان آپ کے قدمائے اصحاب اور کمّل خلفا میں سے تھے اور ان کے بھائی شیخ غلام حسن بھی آپ کے مخصوص اصحاب اور زبدۂ احباب میں سے تھے۔ [2]

شاہ فتح محمد چشتی فتحپوری کی عبارت "آپ کی مخالفت" کے بیان میں مَیں نقل کرچکا ہوں۔ انھوں نے صاف الفاظ میں بیان کیا ہے کہ شیخ دہلوی کے ہاتھ کا تحریر کردہ مکتوب میں نے دیکھا ہے۔

جناب شیخ نے حضرت مجدّد کو جو طویل مکتوب ارسال کیا ہے اس کے آخر میں لکھا ہے۔

"این کلمات بہ قصد استفسار و استکشاف حال و دفعِ تالّمِ عارضِ بال و تسکینِ حُرقتِ صدر نوشتہ شد" [3]

یعنی حقیقت حال معلوم کرنے اور دریافت کرنے اور دل کی تکلیف (جو پیش آگئی ہے) رفع کرنے اور سینہ کی جلن زائل کرنے کی خاطر یہ مکتوب لکھا گیا ہے۔"

اس عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جناب شیخ کو توقع تھی کہ حضرت مجدّد ان کو جواب ارسال کریں گے لیکن جواب کی جگہ ان کو یہ خبر ملی کہ حضرت مجدّد کی علالت خطرناک دَور میں داخل ہو چکی ہے اور عنقریب آپ سفر کرنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ پر یقیناً اثر ہوا ہوگا اور آپ نے اس کا اظہار خواجہ حسام الدین احمد پر کیا ہوگا کیونکہ جناب خواجہ کی خواہش تھی کہ جناب شیخ کا دل حضرت مجدّد سے صاف ہو۔

میرے نزدیک حضرت میرزا جان جاناں مظہر قدس سرہ کے بیان میں شُبہہ کیلئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یقیناً جناب شیخ نے اپنی اولاد کے نام کوئی تحریر چھوڑی ہے اور اس کو شاہ فتح محمد فتحپوری چشتی نے اور حضرت میرزا نے ملاحظہ کیا ہے اور یقیناً جناب شیخ نے خواجہ حسام الدین احمد کو بھی یہ رقعہ ارسال کیا ہے، جس کو حضرت میرزا نے اخلاص نامہ کا نام دیا ہے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جناب شیخ کا دل حضرت مجدّد سے صاف ہو گیا تھا تو انھوں نے مدارِج النّبوہ میں "درمزاجِ وقت بعضے درویشانِ مغرورِ ایں روزگار" لکھ کر آپ کی طرف کیوں اشارہ کیا ہے۔؟

یہ سوال تو اس وقت صحیح طور پر وارد ہوتا کہ مدارِج النّبوہ کی تالیف حضرت مجدّد کی وفات کے بعد ہوئی ہوتی، میں نے مدارج النّبوہ کو مختلف مقامات سے دیکھا لیکن یہ بات ثابت نہ ہو سکی۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ یہ کتاب حضرت مجدّد کی وفات سے اور جناب شیخ کے طویل مکتوب لکھنے سے پہلے تالیف ہوئی ہے۔ اور اگر کسی صورت سے یہ بات متحقق ہو جائے کہ یہ کتاب حضرت مجدّد کی وفات

---

[1] بشارات مظہریہ ورق ۲۷ کا دوسرا صفحہ [2] مقامات مظہری صفحہ ۸۲ و ۸۴ [3] حیات عبدالحق صفحہ ۲۴۳

کے بعد لکھی گئی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ جناب شیخ کا معاملہ عجائبات پر مشتمل ہے۔ جو مکتوب انھوں نے حضرت مجدد کو لکھا ہے اس کے اوائل میں لکھا ہے۔ "تا نوبت ایں مکتوب رسید کہ باعثِ نفرت و وحشت گردید"[1] اور اسی مکتوب کے اواخر میں ہے۔ "ایں مقدار کہ مرا بہ شما نسبتِ محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود"[2]۔ اگر ایک ہی مکتوب نفرت و محبت کو اور وحشت و اتحاد کو جمع کرسکتا ہے تو پھر تالیفات مختلفہ جن کی تالیف و تحریر میں سالہا سال کا فرق ہے۔ "بہ ایں چنیں عزیزان و بزرگان بدنہ باید بود" اور "در مزاج وقت بعضے درویشان مغرور ایں روزگار" کو جمع کرلیں تو کیا استبعاد ہے۔

نہ ہمی می زند آں نوگلِ خنداں از من	می کشد خار دریں بادیہ داماں از من
نیست پرہیزِ من از زہد کہ خاکم بر سر	ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من

تعجب ہے کہ عبدی خویشگی و امثال کی غلط بیانیوں کو وقعت دی جائے اور حضرت میرزا قدس سرہٗ کے بیان کو نظر انداز کیا جائے جن کی بزرگی اور جلالت قدر کے حضرت شاہ ولی اللہ معترف ہوں۔ اِنَّھَا لَمِنَ الْمُضْحِکَاتِ الْمُبْکِیَات۔

گرفتاری اور اسکا مآل

بہ جرمِ عشقِ توام می کشند و غوغائیست	تو نیز بر سرِ بام آ عجب تماشائیست

اللہ حکیم مطلق ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے بہ ظاہر حضرت مجدد قید ہوئے ہیں لیکن بہ باطن آپ کی گرفتاری کے وقت سے اکبری اِلحاد کا استیصال شروع ہوا اور اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

"آپ کی مخالفت" کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ اہلِ دربار نے بہت کوشش کی کہ جہانگیر آپ کو قتل کرادے۔ لیکن اس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا۔

جہانگیر نے اپنی تزک میں آپ کے قید کرنے کے واقعہ کو ۲۲ ماہ خورداد سنہ ۱۴ جلوس میں لکھا ہے جو ۸ جمادی الآخرہ ۱۰۲۸ھ اور ۲۲ مئی ۱۶۱۹ء کے مطابق ہے[3]

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے صرف واقعۂ قید و بند کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر محمد فرمان کو اَجر دے کہ انھوں نے کاوش و جستجو کر کے خود حضرت مجدد کے مکتوبات سے نہایت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں چنانچہ آپ کے قید ہونے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ان کے مال و اسباب، کتابوں اور جائداد کو بھی شدید نقصان پہنچا[4] اور اس سلسلہ میں حضرت مجدد کے جس مکتوب کا حوالہ دیا ہے میں اس کا ترجمہ لکھتا ہوں تاکہ حضرت مجدد کی للّٰہیت اور فنائیت کا کچھ اندازہ کیا جاسکے۔

فرزندانِ گرامی۔ آزمائش کی گھڑی جتنی بھی کڑوی کسیلی ہو لیکن موقع و فرصت کی گھڑی اگر ملجائے تو مغتنم

---

[1] حیات عبدالحق ص۳۱۵ [2] حیات عبدالحق ص۳۳۳ [3] اردو ترجمہ تزک جہانگیری ص۵۹۳ [4] حیات مجدد از پروفیسر فرمان ص۳۵

ہے۔ تم کو اس وقت اللہ نے فرصت دی ہے لہٰذا اس کا شکر بجالاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور اپنا ایک لمحہ ضائع نہ کرو۔ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک میں اپنے کو مشغول رکھو، تِلاوتِ کلامِ پاک، لمبی قرارت سے ادائے نماز، اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تکرار۔ کلمہ لَآ کہتے وقت اپنے تمام مقاصد و مُرادات اور خواہشاتِ نفس کی نفی کرو۔ کیونکہ خواہشات و مُرادات کی طلب میں اپنی اُلُوہیت کا دعویٰ مُستتر ہے۔ لہٰذا ساحتِ سینہ میں کسی خواہش کے لئے جگہ نہ ہونی چاہئے اور نہ کوئی ہوس دماغ میں رہے تاکہ کامل طور پر بندگی ثابت ہو۔

اور تحریر فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ میری رہائی کا مقصد جو کہ تمہارے اَہم مقاصد میں سے ہے تمہارے دل میں نہ رہے۔ اللہ کی تقدیر اور اس کے فعل و ارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ پڑھتے وقت جانبِ اثبات میں (یعنی اِلَّا اللّٰهُ کہتے وقت) غیبِ ہُوِیّت کے سوا کچھ نہ ہونا چاہئے۔ اپنی حَویلی و سَرا اور کنواں اور باغ و کتب اور دوسری اشیا کے غم و فکر کو مزاحم نہ ہونے دو یہ سب چیزیں سہل ہیں اللہ کی رضا تمہاری رضا ہونی چاہئے۔ اگر میں مرتا یہ سب چیزیں جاتیں۔ "گو در حیات مارفتہ باشد" یعنی ان سب چیزوں کا چھٹنا تو تھا ہی، ابھی سے چھٹ جائیں۔" اولیا نے ان سب چیزوں کو خود چھوڑ دیا ہے۔ ہم اللہ کے ارادے سے ان چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم کو شکر بجالانا چاہئے اور ہم کو امید رکھنی چاہئے کہ ہم اس کے مُخلَص بندوں میں سے ہوں۔ مُخلَص کے لام پر فتحہ ہے (یعنی اللہ کے پسند کئے ہوئے بندے) جہاں بھی بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن سمجھو۔ چند روزہ حیات ہے جہاں بھی گزرے اللہ کی یاد میں گزرے۔ اپنی والدہ کو تسلّی دو اور آخرت کی رغبت دلاؤ۔ رہی ایک کی دوسرے سے ملاقات تو اگر اللہ کو منظور ہے میسّر ہوگی ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارُ السّلام میں اکٹھے ہوں اور دنیوی ملاقات کی تلافی کو آخرت میں اللہ کے کرم کے حوالے کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔[1]

اس مکتوب مبارک سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی عتاب کا نزول آپ کے مال و متاع پر بھی ہوا تھا اور آپ اپنے صاحبزادگاں کو تحریر فرمارہے ہیں کہ جہاں بھی بیٹھے ہو اپنے مولیٰ کی یاد میں مصروف رہو۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی نے حضرت مجددؒ کے گرفتار ہونے کے سلسلہ میں کہا ہے[2]

لَقَدْ بَرَعَ الْأَقْرَانَ فِی الْهِنْدِ سَاجِعٌ   وَجَدَّدَ فَنَّ الْعِشْقِ مَا الْمُغَرِّدِ
فَلَا عَجَبٌ اِنْ صَادَهٗ مُتَقَنِّصٌ   اَلَمْ تَرَ فِی الْاَسْلَافِ قَیْدَ الْمُجَدِّدِ

(ترجمہ) ہندوستان میں ایک طائرِ خوش نوا چہچہانے میں اپنی ٹولی میں ممتاز ہو گیا ہے اس نے عاشقی میں جان ڈال کر گانے والوں کے لئے سوز و محبت کا کیا ساز چھیڑ دیا ہے۔ لہٰذا کیا عجب اگر کوئی

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۲ [2] سبحۃ المرجان قلمی صفحہ ۱۴۳

شکاری اس کا شکار کرلے، کیا تم نے اَسلاف میں مجدّد کو قید ہوتے نہیں دیکھا ہے۔"

جہانگیر نے اپنی تزک میں آپ کی رہائی کو ۲۱ ماہ خورداد ۱۵؁ جلوس میں لکھا ہے [1] جو ۲ جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ ۱۲ مئی ۱۶۲۰ء کے مطابق ہے۔

عبداللہ خویشگی عبدی نے معارج الولایت میں لکھا ہے۔

" جہانگیر بادشاہ شیخ را بر گوالیار مدتے محبوس ساخت چنان کہ شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد و چون بادشاہ بر برارتِ ذمّہِ او وقوف یافت در مَعذرت شتافت۔ فرمود کہ حاجتِ اعتذار نیست زیرا کہ دریں حبس بہ حفظ کلام الٰہی مستعد شدم" [2]

(ترجمہ) "جہانگیر بادشاہ نے ایک مدت تک شیخ کو گوالیار کے قلعہ میں بند رکھا اور آپ نے وہاں قرآن کو حفظ کیا۔ جب بادشاہ کو آپ کی برارت کا علم ہوا اس نے معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ عذر خواہی کی ضرورت نہیں کیونکہ اس حبس میں مجھ کو حفظ کلام الٰہی کی سعادت نصیب ہوئی ہے"

پروفیسر محمد فرمان نے لکھا ہے۔

جہانگیر نے انھیں رہا کرنے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ " در رفتن و بودن مختار گردانیدم" لیکن یہ بات بھی جہانگیر کی اور کئی باتوں کی (طرح) جھوٹ سے لبریز اور مُغلیہ حکمتِ عملی کا ایک شاہکار ہے جہانگیر نے حضرت مجدّد کو آخری دَنت تک نظر بند رکھا ہے اور یہی نظر بندی حضرت مجدّد کی عظمت کی دلیل اور ان کی شخصیت کے کمال کی دلیل ہے جسے ارادات مندوں نے اپنی غلطی سے حضرت کے عُلُوِّ شان کے منافی سمجھ کر سو حیلوں بہانوں سے چھپانا چاہا ہے اور جہانگیر کو حضرت کا مرید ظاہر کر کے ان کی عظمت کا اظہار کیا ہے، لیکن اس بات کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ جہانگیر کے مزاج میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی، وہ آخری دم تک شراب کا رسیا اور عیش و عشرت کا دلدادہ رہا ہے اور نہیں اس کی زندگی میں نقشبندی مرید کے کوئی واضح آثار نہیں ملتے اور ان آثار کی عدم موجودگی میں اسے حضرت کا مرید خاص قرار دینا ایک طرح سے حضرت کے فیض اور تصرّف باطنی کا انکار کرنا ہے جو تاریخی شواہد کی روشنی (میں) محلِ نظر ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تزک جہانگیری کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا عجب نہیں کہ اس میں حضرت کی تعلیمات کو بھی دخل ہو" [3]

پروفیسر فرمان نے اس بیان میں تین باتیں کام کی لکھی ہیں، حضرت مجدّد کی نظر بندی، ارادتمندوں کی غلطی اور تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال۔ میں ان تینوں باتوں کے متعلق مختصر طور پر کچھ لکھتا ہوں۔

---

[1] اردو ترجمہ تزک صفحہ ۶۳۳ [2] احوال و آثار عبداللہ خویشگی صفحہ ۱۵۰ [3] حیاتِ مجدّد صفحہ ۳۵ و ۳۶

نظر بندی حضرت مجدد کامل ایک سال قلعۂ گوالیار میں قید اور پھر تین سال دس مہینے شاہی فوج میں نظر بند رہے ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کے نواسے شیخ صفر احمد مَخدُومی نے آپ کی مراجعتِ وطن کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے اجمیر میں بادشاہ سے وَطن جانے کی اجازت لی اور سرہند کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کو حضرت صبغۃ اللہ فرزند حضرت محمد معصوم کی ولادت کی خبر ملی جو گیارہ ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ موافق یکم فروری ۱۶۲۴ء میں ہوئی تھی اور لکھا ہے کہ حضرت صبغۃ اللہ کے عقیقہ کے دو یا تین دن بعد آپ سرہند شریف پہنچے [لہ]

عقیقہ مسنون طریقہ پر ساتویں دن ہوا جو کہ ۱۷ ربیع الآخر اور ۷ فروری ہے اور آپ چاند کی انیس یا بیس اور فروری کی نو یا دس کو گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت مجدد نے اپنے برادرِ طریقت خواجہ حسام الدین احمد کو جس لطیف پیرایہ سے اپنی نظر بندی کا حال لکھا ہے آپ کی عظمت اور بزرگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ مجسّم پیکرِ تسلیم و رِضا تھے۔ میں اس مبارک مکتوب کے ایک حصّہ کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

”ثنا اور صفت اللہ کے لئے ہے اور دُرُود و سَلام اس کے برگزیدہ بندوں پر، صحیفۂ شریفہ اور نوازش نامہ جو کہ ازروئے شفقت اور کرم اس فقیر کے نام ارسال کیا ہے ملا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا شکر کا مقام ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ دوستوں کی خیریت معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں۔ یہاں کے فقرا کی کیفیت اور حال شایانِ حَمد و شُکر ہے، کہ بَلاَ میں ہوتے ہوئے ان کو عافیت اور تفرقہ میں رہتے ہوئے ان کو جمعیت حاصل ہے، برخورداران اور رفقا میں سے جو بھی ساتھ ہیں ان سب کو وابستگی حاصل ہے اور ان کے احوال میں ترقی ہے، ان کے واسطے یہ چھاؤنی گویا کہ خانقاہ بن گئی ہے، فوجیوں کی تلوینات میں (یعنی رنگا رنگی میں) ان کو تمکین نصیب ہے (یعنی دل کا سکون) وہ ایسی جگہ میں رہتے ہوئے جہاں طرح طرح کی گرفتاریاں ہیں (یعنی دل چسپی کا سامان) صرف ایک مطلب کے گرفتار ہو کر رہ گئے ہیں (یعنی صرف اپنے مولیٰ کے طلبگار ہیں) نہ ان کو کسی سے غرض ہے نہ ان پر کسی کا بوجھ۔ البتہ یہ بات ہے کہ ان کا اختیار ان سے مَسلُوب ہے (چھین لیا گیا ہے) اور وہ قید و بند کی نعمت میں گرفتار ہیں۔ کیا ہی قید و بند ہے کہ اس سے رہائی ایک پائی کے بدلے میں حاصل نہ کی جائے۔ اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ کے لئے حمد و ستائش ہے۔“ [۲ہ]

اس مبارک مکتوب سے صحیح طور پر وہ شخص لطف اندوز ہوگا جس کو حضرات مشائخ کرام کی اصطلاحات سے واقفیت ہے۔ آپ نے بَلاَ، عَیش، عَافیت، تَفرِقہ، جَمعیّت، خَانقاہ، تَلوِینات، تَمکِین، قَید، گرِفتارِی، اِطلَاق، جیسے الفاظ استعمال کر کے فَصَاحت و بَلاغَت اور رَصَانَت کے ساتھ اَسرَار و اَحوَال و مَعَارِف

[لہ] برکات معصومی کے مفتاح ہفتم کے کنز اول میں صفحہ ۲۵۸ و ۲۵۹ قلمی نسخہ۔ [۲ہ] مکتوب ۷۲، دفتر سوم۔

ملاکر وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ کی شکل پیدا کردی ہے یعنی ان شیریں الفاظ میں جو کہ خود سحرِ حلال ہیں نَسَمَاتِ فُیُوضَاتِ رَحْمَانِیَہ ملاکر مقربینِ بارگاہِ خداوندی کے واسطے چشمۂ آبِ حیات مہیا کردیا ہے۔

ارادتمندوں کی غلطی

اس سلسلہ میں اگر پروفیسر فرمان کچھ وضاحت کردیتے تو بہتر ہوتا حضرت مجدد کے حالات خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدرالدین سرہندی نے لکھے ہیں ان دونوں حضرات نے حضرت مجدّد کے معارف و کمالات اور فضائل کے بیان میں اپنی ہمت صرف کی ہے گرفتاری کے واقعہ کو ضمنی طور پر "حضرات القدس" میں ذکر کردیا ہے۔ نظربندی کا کسی نے ذکر تک نہیں کیا ہے، نہ انھوں نے جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے اور نہ شاہ جہاں کا۔ البتہ شاہ جہاں کے متعلق "اخلاص داشت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اخلاص کا ہونا اور ہے اور بیعت کرنی کچھ اور ہے۔

جہاں تک میرا علم ہے اس سلسلہ میں پہلی کتاب جس میں ہر رطب و یابس کو جمع کیا گیا ہے "رَوْضَۂ قَیُّومِیَہ" ہے۔ جو محمد شاہ کے دَور میں لکھی گئی ہے میں نے ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں ایک مضمون قیومیّت کے سلسلہ میں لکھا تھا جو پاکستان میں چھپا ہے۔ اس میں میں نے لکھا ہے کہ حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ اور خود پروفیسر فرمان نے اپنی کتاب کے آخر میں روضۂ قیومیہ کے متعلق لکھا ہے۔ "یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ہوسکتی۔" چونکہ اس کتاب میں کشف و کرامات، رَطْب و یَابِس اشیاء بھری ہوئی ہیں جو کہ عوام الناس کے نزدیک اَصلِ تصوّف ہے اس لئے یہ کتاب مقبول ہوئی۔ اس کا ترجمہ ہوا اور خوب شہرت ہوئی۔ اور حضرت مجدد کے سوانح نگاروں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بلاوجہ حضرت مجدد اور دوسرے حضرات کو مورِدِ طعن بنایا۔ وَكَانَ ذٰلِكَ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا

جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال

قلعۂ گوالیار سے رہائی کے متعلق عبداللہ خویشگی کی عبارت کچھ پہلے گزر چکی ہے کہ جہانگیر نے آپ سے عذرخواہی کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہانگیر کے خیالات میں تبدیلی آگئی تھی۔

مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کو آپ سے کچھ لگاؤ ہوگیا تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

"عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ کی عنایت سے اُمُورِ دِینِیَہ اور اُصُولِ اِسْلَامِیَہ کی باتوں میں بال برابر مُسَاہَلت اور چاپلوسی نہیں ہوتی۔ جس طرح پر کہ اپنی خلوتوں اور خصوصی مجالس میں بیان کرتا ہوں اسی طرح اللہ کی مدد سے مَجَالِسِ سُلْطَانِیہ میں بیان کرتا ہوں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو ایک دفتر چاہیے۔ آج رات جو ماہ مبارک رمضان کی سترہویں شب تھی۔

(اس کے بعد آپ نے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن کو آپ نے بیان کیا ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے) بہت کچھ مذکور ہوا اور وہ خوشی سے سنتا رہا (اور پھر آپ نے لکھا ہے) اللہ کا احسان ہے کہ وہ اپنی جگہ ہی پر رہتا ہے یعنی سنتا رہتا ہے اور کوئی تغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ ان واقعات و ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت اور راز پوشیدہ ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ (سورۂ اعراف آیت ۴۲) "شکر اللہ کو جس نے ہم کو یہاں راہ دی اور ہم نہ تھے راہ پانیوالے اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ"[۱]

آپ کے اس مبارک مکتوب سے پوری طرح ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی جہانگیر سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اور آپ عقائدِ دین اور اہلِ سنت کا مسلک بیان فرماتے تھے۔ جہانگیر بدون کلال و ملال سنتا تھا۔ اور یہ ایک بڑی کامیابی تھی جو پروردگار نے آپ کو عطا کی تھی آپ نے جو مکتوب جہانگیر کو تحریر فرمایا ہے[۲] پڑھنے کے قابل ہے اس میں آپ نے لشکرِ غزا اور لشکرِ دعا کا بیان کیا ہے اور اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ کی حقیقت واضح کی ہے۔

اس کے بعد یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جہانگیر نے اپنی تزک کے سولہویں سال کے واقعات میں لکھا ہے۔ ۲۴ ماہ آبان ۱۶ سنہ جلوس (اکتوبر ۱۶۲۱ء) کو قلعہ (کانگڑہ) کی سیر کی طرف متوجہ ہوتے وقت قاضی اور میرِ عدل کو جو میرے ہمرکاب تھے حکم دیا کہ قلعہ میں داخل ہونے پر جن اسلامی اور شرعی امور کو بجا لانا ضروری سمجھیں بجا لائیں، اور قلعے تک پہنچنے کے لئے ایک کوس پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے کے بعد جب اندر داخل ہوا تو بہ توفیق ایزدی نماز کے لئے اذان اور خطبہ اور اپنے سامنے گائے ذبح کروائی ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعے میں عمل نہیں ہوا تھا، میں نے اس توفیقِ ایزدی کے لئے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجا لا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالی شان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا۔"[۳]

شیخ بدرالدین نے فتح کانگڑہ کے سلسلہ میں کرامت نمبر ۲۳، ۲۴ میں لکھا ہے کہ جہانگیر نے نواب مرتضیٰ خان کے سپرد یہ کام کیا تھا۔ نواب نے حضرت مجددؒ کو مکتوب ارسال کیا اور التماس دعا کی۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ ان سے یہ کام سرانجام نہ پائے گا چنانچہ آپ نے ان کو یہ بات لکھ دی۔ کچھ دنوں بعد ان کی وفات کی خبر پہنچی۔ پھر بادشاہ نے یہ کام راجا بکرماجیت کے سپرد کیا۔ راجا آپ کی خدمت میں آئے اور التماس دعا کی اور جواب ملنے تک سرہند میں رہے۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ راجا اس مہم کو سرانجام دے دیں گے چنانچہ آپ نے ان کو بشارت دی اور وہ کامیاب ہوئے۔[۴]

---

[۱] مکتوب ۴۳ دفتر سوم [۲] مکتوب ۴۷ دفتر سوم [۳] ترجمہ تزک جہانگیری صفحہ ۶۹۶ و ۶۹۷
[۴] حضرات القدس حضرت تاسعہ صفحہ ۱۹۷ و ۱۹۸۔

سیّد علی اکبر حسینی اردستانی نے ۱۰۴۳ھ میں کتاب مجمع الاَولیا لکھی ہے اس میں لکھا ہے۔

کشمیر سے واپسی پر جہانگیر مرض ضیق النفس (سانس کی تکلیف) میں مبتلا تھا۔ اطبا سے علاج کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا تو اس نے اَعْیانِ مملکت کو حضرت مجدّد کی خدمت میں بھیجا (جو غالباً لشکر کے ہمراہ تھے) آپ نے دُعا کے لئے وعدہ فرمایا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جہانگیر اب تعمیر مساجد کا اہتمام کرے گا جہانگیر نے کہا۔ "گُفتَن از شما است و کَردَن از ما" حضرت مجدد نے دعا فرمائی اور اسی رات مرض میں افاقہ ہو گیا۔ پھر جب سرہند کے قریب پہنچے بادشاہ نے کہا۔ "شیخ جیو چوں بہ دعائے شما شفا یافتہ ایم فرداہم بہ طَعامِ خانۂ شما پرہیز بشکنیم (ورق ۳۴۳ پر) حضرت مجدّد نے اپنے صاحبزادوں کے ہاتھ کھانا بھیجا۔ بادشاہ نے آصف جاہ سے بڑی تعریف کی اور کہا۔ امروز از خانۂ شیخ طعام خوردیم بسیار لذیذ بود، خصوصاً مرغ بسیار خوب پختہ بودند، نصفے ازاں خوردہ ایم و نصفے نگاہ داشتہ کہ باز خوریم۔ اس کے بعد آصف جاہ کو بھیجا کہ کچھ ہدیہ قبول فرمائیں لیکن حضرت مجدّد نے انکار فرمایا اور کہا کہ "مدارِ کار فقرائے باب اللہ بر توکّل است۔"

ورق ۳۴۴ پر مرقوم ہے۔ قلعہ کانگڑہ کی فتح کے لئے جب مرتضیٰ خان کو مقرر کیا تو اس نے دعا کے لئے درخواست کی آپ نے تحریر فرمایا کہ اس کے ہاتھوں یہ فتح نہ ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر جب راجہ بکرماجیت کو مقرر کیا گیا تو وہ خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو کامیابی کی بشارت دی۔ جب قلعہ فتح ہوا تو جہانگیر قلعہ دیکھنے گیا اور حضرت سے عرض کیا کہ "اگر شما با ما رفاقت کنید بر آں قلعہ ذبح بقر و ہدم و بنائے مساجد و نشر اسلام کنیم چنانچہ ایشاں ہمراہ بادشاہ بر آں قلعہ برآمدند، بادشاہ ہمہ آنچہ فرمودہ بودند بجا آوردند۔"[1]

مجمع الاولیا کی عبارت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جہانگیر کو ترویج شریعت کا خیال اس زمانہ میں ہو گیا تھا اور اس کو حضرت مجدد کی لِلّٰہیت اور پاک دلی کا یقین ہو گیا تھا اور اسی کو بعد کے ارادتمندوں نے مریدی کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔

حضرت مجدّد اُنتیس یا بیس ربیع الآخر کو وطنِ مالوف پہنچے اور اٹھائیس صفر کو دارُ السّلام کا سفر

---

[1] محترمی مولانا محمد علیم الدین علوی فرزند مولانا قاضی خلیل الدین بھوپالی تشریف لائے۔ اور بیان کیا کہ مصنف نے یہ کتاب شاہجہاں کو پیش کی۔ انڈیا آفس لائبریری میں اس کا نسخہ محفوظ ہے۔ اور رضا لائبریری رام پور میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے۔ اس کے ۷۸۹ اوراق ہیں۔ اس میں لکھا ہے

"در خدمت آں دو عزیز شیخ محمد سعید سلمہ اللہ و ابقاہ و شیخ محمد معصوم سلمہ ربہ اخلاص و ارادت بسیار دارد و جمیع اکثر ایں کتاب بہ توجہ ظاہری و باطنی آں دو بزرگ صورت گرفتہ است۔"

مولانا نے ورق ۳۴۲۔ ۳۴۴ سے حضرت مجدد کے دو واقعے لکھے ہیں۔ جس طرح انھوں نے لکھا ہے وہی میں نے لکھ دیا ہے۔ میں ان سے یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ انھوں نے عبارت کس نسخہ سے نقل کی ہے۔

اختیار کیا۔ دس ماہ اور آٹھ یا نو دن اپنے گھر میں قیام کیا۔ وہ جدّ و جہد جو عمر بھر آپ نے کی تھی اس کی کامیابی کے آثار آپ نے دیکھ لئے اور آپ سمجھ گئے کہ جو خدمت میرے سپرد تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اسس کو خوبی کے ساتھ پورا کرا دیا اور فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا کا وقت آگیا۔ یعنی "اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے، بے شک وہی ہے معاف کرنے والا"۔ لہذا آپ نے اپنے گھر کے پاس ایک زَاوِیَہ کو اختیار کیا اور مولیٰ جل شانہٗ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مجدد کی کوششوں اور آپ کے قید و بند کے واقعات کو دیکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ آپ کے واسطے آپ کی نظر بندی "بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ" تھی۔ یعنی "اس کے اندر میں مہر ہے اور باہر کی طرف عذاب"۔ آپ کی کامیابی اسی وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ کہاں فراب چہارگانہ اور کہاں خطبہ و نماز و بنائے مسجد و ذبح بقر!

وہ افراد جو حضرت مجدد پر اعتراضات کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور جناب شیخ کی بے اساس تحریر کو صحیفۂ آسمانی تصور کئے بیٹھے ہیں ذرا خیالات و اوہام کی بندشوں سے اپنے کو آزاد کر کے حقائق ثابتہ کو دیکھیں کہ خود جہانگیر اپنی تزک میں فتح کانگڑہ کو کس انداز سے لکھ رہا ہے "بہ توفیق ایزدی اذان دلوا کر نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کروائی، ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعہ میں عمل نہیں ہوا تھا، میں نے اس توفیق ایزدی کے لئے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجا لا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالیشان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا"۔ اس تحریر کا ایک ایک لفظ خلوص نیت کا آئینہ دار ہے۔ جہانگیر نے کانگڑہ میں مسجد بنائی اور پھر چند سال بعد اکبر کے الحاد گڑھ میں (آگرہ کے قلعہ میں) شاہ جہاں نے سنگِ مرمر کی عالی شان مسجد بنائی۔ اور دہلی کی جامع مسجد بنا کر اذان دلوائی جسکی صَدا اللہ کے فضل سے آج تک مسلمانانِ ہند کے دلوں میں روحِ ایمان پھونک رہی ہے اور پھر حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تدوین ہوئی جس کو ممالکِ عربیہ میں فتاویٰ ہندیہ کہتے ہیں۔ اور جو صورت اتباعِ سنت، اجتناب از بدعت اور ترویجِ ملّت کی پیدا ہوئی، وہ عالم آشکارا ہے۔ یہ سب حضرت مجدد ہی کی حسنات ہیں۔ چاہے کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔

تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا   فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا اِلَى الْآثَارِ

ایک سوال

اس جگہ بعض فاضل سوانح نگاروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اکبری الحاد کا ازالہ کیا صرف حضرت مجدد نے کیا ہے یا آپ کے ساتھ آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ بھی شریک ہیں۔ اور انھوں نے یہ سوال اس بنا پر اٹھایا ہے کہ مجددی حضرات اور حضرت مجدد کے تذکرہ نویس اس سلسلہ میں صرف حضرت مجدد کا ذکر کرتے ہیں۔

میرے نزدیک اگر دقیق نظر سے صورتِ حال کو اور زمانۂ ماقبل کے حالات اور عظیم واقعات کو دیکھا جائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کر کے ملک شام کو فتح کرنے کے لئے راہ کھولی حضرت ابوبکر نے اس راہ کو وسیع کیا، اور حضرت عمر نے اس کو بہ اتمام پہنچایا۔ اب دُنیا حضرت عمر کو فاتح قرار دیتی ہے، حالانکہ آپ مُتَمِّم ہیں۔ آپ نے اَسَاس نہیں رکھی ہے۔ مُؤسِّس سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور معاون حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح فقہ کی اَسَاس حضرت ابن مسعود نے رکھی اس کو حضرات علقمہ اور حمّاد نے ترقی دی پھر حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کو غایت تک پہنچایا اور دنیا نے آپ کو فقیہِ اعظم تسلیم کیا۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں۔ اَلنَّاسُ فِي الْفِقْهِ عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ " فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ کی اولاد ہیں۔

یہی صورتِ حال حضرت خواجہ اور حضرت مجدّد کی ہے۔ حضرتِ خواجہ نے حضرتِ احرار کے طریقے کی اساس ہندوستان میں رکھی۔ حضرت خواجہ کے بہ کثرت مُرید اور خلفاء تھے اور اس زمرہ میں جناب شیخ عبدالحق بھی شامل تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس عظیم کام کو بہ احسنِ وجہ انجام تک پہنچانے والا نہ تھا۔ چوں کہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ یہ کام حضرت مجدّد کریں اور خلق خدا آپ کو مجدّد اعظم کہے اس لئے آپ کو اس آستانے پر پہنچایا۔ اور سالوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا دنوں میں اپنے کرم سے کرایا۔ آپ کی اعلیٰ قابلیت اور اتمّ استعداد کو دیکھ کر خود حضرت خواجہ نے اَپنے کو بَرکنار کر لیا اور سارا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا اب اگر اس صورت حال میں آپ کو مجدّد اعظم کہا جائے یا اس کام کی نسبت آپ کی طرف کی جائے تو کیا محلِ اعتراض ہے۔ اگر بہ اعتبار اساس کے کہا جائے تو حضرت خواجہ نے الحاد اکبری کو مٹانے کی بنیاد رکھی، اور اگر بہ اعتبار انجام کے کہا جائے تو حضرت مجدّد نے اس اِلحاد کو نیست و نابود کیا ہے۔

تعجّب ہے کہ حضرت خواجہ کے بعض مخلصوں نے خوب سرگرمی سے آپ کی مخالفت کی ہے اور اُن میں جنابِ شیخ سرِ دفتر ہیں۔ صاحب اتحاف نے کیا خوب لکھا ہے۔

وجہ ایں نقاد آن است کہ حضرت شیخ را در تقلیدِ مذہب تعصب بسیار بود و مجدّد را در اتباعِ سنّت و ردِّ بدعاتِ طریقت و شریعات صلابتِ تام۔ بہ ایں راہ گزر اتفاق میان ہر دو صورت نمی بست (ص۳۳۴ ۔ اتحاف)

حضرت شیخ کی تحریروں سے دشمنوں نے وہ کام لیا اور لے رہے ہیں جو حضرت شیخ کی منشا قطعاً نہ تھی، تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ۔ وَكَانَ ذٰلِكَ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُنْتَقِدِيْنَ مِنَّا وَالْمُتَاَخِّرِيْنَ۔

عرضِ نیازِ اثیم

بر مزارِ

حضرت مجددِ عظیم

قدس سرہٗ

جنابِ حضرتِ شیخ احمد آں کہ شد سرہند   زفیضِ روضۂ اش از روضۂ جناں خوشتر
مجددِ واست بہ تحقیق الفِ ثانی را   بُوَد بہ رُتبۂ قیّومی اَنسب و اَجدر
مجدد آں کہ بہ تجدیدِ دین و شرع ورا   زغیبِ قوّتِ تاییدِ نصرت است و ظفر
بہ باغِ دہر زبعدِ ہزار سال از دے   گرفتہ گلشنِ تجدید زینت و زیور
زآسمانِ ولایت مہِ درخشاں شد   کہ مہر اوست بہ جانہائے تیرہ روشنگر
ہزار دستہ گل از گلشنِ درود و سلام   بہ بارگاہِ فلک جاہِ اُو بہ ہدیہ ببر
بہ پیش گاہِ حضورش بہ صد ہزار نیاز   رساں بہ عرض کہ اے برگزیدۂ داور
بلند کن علمِ اعتلائے مذہب و دیں   نما، زنعرۂ تکبیر گوشِ گردوں کر
زنورِ مشعلِ دیں برفروز راہِ یقیں   کہ روز روشنِ ما شد زشام تیرہ تر
جہاں زظلمتِ فسق و فساد پُر گردید   براز روضہ بہ اعتلائے دین بند کمر
بہ قمعِ بدعت و ظلم و فساد جہد نمائے   بہ سانِ عہدِ جہانگیر و دورۂ اکبر
جہانِ دیگرے از صدق و عدل آباد کن   چو عہدِ حضرتِ صدیق و حضرتِ عمر ۱

زراہِ ظلمت و بدعت بشر نہ بیند خیر
کہ ہست سنتِ خیر البشر بہ خیر بشر

عبدالسلام اثیم مجددی کابلی[1]

---

[1] عزیز گرامی حضرت عبدالسلام اثیم کابل کے حضراتِ مجددیہ میں سے ہیں۔ ان کا گھر دہِ دانا، کابل میں ہے۔ دوشنبہ ۲۸ صفر ۱۳۸۸ھ ۲۷ مئی ۱۹۶۸ء کو اپنے جدِ امجد حضرت امام ربانی مجددِ الفِ ثانی کے عرس شریف میں یہ قصیدہ پیش کیا تھا۔ اسکی سُرخی اس طرح لکھی ہے۔

عرضِ نیاز و ناتوانی بہ آستانِ عرش نشانِ حضرت قبلۂ روحانی پیشوائے دو جہانی اِمامِ ربانی مجددِ الفِ ثانی حضرت الشیخ احمد الاویسی الرحمانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

اگر قبول شود ایں اثر بہ حضرتِ او   بہ اوجِ چرخ زند مرغِ طبعِ من پر و بال

اس قصیدۂ غرّا کے پورے ایک سو شعر ہیں اور ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے حفظہ اللہ تعالےٰ۔

دوسرا حصہ

حضرت مجدّد اور عجیب معاندین

۱ ۹ ۴ ۷ ۶

جناب شیخ عبدالحق کے طویل مکتوب کا حال لکھ چکا ہوں۔ یہاں پر یہ بات لکھنی ہے کہ حضرت مجدد کے مخالفوں نے پہلے ہی دن سے اس مکتوب کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو جناب شیخ سے عقیدت ہے، بھلا رَوافض یا اَہلِ اَہوار کو جناب شیخ سے کیا لگاؤ ہو سکتا ہے یہ لوگ آپ کے مکتوب کو اہمیت دے رہے ہیں تو صرف اس لئے کہ اس میں ان کی دل بستگی کا سامان موجود ہے۔ ان کا عمل "لَا لِحُبِّ عَلِيٍّ بَلْ لِبُغْضِ مُعَاوِيَةَ"[1] کا مصداق ہے، پہلے یہ مکتوب ان لوگوں کے لئے دست آویز بنا رہا جن کو عربی اور فارسی سے لگاؤ تھا اب یہ دولت ہندی اور انگریزی دان طبقہ کو ملی ہے، وہ اس کو اچھال رہے ہیں۔ اور سمجھ رہے ہیں کہ ان کو "معارج الولایت"[2] میں ایسا بیش بہا خزانہ ملا ہے کہ آج تک کسی کو اس کا پتہ نہ تھا۔

چوں کہ اس مکتوب کی وجہ سے پہلے بھی لوگوں کو دھوکہ ہو چکا ہے اور علمائے اعلام کی تین سو سال کی مساعی سے اس کا ازالہ ہوا تھا، اور اب اِس دَور میں عربی فارسی سے ناواقف افراد اس نئے دامِ تزویر میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں اس اُردُو رسالے میں حقیقتِ امر کا بیان کرتا ہوں تاکہ سادہ لوح افراد لاعلمی کی بنا پر اس جال میں نہ پھنسیں۔

جناب شیخ عبدالحق حضرت مجدّد کے پیر بھائی تھے۔ اور عمر میں تیرہ سال آپ سے بڑے تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے علم و فضل و کمال اور زہد و تقوی میں بلند مرتبہ تھے۔ ان کے اس طویل مکتوب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی ان سے کوئی بات کہتا تھا وہ اس پر یقین کر لیا کرتے تھے۔ آپ کی اس کمزوری کو حضرت مجدّد کے مخالف جان گئے تھے۔ ان کوُر باطنوں نے حضرت مجدّد کے متعلق غلط باتیں آپ کو سنائیں اور بعض مکتوبات میں تحریفات کر کے آپ کو دکھائیں آپ نے ان باتوں

---

[1] حضرت علیؓ سے اظہارِ تعلق ان سے محبت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ حضرت معاویہؓ کے بُغض کی وجہ سے ہے۔

[2] عبداللہ خویشگی عبدی قصوری کی کتاب کا نام ہے۔

اور تحریروں کا رنج ہوا اور وہ طویل مکتوب حضرت مجدد کو لکھ دیا جس کو مخالفین امامِ ربانی دلیل و حجت کے طور پر پیش کرتے رہے۔

حضرت شیخ کی یہ تحریر ایک برادرانہ شکایت ہے۔ کسی غلط فہمی کی بنا پر بھائی کو بھائی سے اکثر شکایت ہو جایا کرتی ہے۔ اگر بیچ میں "مارِ آستین" نہ پڑیں تو دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ شکایت اللہ کے فضل و کرم سے رفع بھی ہو جاتی ہے۔ ہمارے سامنے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا سبق آموز واقعہ ہے جس کو سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے میں حضرت شاہ عبد القادر کے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

(حضرت موسیٰ نے) "ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا، لگا کھینچنے اپنی طرف، وہ بولا اے میری ماں کے جنے، لوگوں نے مجھے بودا سمجھا اور نزدیک تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں، شومت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہ گار لوگوں میں، بولا (موسیٰ) اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر اپنے رحم میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

ملاحظہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کس لطیف پیرایہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعہ کو بیان کیا ہے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استغفار کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ برادرانہ شکایت کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ کسی کو پیش آئے تو وہ توبہ و استغفار کرے۔ یہی اس کا کفارہ ہے۔

یہی صورت جناب شیخ کی حضرت مجدد کے ساتھ ہوئی کہ غلط باتوں اور غلط تحریروں کی بنا پر سخت اور ناملائم مکتوب لکھ دیا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے تھے، اپنی بے راہ روی کا افسوس ہوا اور اپنے مشفق برادرِ طریقت خواجہ حسام الدین احمد کو مکتوبِ صغیر لکھ دیا جس کو قیمِ طریقۂ احمدیہ حضرت میرزا جانِ جاناں مظہر شہید قدس سرہ نے "اخلاص نامہ" سے تعبیر کیا ہے حضرت شیخ نے اس اخلاص نامہ میں صاف طور سے لکھا ہے کہ "بشریت کا کوئی پردہ یا افتادِ طبع کا کوئی اثر حائل نہیں رہا ہے" اور لکھا ہے کہ "ایسے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ بُرا نہ ہونا چاہئے" اور چوں کہ حضرت شیخ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ آپ پر ظاہر ہوا کہ جن لوگوں نے بیس بائیس سال سے یہ فتنہ برپا کر رکھا ہے۔ وہ اس اخلاص نامہ پر یقین نہیں کریں گے۔ اس لئے آپ نے صاف طور پر لکھ دیا۔ "پاک ہے اللہ دلوں کا پھیرنے اور احوال کا بدلنے والا، ظاہر بین شاید اس پر یقین نہ کریں، میں خود بھی نہیں جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے۔" آپ نے جو خدشہ ظاہر کیا ہے۔ میرے سامنے ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس دور کے محققین پوری کوشش کر رہے ہیں کہ اس اخلاص نامہ کو ایک فرضی تحریر ثابت کر دیں۔

کہاں ان لوگوں کی یہ کوشش اور کہاں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک ارشاد "اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَکُفُّوْا عَنْ مَسَاوِیْہِمْ" [1] اپنے اموات کی بھلائیوں کو ذکر کرو اور ان کی برائیوں کے بیان سے اپنے کو باز رکھو" یعنی اگر ان میں فی الواقع برائیاں ہیں تو ان کو بیان نہ کرو چہ جائیکہ ایک غلط تحریر کی بنا پر جھوٹے الزامات کا بیان کیا جائے اور ان کے ساتھ اپنے ظنون و خیالاتِ فاسدہ کو ملا کر حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کی جائے۔

جہانتک میری معلومات ہیں، میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مسلسل ساڑھے تین سو سال سے جو ظلم و ستم حضرت مجدد کے ساتھ بدطینتوں نے روا رکھا ہے، اس کی نظیر نہیں ملسکتی، اگر پہلے عربی خوان اور فارسی دان طبقہ یہ کام کر رہا تھا تو اب ہندی کے پجاری اور انگریزی کے پرستار کمر کس کر میدان میں اتر آئے ہیں۔

اس وقت فلسفۂ ویدانت اور وحدتِ اَدیان کے علمبرداروں میں سے دو افراد کی کوشش و کاوش میرے سامنے ہے۔ ایک اطہر عباس رضوی ہیں اور دوسرے پروفیسر ایم مجیب جامعی، ان دونوں صاحبان نے حضرت مجدد پر زبان درازیاں کی ہیں، اوّل الذکر کے متعلق محترمان گرامی سید صباح الدین عبد الرحمٰن اور شبیر احمد خان غوری نے خوب ہی لکھا ہے اور پوری طرح ثابت کر دیا ہے کہ رضوی صاحب عربی اور فارسی سے ناواقفِ محض ہیں، انھوں نے صرف دھوکہ دینے کے لئے عربی اور فارسی کتابوں کے نام لکھے ہیں اور تنقید کے پردے میں انھوں نے خوب تبرّا بازی کی ہے لہٰذا میں رضوی صاحب کی کتاب کے سلسلے میں پہلے ان دونوں صاحبان کی نگارشات کے کچھ حصّے نقل کرتا ہوں اور پھر یوحنا فریڈمان یہودی کی کتاب "شیخ احمد سرہندی" کے دو صفحے کا ترجمہ لکھوں گا تاکہ رضوی صاحب کے ادّعائے غیر جانبداری کی حقیقت ایک غیر مسلم کی زبانی ظاہر ہو۔

اِنَّ مَنْ یَدَّعِیْ بِمَا لَیْسَ فِیْہِ   کَذَّبَتْہُ شَوَاهِدُ الْاِمْتِحَانِ

اور پھر پروفیسر ایم مجیب کے کلام پر تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔

---

[1] الجامع الصغیر جلد اوّل صفحہ ۳۱

ڈاکٹر سیّد اطہر عبّاس رضوی شیعی
کی کتاب
"مسلم ریوائیولسٹ موومنٹس اِن نورذرن انڈیا اِن دی سکسٹینتھ اینڈ سیونٹینتھ سنچریز"
یعنی
"سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کی تحریکیں"
پر تبصرہ

اس کتاب کے متعلق مجلّہ معارف (دارالمصنّفین اعظم گڑھ) کے شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شذرات کے تحت اور پھر اسی سال کے مارچ، مئی، ستمبر، اکتوبر، نومبر کے شماروں میں تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں۔ میں اختصار کے ساتھ ان میں سے کچھ نقل کرتا ہوں۔

سیّد صباح الدین عبدالرحمن نے مارچ کے شمارہ میں لکھا ہے۔

آگرہ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس کا نام "سولہویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں مسلمان مجدّدوں کی تحریکیں" ہے مصنّف کا نام سیّد اطہر عبّاس رضوی ہے۔ نام کے آگے ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی لٹ، اِف۔ آر۔ ایس وغیرہ بھی لکھا ہوا ہے۔ اس وقت وہ جموں اور کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے ریڈر اور صدر بھی ہیں، یہ کتاب آگرہ یونیورسٹی میں ڈی، لٹ کی ڈگری کے لئے پیش کی گئی تھی۔ جس سے مصنّف سرفراز بھی کئے گئے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مصنّف کی تمہید ہے، پھر پروفیسر محمد حبیب (سابق استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے قلم سے پیش لفظ ہے۔ اس کتاب کے دس ابواب ہیں (۱) تیرہویں صدی سے سولہویں صدی تک ہندوستان میں تصوّف (۲) تحریک مہدویّت (۳) مہدوی دائرے (۴) مذہبی علوم کے مطالعہ کا احیاء (۵) سلسلۂ نقشبندیہ (۶) مجدّد الف ثانی کی تجدیدی کوششیں (۷) مجدّد کی تحریک کا انجام (۸) سترہویں صدی میں وحدت الوجود اور ثقافتی میل جول (۹) مجدّد کے جانشین (۱۰) تبصرہ اور تتمہ۔

جنوری کے عدد کے شذرات میں فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

اس (کتاب) کے نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ مصنّف نے سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں شمالی ہند کے مسلمان مجدّدوں کی مذہبی تحریکوں کا جائزہ لیا ہوگا لیکن اس کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا اصلی مقصد حضرت مجدّد اَلفِ ثانی کے خلاف زہر افشانی ہے جس سے عام مسلمانوں اور خصوصاً حضرت مجدّد الفِ ثانی کے عقیدتمندوں اور ان کے پیرووں کی پوری دل آزاری اور ایذارسانی ہوتی ہے، مصنّف نے اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے تاریخی تحقیقات کی آڑلی ہے لیکن انکی تحقیقات کی حیثیت وہی ہے جو کسی وکیل کے جھوٹے مقدمہ کی شہادتوں کی پُرفریب ترتیب کی ہوا کرتی ہے، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کے صوفیائے کرام اور دوسرے بزرگان دین پر جابجا طنیش زنی کر کے مصنف نے حضرت مجدّد الف ثانی کا یہ مرقع پیش کیا ہے کہ

"موجودہ دَور کے مصنّفوں[لہ] نے ان کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے۔ انھوں نے صرف فرقہ وارانہ جذبات سے اپیل کی ہے، انھوں نے اپنے اور اپنے جانشینوں کے لئے قیّوم ہونے کے دعویٰ کی بنیاد اپنے انکشافات اور الہامات پر رکھی ہے جس کو ان کے سریع الاعتقاد مقلّدوں کے تنگ دائرہ ہی میں قبول کیا گیا۔ ان کے اس دعویٰ میں کہ وہ مجدّد اور قیوم ہیں ایک کورانہ توہم پرستی کی جھلک ہے۔ ان کی تحریک ایک ہیجانی تحریک تھی، ۱۶۶۸ء میں شیخ محمد معصوم کی وفات سے مجدّد کی رہی سہی عزّت کا شائبہ بھی جاتا رہا۔ مجدّد کے پوتوں کو انتشار اور اخلاقی بدحالی کا پلیگ رہا، ان میں سب ہی قطب اور قیوم کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے تھے، اورنگ زیب جیسے راسخ العقیدہ شہنشاہ کی طویل حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کی زندگی میں جو اختلال وانتشار رہا اس سے مجدّد کے مسلک کا یہ کھوکھلاپن ظاہر ہوگیا کہ اگر حکمرانوں کو راسخ العقیدگی کی طرف مائل کیا جائے تو ساری برائیاں دور ہوسکتی ہیں۔"

ان فقروں کو مشتے از خروارے سمجھنا چاہیئے۔"

اور لکھا ہے "اس کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد حبیب (سابق استاد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا پیش لفظ بھی ہے جس میں وہ مصنّف کو مولانا عبدالحق محدّث دہلوی سے بھی زیادہ بہتر مصنّف اور محقق سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں اور وہ خوش ہیں کہ اس کے مصنّف نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت احمد سرہندی نے خود مجدّد الفِ ثانی کا لقب اختیار کر لیا تھا اگرچہ وہ کسی معنی میں بھی مجدّد نہ تھے اسی طرح انھوں نے اپنے کو خود ساختہ قیوم (خدا کا ایجنٹ) بنا رکھا تھا، ان کی سیاسی خدمات محض خرافاتی افسانے ہیں جن کو ایسے اہل قلم نے گھڑ رکھا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہیں، پروفیسر صاحب نے اپنی سند میں مصنّف کو البیرونی، ابو علی سینا، ابن عربی، شیخ نظام الدین اولیا اور دارا شکوہ کی صف میں لاکر کھڑا

[لہ] حضرت مجدد جام جہاں نما ہیں موجودہ دور کے مصنّفوں کو ان کا عکس دکھا رہے ہیں اور وہ اس کا بیان کر رہے ہیں۔ (زید)

کر دیا ہے بلکہ موجودہ دور میں ان سب میں ان کو عظیم ترین سمجھنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں، یقین نہیں آتا کہ یہ ساری باتیں پروفیسر محمد حبیب کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں اور اگر واقعی ان ہی کی ہیں تو معلوم نہیں ان سے مصنّف کی شہرت میں اضافہ ہوگا یا پروفیسر صاحب کی فکر و نظر بھی مصنّف کی کتاب کی طرح ایک مستقل موضوع بن جائے گی"

اور لکھا ہے "اب پوری تحقیقی سرگرمیاں اس میں صرف ہو رہی ہیں کہ قطب مینار، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی وغیرہ مغلوں کی نہیں بلکہ راجپوتوں کی بنوائی ہوئی ہیں، ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کی کتاب بھی اس قسم کی تحقیقات کا نمونہ ہے، جنوبی ہند کے ایک ہندو مؤرخ کے بیان کے مطابق اس قسم کی تحقیقات سے ہندوستانی علم وفن محض رسوا اور بدنام ہو کر رہ جاتا ہے"

اور فاضل مقالہ نگار نے مارچ کے عدد میں کتاب کے دس ابواب بیان کر کے لکھا ہے۔

اس کتاب کی تدوین کا اصلی مقصد حضرت مجدّد الفِ ثانی کے خلاف زہر افشانی کرنا ہے (ملاحظہ ہو شذرات معارف ۱۹۶۶ء) لیکن اس مقصد پر پردہ ڈالنے کے لئے مصنّف نے اپنی کتاب میں مذکورہ بالا ابواب مصلحتاً شامل کر دیئے ہیں اس کتاب کی ترتیب میں مصنّف کے بڑے مشیر ڈاکٹر نورالحسن[1] صدر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی رہے ہیں جیسا کہ تمہید سے ظاہر ہے ڈاکٹر نورالحسن یورپ کی تمام تحریکوں سے تو ضرور واقف ہوں گے لیکن ان کا ہندوستان کی مذہبی تحریکوں کا مطالعہ مطلق نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ انھوں نے مصنّف کو کیا مدد دی ہوگی البتہ اس کتاب کے لکھنے میں جو اسپرٹ کام کر رہی ہے اس میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا مشورہ ضرور مفید ثابت ہوا ہوگا۔

(آٹھ سطر کے بعد لکھا ہے) مصنّف نے کتابیات کی جو فہرست دی ہے اس کو دیکھ کر پہلی نظر میں ناظرین حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ ۴۲۷ صفحے کی کتاب کے لئے کتابیات کی فہرست ۵۲ صفحے میں درج ہے جن میں مختلف زبانوں کی کتابیں شامل ہیں۔ پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کے طلبہ اپنے ممتحنوں اور پڑھنے والوں کو متأثر کرنے کے لئے ایسی ایسی کتابوں کے نام بھی درج کر دیا کرتے ہیں جو ان کی نظر سے مطلق نہیں گزرتیں زیر نظر کتابیات کی فہرست بھی اسی نہج کی ہے۔

(سات سطر بعد لکھا ہے) مصنّف نے اپنی کتاب میں عربی ماخذوں کی بھی فہرست دی ہے ان کا اندازہ تحقیق بتاتا ہے کہ وہ عربی مطلق نہیں جانتے کیونکہ جن بزرگانِ دین کے حالات عربی ماخذوں سے معلوم کئے جا سکتے تھے ان کے حالات انگریزی کتابوں کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً وہ حسن بصری اور ابراہیم ابن ادہم کو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے ذریعہ سمجھے ہیں۔ اور رابعہ العدویہ کی عظمت کا اندازہ مارگریٹ اسمتھ کی ایک انگریزی کتاب کے سہارے کیا ہے (ص۲)

---

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر نورالحسن کا تعلق کسی شیعی جماعت سے ہے۔

شیخ شہاب الدین کے عوارف المعارف کا مطالعہ ایچ، ڈبلو، کلارک کی عینک سے کیا ہے (ص ۶) مقدمہ ابن خلدون آف، وزن تھال سے سمجھا ہے (۶۹،۸،۱۲،۶) سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مصنف نے وحدۃ الوجود پر جو کچھ لکھا ہے وہ گویا ان کی نظر میں حرف آخر ہے، لیکن ابن العربی کو سمجھنے کے لئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور عفیفی کی ایک انگریزی کتاب سے مدد لی ہے (ص ۳۲-۳۵) ابن تیمیہ کو محمد یوسف کوکن عمری کی اردو کتاب امام ابن تیمیہ کے ذریعے سمجھے ہیں (ص ۳۶) سفر نامہ ابن بطوطہ کا مطالعہ کرنے میں ایک یورپین مصنف کی مدد لی ہے، وغیرہ وغیرہ، پھر بھی انھوں نے اپنی کتاب میں بلا تکلف عربی کی چوبیس کتابوں کے نام گنوا دیئے ہیں جن کو دیکھ کر دھوکا ہوتا ہے کہ یہ تمام کتابیں مصنف نے کھنگالی ہوں گی۔ مصنف کے عربی نہ جاننے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ عربی الفاظ کو انگریزی املا میں صحیح طور پر نہ لکھ سکے ہیں جس کے لئے دیباچہ میں معذرت بھی کی ہے۔"

پھر فاضل مقالہ نگار نے اطہر عباس کی فارسی دانی کا پول کھولکر لکھا ہے۔

"اس مبلغ علم کے بعد بھی پروفیسر محمد حبیب نے اپنے پیش لفظ میں مصنف کو مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے بھی زیادہ بہتر مصنف اور محقق قرار دیا ہے۔"

اس کے بعد فاضل مقالہ نگار نے رضوی صاحب کی تحریفات کا بیان کیا ہے اور لکھا ہے۔

"اب ناظرین مصنف کے بیان اور تذکرہ نگاروں کی تحریروں کو پڑھکر خود اندازہ لگائیں کہ مصنف نے کس طرح ایک چیز کو مسخ کرکے پیش کیا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے کیا لکھا ہے اور مصنف نے کیا لکھ ڈالا ہے۔

"وہ اپنے مطلب کی بات بنانے کے لئے واقعات کو حذف کرنے میں مطلق تامل نہیں کرتے۔"

فاضل نامہ نگار نے اپنے اس پہلے مقالہ کے اواخر میں لکھا ہے۔

مصنف کی کتاب کے صرف ایک باب پر اتنی لمبی تنقید لکھنے کی ضرورت پڑگئی ہے۔ ابھی نو ابواب اور ہیں اور ہر باب اتنی ہی لمبی تنقید کا محتاج ہے۔ ان کو قلمبند کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک پوری کتاب تیار ہو جائے۔ جو ظاہر ہے کوئی خوشگوار تصنیف نہ ہوگی۔ مگر مصنف نے اپنے بہکے ہوئے شعور، بھٹکے ہوئے ذہن اور گمراہ کن تحقیقات سے تصوف اور مذہبی تحریکات کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کی طرف ذہن منتقل کرانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ مصنف کا کذب و افترا، حق و صداقت نہ سمجھا جائے اس کتاب کو ڈی لٹ کا ایک مقالہ سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا کیوں کہ اب پی، ایچ، ڈی اور ڈی لٹ کے جو مقالے لکھے جا رہے ہیں ان کا معیار روز بروز گرتا چلا جا رہا ہے لیکن پروفیسر حبیب نے اس پر جو پیش لفظ لکھا ہے اس سے کتاب کے مطالعہ کی نوعیت کچھ بدل گئی ہے اور پیش لفظ مصنف کے لئے بلائے جان ہے۔"

ماہنامہ معارف کے نومبر کے عدد کا تعلق حضرت مجدد سے ہے اور میں اب اس عدد میں سے فاضل مقالہ نگار کے کلام کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

”مصنف نے ہر موقع پر اپنے کو غیر جانبدار محقق ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور انھوں نے اپنے مقالہ کے متنوں سے اس کی سند بھی حاصل کرلی ہے لیکن ان کے متعین وہ لوگ ہیں جن کو ہندوستان کے مسلمانوں کی احیائے دین کی تحریکوں سے کوئی خاص واسطہ نہیں رہا۔ مصنف نے بعض بزرگان دین کی مدح ضرور کی ہے لیکن یہ مدح اس لئے نہیں ہے کہ وہ واقعی ان کے قائل ہیں بلکہ اس لئے کہ اس مدح کے پردے میں اپنے ناظرین کو حضرت مجدد الف ثانی کی قدح سننے کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں جو ان کی کتاب کی اصل غرض وغایت ہے۔ لیکن ان کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ ان کی کتاب پڑھنے والوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔“

”مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی کو خود ساختہ مجدد اور قیوم کہہ کر ان کی سیرت اور تجدیدی سرگرمیوں کی جو مرقع کشی کی ہے وہ ناظرین ملاحظہ کریں۔

اگرچہ مجدد اپنی حجتوں سے اپنے معاصرین کو متاثر کرنے میں ناکام رہے لیکن ان سے نہ صرف مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں باہمی بے اعتمادی اور نا اتفاقی پیدا ہونے کے رجحانات بڑھ گئے بلکہ ملک کے سیاسی جسم میں فرقہ دارانہ زہر کا انجکشن پڑ گیا۔ ص ۱۷۵۔

جہانگیر کی حکومت کے آغاز میں شیخ احمد نے فرقہ دارانہ جوش کو بلاشبہ تھوڑی سی کامیابی کے ساتھ اُکسایا۔ ص ۲۱۵

موجودہ دَور کے فضلا نے ان کو ایک خرافاتی شخصیت بنا دیا ہے، ص ۲۱۵

وہ بہ ظاہر اس غلط خیال میں مبتلا رہے کہ جہانگیر ہر چیز کو درست کردے گا اور اسلام کو اس کی پہلی شان وشوکت پر لے آئے گا اگر وہ اپنی تلوار ہندوؤں اور شیعوں کے خلاف استعمال کرتا رہے گا۔ ص ۲۴۷۔

انھوں نے راسخ العقیدگی کی تجدید کے لئے اُمَرا کو آلۂ کار بنانے کی کوشش کی اور ... فرقہ دارانہ جذبات سے اپیل کی۔ ص ۲۴۷۔

بے بنیاد خوف اور خطرات مجدد کے دماغ پر چھائے تھے۔ ص ۲۴۸۔

شیعوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے ان میں پسپائی اور حسد کا جذبہ پیدا ہوا، جس سے شیعوں سے ان کو نفرت پیدا ہوگئی اور انھوں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک علحدہ رسالہ ردِّ روافض لکھ کر کیا جس میں شیعوں کے اعتقادات کو ردّ کیا ہے۔ ص ۲۵۰۔

مجدد نے اپنے یا گزشتہ دور کے علماء کے متعلق جو سطحی باتیں کیں یا ان پر غیر مبہم طریقہ سے جو الزامات

رکھے ان سے عام لوگوں کو کوئی مدد نہیں پہنچی، ان کی ملامتوں اور شدت بھری تنقیدوں نے مسلمانوں کو اس جگہ سے آگے نہیں بڑھایا جہاں وہ تھے۔ ص ۲۵۱

مجدد کے معاصر اور بعد کے صوفیہ ان کے دعاوی سے کبھی متفق نہ ہو سکے۔ خواجہ باقی باللہ کے لڑکوں اور دوسرے اہم مریدوں نے ان کے ضابطوں کی مخالفت کی۔ ص ۲۶۰

ان میں ایک صوفی کی وسیع المشربی اور فیاضانہ روش سے زیادہ ایک مُلّا کی تنگ نظری تھی۔ ص ۳۱۱۔

وحدت الوجود کے خلاف مجدد کے طویل مواعظ ابن تیمیہ شیخ علاء الدولہ سمنانی اور گیسو دراز کی تعلیمات پر مبنی تھے، لیکن وحدت الوجود اور وحدانیت کے رجحانات سے ٹکرا کر ناکام رہ گئے جو اس زمانہ کے مسلمانوں کی معاشرت میں نفوذ کر گئے تھے۔ ص ۳۱۲

مجدد کی تعلیمات پر جب ان کے مقلدوں نے عمل کیا تو اُن سے بلند قسم کے اخلاقی اقدار پیدا نہیں ہوئے۔ ص ۳۱۲۔

مجدد کے خلفا اپنے پاس ایک متعصب ملا کے زہر کے علاوہ کچھ نہ رکھتے۔ ص ۴۲۴۔

مجددیوں کی قوت اورنگزیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہوتے ختم ہو چکی تھی۔

۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء میں شیخ معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت ختم ہو گئی مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے۔ ص ۴۲۶۔

مصنف شاید خوش ہوں گے کہ انھوں نے اپنی ان تحریروں سے حضرت مجدد الف ثانی کی عزت و شہرت کو خاک میں ملا کر رکھدیا لیکن ان کی کوششوں کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت کا آئینہ وہ آئینہ ہے۔ ع جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں۔

مصنف شاید اس سے بے خبر نہیں کہ برطانوی حکومت کے زمانہ میں انگریز مصنفوں نے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی حکومت کو محض زحمت ہی زحمت ثابت کرنے کی کوشش کی......

اور اب ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کو بُرا ثابت کرنے کی مہم اٹھائی گئی ہے ۱۹۶۴ء میں انٹرنیشنل کانگریس کا اجلاس دہلی میں ہوا تھا اس میں مجلس استقبالیہ کی طرف سے "اورنٹیل سٹوڈیز ان انڈیا" یعنی "ہندوستان میں مشرقی علوم" کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی تھی اس میں شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کو فرقہ وارانہ فلسفہ کہا گیا تھا (ص ۹۷) سمجھ میں نہیں آتا کہ فرقہ وارانیت سے کیا مراد ہے۔ مصنف بھی ہمارے بزرگان دین کی مذہبی سرگرمیوں کو فرقہ وارانہ کہنے میں تامل نہیں کرتے۔ ہندوستان کے سیاسی ہنگاموں کے اس دَور میں ہر ہر چیز میں فرقہ واریت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق نے ایک موقع پر اس کی تعریف یہ کی تھی کہ مسلمانوں کی

اکثریت جس چیز پر متفق ہو جائے تو وہ "فرقہ واریت" ہے۔ لیکن ہندوؤں کی اکثریت جس چیز پر اتفاق کرے وہ "قومیت" ہے اسی تعریف کی رو سے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی صرف فرقہ واریت ابھارتے رہے لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اسی فرقہ واریت کی بدولت وہ اس وقت ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کے مذہبی ہیرو بنے ہوئے ہیں جیسا کہ ان مضامین اور تصانیف سے ظاہر ہوگا جو اب تک ان کے متعلق شائع ہو چکی ہیں۔ خود مصنف کو بڑے دکھ اور درد کے ساتھ لکھنا پڑا ہے۔

"شیخ احمد سرہندی کو آئندہ صفحات میں مجدد کہا جائے گا ان کے مقلدان کی سرگرمیوں کو بعد کی نسلوں میں پرشکوہ بناتے رہے ہیں اور موجودہ دور کے فضلا نے ان کی شخصیت کو خرافاتی بنا دیا ہے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے آبا و اجداد کو عوام سے روشناس کرنے اور مسلمانوں میں قومی جذبات پیدا کرنے کے لئے ۱۹۱۹ء میں تذکرہ لکھا اس میں بعض علماء اور صوفیہ کی سرگرمیوں کی تعریف کی گئی ہے ان میں مجدد بھی شامل ہیں جن کو ریاست کی حکمتِ عملی سے اتفاق نہیں رہا اس کتاب کی اشاعت کے بعد مجدد کی شخصیت اور اثرات کی نئی تعبیر کی گئی۔ مولانا آزاد کے تذکرہ کے بعد جو تصانیف شائع ہوئی ہیں ان میں فرقہ پرستوں اور ہندوستانی قوم پرستوں دونوں نے مجدد کو ایک ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا۔ فرقہ پرست تو ان کی تعریف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی خاطر جہانگیر کو بدعقیدگی کے دائرہ سے نکال کر مغل حکومت کو بچا لیا اور ہندوستانی قوم پرست ان کو انقلابی اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے جہانگیر کو سجدہ نہیں کیا۔" ص ۱۶-۲۱۵۔

"ہمارے مصنف صلح کل کے حامی ہیں لیکن اگر واقعی اس کے قائل ہوتے تو وہ جمہور مسلمانوں کے ایک ہیرو کے خلاف اپنے غصہ اور اشتعال کا اظہار نہ کرتے وہ تو صلح کل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو"

حضرت مجدد الف ثانی پر مصنف کے ساتھ پروفیسر حبیب نے یہ بھی الزام رکھا ہے کہ انھوں نے فرقہ واریت کے جذبہ میں ہندو مسلمان اور شیعہ سنی میں منافرت پیدا کی۔ (پیش لفظ ص ۱۰)

مصنف نے اُن اُمرا پر بھی سبّ و شتم کی بارش کی ہے[1]، جو مجدد الف ثانی کے عقیدت مند اور ان سے وابستہ تھے، مثلاً شیخ فرید بخاری کو مصنف نے غصہ میں مجدد الف ثانی کا فقہ کاسٹ (ص ۲۱۶) شرابی (ص ۲۲۷) ظالم اور انتقام پسند اور نالائق (۲۲۸) کہا ہے اور یہ مغلیہ دربار

---

[1] مصنف معذور ہیں۔ کوئی کچھ کرے اس کی فطرت بدلا نہیں کرتی۔

در مذہب کہ دشنام طاعت باشد مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

جب حضرات صحابہ ان کے سب و شتم سے محفوظ نہیں تو حضرت مجدد اور شیخ فرید کا کیا ذکر۔ (زید)

کے ایک ایسے امیر کی تصویر ہے جس کے قائل صرف حضرت مجدد الف ثانی ہی نہیں بلکہ حضرت باقی باللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی تھے۔ مآثر الامراء کے مصنف نے تیموری دور کے امراء میں کسی کی اتنی تعریف نہیں کی ہے جتنی شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری کی کی ہے۔"

شاہ ولی اللہ نے شیخ فرید بخاری کے بارے میں انفاس العارفین میں لکھا ہے۔

"شیخ فرید بخاری کہ از اعاظم امرائے آں زماں بود، جامع بود درمیان غایت صلاح و اعتقاد مشائخ صوفیہ"

جن دوسرے امراسے حضرت مجدد نے خط و کتابت کی ہے ان کو مصنف نے غیر اہم امرا اور برہم حکام کہکر مجروح کیا ہے (ص ۲۴۳) اور جہاں اس قسم کی جراحت نہ لگا سکے ہیں وہاں حضرت مجدد الف ثانی کے خیالات اور نظریات کو نزاعی اندازِ بیان (ص ۴۴-۲۴۳) فرقہ دارانہ زہر (۴۷-۲۴۷) بے بنیاد خطرات اور توہمات، طویل مواعظ (ص ۲۳۹) وغیرہ کہکر اپنے دل کو مطمئن کرلیا ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہی طرزِ بیان اور اندازِ تحریر دوسرے مورخوں نے ہندوستان کی اور تاریخوں کے لکھنے میں اختیار کیا ہے؟ یہ تاریخی تحقیقات کا عجیب و غریب نمونہ ہے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی کے وصال کو کئی سو سال گزرے لیکن آج بھی علماء صلحاء اور صوفیہ کے سامنے جب ان کا نام آتا ہے تو وہ سرِ عقیدت خم کر دیتے ہیں۔ ان پر مضامین اور کتابیں نکل رہی ہیں ہندوستان و پاکستان کے مختلف گوشوں میں[1] مجددیہ سلسلہ کی خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور بہ قول ڈاکٹر اقبال۔ ع جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِٔ احرار۔

خود مصنف کو اعتراف ہے کہ اُن کی حیثیت ایک ہیرو کے ہوگئی ہے (ص ۱۶-۲۱۵) پھر بھی تحقیقات کے نام پر یہ بتایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے علاقہ کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے (۲۴۴) اور مجددیوں کی قوت اورنگ زیب کی حکومت کے شروع ہوتے ہی ختم ہو چکی تھی، شیخ محمد معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت بھی ختم ہوگئی مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے[2] (ص ۲۴۶) یہ تحقیقات ہیں یا تحقیقات کے نام پر آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔"

اس قسط کے ختم ہونے سے پہلے مصنف سے تو نہیں ان کے متعلقوں سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا

---

[1] اللہ کے فضل و کرم سے تمام افغانستان اور بلوچستان میں اور ترکیہ شام جزیرۃ العرب، ایران، تمام بنگال اور برما میں آپ کا مبارک سلسلہ رائج ہے (زید) [2] ملا علی بن حسین کاشفی نے رشحات میں عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حال میں "نفائسِ انفاس" کے بیان میں دوسرے رشحہ میں لکھا ہے "می فرمودند مردم بد نفس چوں خواہند کہ عیب کسے برشمارند اول بدیہائے کہ در ذات ایشان موجود است بر زبان ایشان جاری می شود چہ آں بہ فہم ایشان نزدیک تر است" جو شخص تیرہ بادی کے پلیگ میں پلا ہو اس کو سب و شتم اور پلیگ کے سوا کیا نظر آئے گا۔ از کوزہ ہماں تراود کہ دروست۔ (زید)

مسلمانوں کی تاریخ خصوصاً ان کی مذہبی تحریکات کے نظری اور فکری پہلوؤں کو مسخ کرکے پیش کرنے اور ان کے بزرگان دین میں سے کسی کو بداخلاق (ص ۱۲) کسی کو بدپرہیزگار (ص ۱۲) کسی کو زنا کا مجرم (ص ۲۳) کسی کو بداخلاقی کے پلیگ کا مریض (ص ۴۲۶) کسی کو متعصب اور فرقہ پرور بنانے اور ان کی تاریخ کے بُروں کو اچھا اور اچھوں کو بُرا ثابت کرنے ہی میں ساری تحقیق کی غیر جانبداری اور وسیع النظری سمٹ کر رہ گئی ہے اور اگر یہ کتاب اس لئے شائع کی گئی ہے کہ اس سے قومی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کی تحریک کو فروغ ہوگا تو پھر اس تحریک کے علمبرداروں سے یہ کہنا ہے کہ وہ اپنے اصلی و نقلی نادان و دانا اور مفاد پرست اور بے غرض دوستوں کو نہیں پہچانتے۔“

جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے ایل ایل بی رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش نے معارف ۱۹۶۶ء کے ماہ مئی کے شمارہ میں صفحہ ۳۲۵ سے ۳۵۱ تک رضوی صاحب کی کتاب کے متعلق حقائق کا اظہار کیا ہے۔ مختصر طور پر کچھ نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

”کتاب کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد حضرت مجدد الف ثانی کی تنقیص اور مذمت ہے اس کے لئے یہ غیر ضروری اور گمراہ کن تمہیدیں بڑھائی گئی ہیں مصنف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے۔ مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہیئے اسے تبرّا نہیں بنا دینا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے ”ردِ روافض“ نام کا رسالہ بھی لکھا تھا مگر جن حالات میں یہ رسالہ لکھا گیا وہ بالکلیہ بدل چکے ہیں۔ اس عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات اس کے مقتضی تھے کشمیر میں اکبر کی مداخلت اسی مذہبی نزاع کا نتیجہ تھی، لیکن آج اس کی تبلیغ کرکے ملک کے دو طبقوں میں ناخوشگوار جذبات کا احیاء کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ مجدد صاحب نے استیصالِ بدعات اور غیر اسلامی رسوم سے احتراز و اجتناب پر زور دیا اور مجدد صاحب کی یہ کوشش مفاد پرست طبقہ کو کبھی ایک آنکھ نہیں بھائی با ایں ہمہ یہی ”وہابیت“ بنی نوع انسان کی ذہنی و معاشی حریت کی ضامن ہے اسی لئے ان حضرات کو جو اس مفاد پرست طبقہ کے ترجمان ہیں اس ”وہابیت“ سے فطرۃً عقیدت نہ ہوگی مگر اس ناپسندیدگی سے انھیں اپنے ناپسندیدہ مسلکِ حیات کے علمبرداروں کو مطعون کرنے اور ان کے خلاف بے بنیاد الزام تراشنے کا حق تو نہیں مل جاتا۔“

ہیموں کے اقتدار کا ذکر کرکے فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے۔

”اس کے بعد مغل ہوں یا پٹھان، سادات ہوں یا شیوخ، جملہ بیرونی لوگوں کے استیصال

واخراج کے لئے ایک تحریک شروع ہوئی جس کا اثر ان شہروں میں تو نمایاں نہ تھا جہاں مسلمان امرا کے ہمراہ کافی مسلمان آبادی تھی، لیکن ان شہروں میں یہ تحریک بڑے زوروں پر تھی جو دشوار گزار علاقوں میں واقع تھے یا جو ہندوؤں کے تیرتھ استھان تھے، ان شہروں میں بیرونی لوگوں کے استیصال واخراج کے لئے منظم جارحانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔

ہمایوں کی واپسی اور اکبر کی تخت نشینی کے بعد بہ ظاہر مقامی احیائیت پسندوں کی توقعات کو کچھ صدمہ پہنچا مگر جب اکبر نے راجپوتوں کے یہاں رشتہ داریاں قائم کرلیں تو پھر مقامی احیائیت پسندوں کی جارحانہ سرگرمی بڑھ گئی، متھرا کا واقعہ کوئی منتشر واقعہ نہ تھا جیسا کہ مصنف نے سرسری نظر ڈال کر اس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے۔ انتہی۔

اللہ تعالیٰ سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب اور شبیر احمد خاں صاحب غوری کو کامل اجر دے کہ انھوں نے رضوی صاحب کے مکائد اور بُرے عزائم کا پردہ چاک کیا۔ ساڑھے تین سو سال پہلے حضرت مجددؒ نے شیعوں کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر ایک علمی رسالہ لکھا تھا، اس رسالہ کی وجہ سے شیعیت کا فتنہ فرو ہوا تھا۔ ڈیڑھ سو سال بعد شیعوں نے پھر فتنہ برپا کیا۔ اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" لکھی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "ہدیۂ مجیدیہ" کے نام سے سنہ ۱۳۱۰ھ میں چھپا ہے۔ رضوی صاحب نے اب اس دور میں پھر اس فتنہ کو برپا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ان مکائد کا استعمال کیا ہے جن کا بیان تفصیل کے ساتھ حضرت شاہ عبدالعزیز نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے رضوی صاحب کو بے نقاب کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے۔

"ہمارے مصنف صاحب صلح کل کے حامی ہیں لیکن اگر واقعی اس کے قائل ہوتے تو وہ جمہور مسلمانان کے ایک ہیرو کے خلاف اپنے غصے اور اشتعال کا اظہار نہ کرتے وہ تو صلح کل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو"

اور جناب شبیر احمد خان غوری نے حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مصنف کے چھپے ہوئے عزائم چھٹے باب میں بے نقاب ہو جاتے ہیں، انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ کے علاوہ اور کس کی شخصیت تنقید سے بالاتر ہو سکتی ہے، مگر تنقید کو تنقید کی حد تک رکھنا چاہیے، اسے تبرا نہیں بنا دینا چاہیے"

رضوی صاحب کی کتاب کے سلسلہ میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی نے لکھا ہے

"ایک یہودی طالب علم وائی فریڈمان نے حضرت مجددؒ پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جو کتابی شکل میں بہ زبان انگریزی میکگل یونیورسٹی پریس، مانٹریال سے سنہ ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا ہے، اس کا نام

"شیخ احمد سرہندی اور آئندہ نسلوں کے بارے میں ان کا نظریہ" ہے۔ اس کتاب میں اطہر عباس کے نظریات پر اعتراض کیا گیا ہے اور باوجود غیر مسلم ہونے کے فریڈمان نے ادب واحترام اور تہذیب وشائستگی کے پہلو کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور حضرت مجدد کی شان میں کوئی بھی ایسی گستاخی نہیں کی ہے جس کے نمونے اطہر عباس کی کتاب میں جابجا ملتے ہیں" [1]

مولانا نسیم احمد کی اس تحریر کو پڑھ کر میں نے مولانا محمد اقبال [2] مجددی کو لکھا اگر وائی فریڈمان کی کتاب ان کے پاس ہو تو اس کے کسی حصہ کا ترجمہ ارسال کر دیں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر کثیر دے کہ انھوں نے درج ذیل مضمون ارسال کیا ہے۔

مسٹر یوحنا فریڈمان کا بیان

یوحنا فریڈمان نے اپنی کتاب "شیخ احمد سرہندی اور ان کے خیالات کا تصور آنے والی نسلوں کی نظر میں" کے صفحہ ۱۱۰-۱۱۱ میں لکھا ہے۔

"اس نظریے کو (کہ سرہندی کا سیاسی رول محض ایک مقدس ڈھونگ ہے جو اُن کے مریدوں نے گڑھا اور ان کے اندھے مقلدین نے باقی رکھا) رضوی نے اپنی کتاب "سولھویں اور سترہویں صدی میں شمالی ہند میں احیائے اسلام کی تحریکات" میں زیادہ تفصیلی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ مسلم فرقہ پرستی کو رد کیا اور ایسا کلچر تعمیر کرنے کی کوشش کی جو ہندوستان کے ہندو ماحول میں پروان چڑھ سکے، سرہندی پر بحث کے دوران رضوی سخت ناپسندیدگی کے ساتھ ہندوؤں کے خلاف ان کی نفرت کا تذکرہ کرتا ہے (رضوی۔ احیائے اسلام ۲۴۸-۲۵۰) اور لکھتا ہے کہ ان کو یا ان کے کسی مقلد کو اپنے خیالات کے پرچار میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہندی مسلمانوں کا ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود سے گہرا لگاؤ اور سرہندی اور ان کے مقلدین کی مذہبی عصبیت سے ان کی روگردانی اس ناکامی کا سبب تھا، رضوی کے خیال میں ابن العربی کا عالمی نظریہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا نظریہ ہے، رضوی نے سرہندی کو ہندو مسلم پرامن بقائے باہمی میں رخنہ اندازی کی سعی ناکام کرنے والا، مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت کا ایک تنگ نظر نمائندہ ظاہر کیا ہے

(صفحات ۲۳۰-۲۱۲-۲۱۱-۲۸۱-۲۷۸-۲۷۷-۲۷۳)

سرہندی کی تعلیمات کی مقبولیت سے متعلق رضوی کا بیان کئی وجوہ سے مشکوک ہے۔

اوّل یہ کہ مختلف صوبوں کے لوگوں میں تعلیمات سرہندی کی ناکامی سے متعلق رضوی نے جو شہادت

---

[1] تجلیات ربانی حصہ اول صفحہ ۲۷ [2] محمد اقبال مجددی لاہوری نے ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۲ء میں کتاب "احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری" لکھی ہے اور آپ کے تحقیقی مقالات رسائل و مجلات میں چھپتے رہتے ہیں۔

پیش کی ہے وہ وزن نہیں رکھتی۔ اس نظریہ کی حمایت میں کافی شواہد ہیں کہ علماء کی حمایت حاصل کرنے میں سرہندی ناکام رہے۔ لیکن ان عوام کا ردّ عمل زیادہ تر معلوم نہیں جن میں ان کے مرید کام کرتے تھے۔ لیکن یہ امر واقع ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد سرہندی سے خط و کتابت کرتی تھی اور ان سے اسرارِ تصوّف معلوم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ سرہندی کو اپنے مریدوں سے کبھی کبھار کی شکایت کو کہ وہ پوری توجہ سے کام نہیں کرتے تھے، رضوی نے اپنی کتاب میں بہت اہمیت دی ہے (صفحات ۲۸۴-۲۷۱) اس سے ایسی زبردست شہادت کی نفی نہیں ہوتی کہ سرہندی درحقیقت ایک صوفی رہنما تھے جن کو اچھی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔

دوسرے رضوی نے یہ مفروضہ قائم کرلیا ہے کہ سرہندی کے مُرید جہاں جاتے تھے ہندوؤں کے خلاف جذبات اُبھارتے تھے لیکن اس کے ثبوت میں کوئی دلیل یا شہادت پیش نہیں کی۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ہندوؤں کے مسئلے کو سرہندی کے افکار میں مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی اس مسئلے پر انھوں نے اپنے خیالات زیادہ تر مُغل حُکّام کو اپنے مکتوبات میں تحریر کئے ہیں۔ جب سرہندی کے مُرید ہندوستان کے مختلف شہروں میں گئے تو انھوں نے نقشبندی روحانیت کے آداب کی تعلیم دی۔ فرقہ دارانہ جذبات نہیں اُبھارے۔

یہ مفروضہ قائم کرلینا کہ سرہندی اور ان کے مریدوں کی منظّم مخالفت کی گئی اور اس مفروضہ مخالفت کو فرقہ واریت کے خلاف، تحریک ظاہر کرنا ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔"

اِنَّ مَنْ یَدَّعِیْ بِمَا لَیْسَ فِیْہِ　　　　کَذَّبَتْہُ شَوَاہِدُ الْاِمْتِحَانِ

پروفیسر ایم۔ مجیب شیخ الجامعہ
کی کتاب
دی انڈین مسلمز یعنی مسلمانانِ ہند
کے
اُس حصّہ پر تبصرہ جس کا تعلق حضرتِ مجدد سے ہے

اَے شمعِ سحر گریہ بہ حالِ مَن و خُود کن   کیں سُوزِ نہانی کہ مَراہست تُرا نیست

میرے سامنے پروفیسر ایم مجیب کی کتاب کے اس حصّے کا ترجمہ رکھا ہے جس کا تعلق حضرت مجدّد سے ہے۔ میں اس کو پڑھتا ہوں اور حیرت میں رہ جاتا ہوں کہ یہ کیا لکھا ہے، کیا کوئی ایک بات بھی صحیح لکھی ہے۔

پروفیسر مجیب کے پیش رَو سیّد اطہر عبّاس کی غلط بیانیوں کا پردہ سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن اور شبّیر احمد خان غوری نے چاک کیا۔ ان دونوں صاحبان نے حضرت مجدّد کے متبعین کے زخمی دلوں پر مرہم رکھدیا ہے، کاش کوئی فاضل، اِلزاماتِ مُجیب کی بھی حقیقت ظاہر کر دیتا۔ اور اس ناخوش گوار مرحلے سے میں بچ جاتا۔ کہاں تک لکھوں کہ جنابِ مَن یہ خالص الزام ہے، یہ نِری تُہمت ہے، یہ تحریفِ محض ہے۔ لیکن مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طُوفانِ شور افزا   سر افگندیم بِسْمِ اللهِ مَجْرٖیھَا وَ مُرْسٰھَا

اب پروفیسر مجیب صاحب کے عائد کردہ الزامات اور خود ان کے اجتہادات و قیاسات کو نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتا ہوں۔

پہلا حصّہ۔ شیخ احمد وہ صاحب ہیں جنھوں نے ...... راسخ العقیدگی کے احیار کو باقاعدہ تحریک کا سا انداز بخشا، انھوں نے اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز متعدد پمفلنٹ (رسائل) کی صورت میں کیا، جن میں سے ایک رَدِّ روافض شیعی مسلک کی مخالفت میں لکھا۔ ص ۲۴۳

تبصرہ۔ پروفیسر صاحب نے آپ کا ذکر آپ کے نام سے کیا ہے۔ حالانکہ آپ کی شہرت خطاب سے ہے

جس طرح پر حضرتِ اِبنِ عَرَبی کا اسم گرامی محمد اور خطاب شیخ اکبر ہے اور شہرت خطاب سے ہے۔ آپ کا ذکر جو بھی کرے گا وہ شیخ اکبر کے نام سے کرے گا، اسی طرح حضرت مجدد کا جو بھی ذکر کرتا ہے وہ مجدد ہی کے نام سے کرتا ہے، اگر پروفیسر صاحب کو مذہبی کتابوں سے لگاؤ ہوتا تو ان پر یہ حقیقت ظاہر ہوتی کہ نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ اَفغانستان، تُرکِیہ، اور ممالکِ عَربیہ میں اللہ کے فضل وکرم سے آپ کی شہرت آپ کے خطاب سے ہے۔ علامہ یوسف نبہانی کی کتاب "جامع کرامات الاولیا" کی پہلی جلد کے صفحہ ۳۳۴ کو اٹھا کر دیکھا جائے۔ لکھا ہے "اَحمَدُ الفارُوقِی السَّہرَندِی مُجَدِّدُ الالفِ الثّانِی" علمائے عرب جب حضرت مجدد کی کسی معرفت کا بیان کرتے ہیں تو لکھتے ہیں "قَالَ السَّیِّدُ المُجَدِّدُ" کیا پروفیسر صاحب کسی غیر مسلم مذہبی رہنما کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرسکتے ہیں، کیا وہ عیسائیوں کے کسی سینٹ کے ساتھ سینٹ کا لفظ نہیں لکھیں گے یا سکھوں کے کسی گرو کے ساتھ لفظ گرو نہیں لائیں گے۔ ایسے مواقع پر اعتقاد اور عدم اعتقاد کا سوال نہیں ہوتا ہے بلکہ تہذیب اور شائستگی بھی ایک شے ہے جس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

مجیب صاحب نے جب کہ اپنے مضمون کی ابتدا ہی غیر شائستگی سے کی ہے تو انتہا کا خدا ہی حافظ ہے ؏ قیاس کن زگلستانِ مَن بہارِ مرا۔

جنابِ مَن۔ مردِ مومن، کاملُ الایمان کا یہی کام ہے اور پھر مجدد کے واسطے یہ کام لازم ہے کاش حضرت عمر بن عبد العزیز اور دوسرے مجددوں کے حالات کو مجیب صاحب پڑھتے اور راسخ العقیدگی کی قدر و منزلت سے واقف ہوتے۔ یہ نعمت جس کو مل جائے وہ خوش نصیب ہے مولیٰ جلّ شانہٗ اس سے راضی ہے۔

اور لکھا ہے۔ اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز۔ الخ۔

بے شک حضرت مجدد نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے تین رسائل لکھے ہیں، پہلا تہلیلیّہ ہے اور اس میں کلمۂ طیبہ کا بیان ہے۔ دوسرا اِثباتِ نبوت ہے۔ اس رسالہ میں ابوالفضل کے اِلحاد کا رَد کیا ہے۔ یہ دونوں رسالے عربی میں ہیں۔ تیسرا رسالہ رَدِّ شیعہ ہے جس کو رَدِّ روافض بھی کہتے ہیں، آپ نے اس رسالہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ علماءِ ماوراء النہر نے ایک رسالہ رَدِّ روافض میں لکھا تھا اس کے جواب میں شیعوں نے بھی رسالہ لکھا۔ اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کی تکفیر اور حضرت عائشہ کی تشنیع اور ذَم ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "شیعوں کے بعض طلبہ ایران سے اس رسالہ کو لے کر آئے اور رسالہ کی تحریرات پر فخر و مباہات کرنے لگے اور بادشاہ اور امرا کی محفلوں میں ان مغالطات کی تشہیر کرنے لگے۔ جب مجلس میں یہ فقیر ہوتا تھا۔ ان کی غلط بیانیوں کا رَدّ کرتا تھا۔ اس وقت خیال آیا کہ ان کے

مغالطات کے رد میں رسالہ لکھا جائے چنانچہ یہ رسالہ لکھ رہا ہوں۔"

مجیب صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ شیعی مذہب کی مخالفت میں آپ نے رسالہ لکھا لیکن وجہ تالیف بیان نہیں کی شاید مجیب صاحب اپنے اَولیائے نعمت کو خوش کرنا چاہتے تھے حضرت مجدّد کا عَمل دِفاعی ہے اور شیعہ اس معاملہ میں جارِح ہیں۔ پھر بھی حضرت مجدّد پر الزام رکھا جا رہا ہے کیا یہی حقیقت نگاری ہے۔

دوسرا حصہ۔ سنہ ۱۶۰۰ء / سنہ ۱۰۰۸ھ میں وہ (حضرت مجدّد) خواجہ باقی باللہ کے مرید ہو گئے جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد امرا میں نقشبندیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کے واسطے وہ خواجہ باقی باللہ کا اثر و رسوخ استعمال کرتے رہے۔ جہانگیر خود ہی اعمال و معتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا۔ شیخ فرید بخاری (مرتضیٰ خان) سے اس نے یہ تک کہا کہ چار ایسے ممتاز ترین علماء کے نام تجویز کرو جو وعظ و تذکیر کر سکیں۔ اس پر شیخ احمد نے جو مرتضیٰ خان سے اچھی طرح واقف تھے، انھیں لکھا کہ چار عالموں کی تقرری کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ وہ لوگ آپس میں جھگڑتے رہیں کیوں کہ صلح پسند علماء تو ملنے سے رہے، لہذا اس کام کے لئے صرف ایک عالم کا انتخاب کیا جانا چاہیئے۔

یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس "صرف ایک عالم" سے ان کا اشارہ اپنی جانب رہا ہوگا ۲۲۴؎

تبصرہ۔ لکھا ہے۔ اُمرا میں نقشبندیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کے واسطے۔ الخ۔

پروفیسر صاحب کو شوق تالیف ہے اور ان کو حضرت مجدّد پر لکھنا بھی ضروری تھا (ہو سکتا ہے کہ اپنے پیش رو کی طرح یہ بھی کسی سازش کا شکار ہوئے ہوں) لیکن حضرت مجدّد کے متعلق ان کی معلومات درجۂ صفر پر ہیں۔ ان کو یہ تک معلوم نہیں ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے اکبری الحاد کو مٹانے کے واسطے حضرت عبیداللہ اَحرار کے طریقہ پر عمل شروع کر دیا تھا۔ پھر حضرت خواجہ نے یہ کام بھی حضرت مجدّد کے حوالے کر دیا تھا چنانچہ آپ نے امرا کو راہِ راست پر لانے کی مہم بڑی شدت سے شروع کی۔ آپ نے کافی امرا کو خطوط ارسال کئے، آپ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ عبیداللہ اَحرار اُمَرا کے پاس از خود جاتے تھے تاکہ ان کے احوال درست ہوں اور اسلام میں رونق آئے۔ حضرت مجدّد نے اپنے صاحبزادے کو لکھا ہے (مکتوب ۶۰ دوسرا دفتر) کہ "پیری مریدی کے واسطے میری خلقت نہیں ہوئی ہے بلکہ میرے سپرد دوسرا عظیم کام ہے۔" اور یہ عظیم کام استیصالِ اِلحادِ ابوالفضل و فیضی اور شریف آملی ہے، جو اِلحادِ اَکبری کے نام سے مشہور ہے۔ مجیب صاحب کو حقائق کا علم نہیں اور اپنے ظُنُونِ فاسدہ کی بنا پر جو دل میں آ رہا ہے لکھ رہے ہیں۔ حضرت مجدّد کے اوائلِ دَور میں ہندوستان میں اسلام آخری اَنفاس کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ اَرکانِ اسلام گرائے جا رہے تھے۔ مجیب صاحب کو علم نہیں کہ اسلام ایک گھر ہے

اور تمام سلاسل اس کی تطہیر اور زیب وزینت کا کام انجام دیتے ہیں، اگر گھر نہ ہوگا، زیب وزینت کہاں ہوگی پہلے مَردِ مُسلم پیدا ہو پھر کمالِ ایمان کا ظہور ہوگا۔ جو کام حضرت خواجۂ اَحرارؒ خود تشریف لے جاکر کیا کرتے تھے آپ نے اپنے مکاتیب سے وہی کام لیا۔ البتہ جہانگیر کی اصلاح کے لئے اللہ کو یہ منظور تھا کہ کچھ مدت آپ اس کے پاس رہیں۔ چنانچہ اس کام کے لئے اس نے نظربندی کی صورت پیدا کی اور دنیا حیران رہ گئی کہ احوال نے کیسا پلٹا کھایا، کہاں اِلحادیٔ عبادت خانوں کی تعمیر۔ کہاں فتح کانگڑہ کے بعد وہاں ذبح بقر پھر اذان وخطبہ اور جماعت پھر تعمیر مسجد۔

فیض روح القدُس اَر بَاز مدد فرماید　　دیگراں ہم بکنند آنچہ مَسِیحَا می کرد

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے۔ "وہ خواجہ باقی باللہ کا اثر ورسوخ استعمال کرتے رہے"

دوسروں کے اثر ورسوخ کو وہ شخص استعمال کرتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہ ہو۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کے سپرد خِلَافتِ اِلٰہِیَہ کردی تھی۔ آپ مملکتِ رُوحِیَہ کے بادشاہ تھے۔ اللہ نے آپ کو اپنے وقت کا اِنْسَانِ کَامِل، قُطبُ الْاَقطَاب اور قَیُّوم عَالَم بنایا تھا۔ آپ مجددِ وقت تھے، ہر خراب چیز کا زائل کرنا اور ہر نیک عمل کا رائج کرنا آپ کا کام تھا۔ بد اور نیک کی پہچان کے لئے معیار وحیدِ شریعت ہے۔ ع درد دیں نہ لَغوِ بُوعَلی وَرَازِ عُمُری۔

پروفیسر مجیب سے پہلے ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ تھے۔ کیا پروفیسر مجیب اپنی صدارت اور جامعہ کی شیخی کے دوران میں ڈاکٹر صاحب کا اثر ورسوخ استعمال کرتے رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ سوءِ ظن کی بنا پر مجیب صاحب کیا کچھ لکھ رہے ہیں۔ ع آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند۔

لکھا ہے۔ "جہانگیر خود ہی اعمال ومعتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا"

کیا خوب! اکبر بھی تو اعمال ومعتقدات کی تطہیر کی جانب مائل تھا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس نے کیسی تطہیر کی اگر اکبر ابوالفضل وفیضی اور شریف آملی کے پھندے میں پھنسا تھا تو جہانگیر بھی نور جہاں کے تصرّف میں جاچکا تھا دَربَار پر رافضیوں کا تصرّف ہوگیا تھا۔ مفتی غلام سرور نے لکھا ہے کہ رَافِضِی امرا کی سازش سے حضرت مجدد کے قتل کا فتویٰ مرتّب ہوا۔

مجیب صاحب کے نزدیک یہ سب کچھ خود ہی ہو رہا تھا۔ کیا حقیقت شناسی اور حق گوئی اسی کا نام ہے!

لکھا ہے "یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس ایک عالم سے ان کا اشارہ اپنی جانب رہا ہوگا" علمار کے نزدیک سَبَبْ کو دیکھ کر قیاس کے بیجا یا بَجَا ہونے کا حکم کیا جاتا ہے مجیب صاحب قیاس کر رہے ہیں اور وَجہ وعِلّتْ نہیں ظاہر کرتے اور توقع رکھتے ہیں کہ سب ان کے قیاس کو صحیح تسلیم کرلیں گے۔

حضرت مجدّد کے اُس رسالے کے مطالعہ سے جو ابوالفضل کے رد میں لکھا ہے۔ اور آپ کے مکاتیب سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالفضل وغیرہ نے رافضیوں کے باطنی فرقے کا مسلک اختیار کرلیا تھا، اور وہ اسی کی ترویج چاہتا تھا تاکہ الحاد و اباحت کے دروازے کُھل جائیں۔ جہانگیر نے جب نورجہاں سے نکاح کیا تو روافض کا اثر و نفوذ دربار میں بڑھ گیا اور باطنی مذہب کے انتشار کے لئے راہیں کھل گئی تھیں۔ اس وقت اگر علماء کی جماعت آپس میں اختلاف کرتی تو باطنیوں کا مسلک رائج ہوجاتا۔ حضرتِ مجدّد نے صحیح مشورہ دیا اور اللہ کے کرم سے یہ آفت ٹلی۔ ع رسیدہ بود بلائے ولے بہ خیر گزشت۔

جس بدگمانی کا شکار مجیب صاحب ہوئے ہیں اس کے پیش نظر ان کا قیاسِ فاسد ان کی نظر میں صحیح ہے۔ آج تک کسی نے حضرت مجدّد کو دنیا پرست اور لالچی نہیں کہا تھا۔ مجیب صاحب کے سَرِ اِس کا سہرا بندھا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

تیسرا حصہ۔ اس وقت تک اُن کے بہت سے خلفاء ملک کے گوشوں میں پھیل چکے تھے۔ ایک جوشیلے مُرید نے شاہی فوج میں وعظ و پند کی ذمہ داری سنبھال لی تھی لیکن شیخ احمد کے اثر و نفوذ کو اس وقت بڑا دھکّا پہنچا جب ان کا وہ خط شائع ہوا جس میں انھوں نے اپنے پیر کو اپنا ایک رُوحانی مُکاشفہ بیان کیا جسیں اپنے آپ کو چاروں خلفا سے برتر درجے میں دیکھا تھا (مکتوبات، جلد اول، مکتوب چودہ) علماء نے اس پر ایسا طوفان اٹھایا کہ جہانگیر کو انھیں جواب دہی کے لئے دربار میں طلب کرنا پڑا اور پھر وہ گوالیار کے قلعہ میں قید کردیئے گئے۔ تقریباً سال بعد وہ رہا ہوئے اور اب انھوں نے شیعوں اور ہندوؤں میں اپنی معاندانہ روش کو قدرے معتدل کرلیا۔ ص۲۴۴

تبصرہ حضرت مجدّد کے حالات کا مجیب صاحب کو پوری طرح علم نہیں ہے وہ یہ سمجھے ہیں کہ حضرت مجدّد کی گرفتاری مکتوب کی وجہ سے ہوئی۔ حالانکہ مکتوب کی عبارت بدل کر دشمنوں نے جہانگیر کے سامنے پیش کی تھی اور آپ نے بھرے دربار میں اپنی بات پیش کی اور اس قوت استدلال سے پیش کی کہ جہانگیر کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اب دشمنوں نے جہانگیر کو سجدہ کرانا چاہا۔ آپ نے سجدہ نہ کیا اور اس سلسلہ میں آپ قید ہوئے۔ مال و متاع ضبط ہوا۔ چاہے بعد میں مل گیا ہو۔

مجیب صاحب نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کے اثر و نفوذ کو بڑا دھکّا لگا۔

جناب من۔ یہ دھکّا حضرت مجدّد کے اثر و نفوذ کو نہیں لگا تھا بلکہ اکبری الحاد نے اپنی موت سے پہلے آخری سنبھالا لیا تھا۔ یہ وہ فتح عظیم تھی جو بظاہر فتح معلوم نہیں ہوتی تھی لیکن "وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" کا ظہور تھا۔ "اور شاید تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو" شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے۔

"شرع کی ترویج، طریقۂ نقشبندیہ کی اشاعت، شریعت اور طریقت کی تطبیق اور بدعت کی مخالفت کے علاوہ شیخ مجدد نے جو اہم کام کیا وہ اسلام کا عام اِحیا تھا۔ اس زمانے میں جب ایک طرف اکبر کے "صُلحِ کُل" طریقے نے اسلام کو اس حمایت و دین پناہی سے محروم کر دیا تھا جو اسلامی حکومت کی ابتدا سے اسے حاصل تھی اور دوسری طرف ہندو اِحیائیت نے مسلمانوں کے لئے (جیسا کہ ہم تفصیل سے آگے چل کر بتائیں گے) طرح طرح کی مشکلات پیدا کر دی تھیں، آپ نے شعائرِ اسلام کے احترام پر زور دیا، اُمرا و اراکین سلطنت کو اس کی تلقین کی، خود اپنی زندگی میں اسلامی نقطۂ نظر کے احترام کی بڑی جرأتمندانہ مثال قائم کی۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے عملی مخالفت کی، آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی، جو دبکے بیٹھے تھے وہ دلیر ہو گئے۔ حکمران طبقے میں جو اسلام پسند گروہ تھا اسے تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسوم دربارِ شاہی میں عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا ہندو اثرات کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں ان کے ازالے کا سامان ہوا اور شعائرِ اسلامی کے احترام کا پھر سے خیال کیا جانے لگا"۔[1]

مجیب صاحب نے اگرچہ حضرت مجدد کے مکتوب کا حوالہ دیا ہے لیکن انھوں نے آپ کے مکتوب کو دیکھا تک نہیں ہے، کیوں کہ جو مفہوم آپ کے مکتوب کا لکھا ہے وہ وہی مفہوم ہے جس کا بیان حضرتِ مجدد کے مُعاندوں نے کیا ہے اور جس کی وجہ سے علماء نے آپ کو مُلحد و زندیق قرار دیا ہے اور جس کی وجہ سے جہانگیر نے آپ کو آگرے بلایا ہے۔ اور بھرے دربار میں آپ نے معاندوں کی اِفترا پردازی کا پردہ چاک کیا ہے اور آپ کی برأت ثابت ہوئی ہے۔

مجیب صاحب نے نہ آپ کی برأت کا بیان کیا ہے نہ مکتوب کا نمبر صحیح لکھا ہے اور نہ آپ کے تحریر کردہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ کیا اسی کا نام حقائق نگاری ہے کیا اسی کو انصاف پسندی کہتے ہیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔

حضرت مجدد نے روافض کی جارحیت کا ذکر اپنے رسالے میں کیا ہے اور ہندو اِحیائیت کا بیان اکرام صاحب کی عبارت میں گزر چکا ہے۔ آپ ان دونوں کے ظلم ستم کا ازالہ چاہتے تھے۔ مجیب صاحب اپنے اولیائے نعمت کو خوش کرنے کے لئے جھوٹے الزامات لگا رہے ہیں اور صحیح تاریخی واقعات سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

چوتھا حصہ۔ شیخ احمد کے پاس نہ وہ مزاج تھا نہ نقطۂ نگاہ جو صوفی شخصیت کی خصوصیت ہوتی ہے، انہیں یہ کہنے میں باک نہ ہوا کہ (۱) شیخ جنید بغدادیؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ سالوں میں اُلجھ کے رہ گئے اور یہ کہ (۲) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جو بہت سی کرامات دکھائیں وہ اس لئے کہ ان تک رُوحانی قوت

---

[1] رودِ کوثر ص ۲۸۷، ۲۸۸

جس طور پر پہنچی تھی (نزول) خاصا کمزور تھا۔ اور یہ کہ (۳) ابن عربی کافر تھے۔ اور اس قسم کی تنقیدیں شیوخِ سَلَف کے بارے میں، جس سے لوگ کافی برافروختہ بھی تھے۔

خود اپنے بارے میں انھوں نے جو احوال طے کرلئے تھے ان کے ذیل میں ان کا دعویٰ تھا کہ (۴) خود اُن کی تخلیق محمد اور ابراہیم کے کمالات کو یک جا کرنے کے واسطے ہوئی ہے، یہ کہ انہیں جو کچھ ملا ہے وہ بے شک محمد کا نام لیوا ہونے کی بہ دولت ملا ہے لیکن (۵) محمد کے سارے کمالات ان میں موجود ہیں؛ یہ کہ (۶) وہ مُرید بھی ہیں مُراد بھی اور یہ کہ: خدا کے ساتھ ان کی ارادت میں کوئی بھی درمیانی واسطہ یا وسیلہ موجود نہیں ہے .....

تبصرہ ۔ مجیب صاحب ایک تعلیمی ادارے کے صدر رہے ہیں، ان کو ذمّہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے پہلے نہایت بے باکی سے حضرت مجدّد قدس سرہ پر پہلا، دوسرا، چوتھا، پانچواں اور ساتواں بالکل جھوٹا الزام اور تیسرا خالص تہمت لگائی اور پھر نتیجہ میں یہ حکم صادر کردیا کہ "ان کے پاس نہ وہ مزاج تھا اور نہ وہ نقطۂ نگاہ اور انہیں یہ کہنے میں باک نہ ہوا، الخ"۔ کیا مجیب صاحب حضرت مجدّد کے رسائل اور مکتوبات میں ان الزامات کو دکھا سکتے ہیں۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد　　عیب و ہنرش نہفتہ باشد
ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است　　شاید کہ پلنگے خفتہ باشد

مجھ کو تسلیم ہے کہ مجیب صاحب اور اطہر عبّاس صاحب کا دل حضرت مجدّد سے برگشتہ ہے۔ کیونکہ حضرت مجدّد نے آزاد علماء (ابو الفضل، فیضی، شریف آملی وغیرہ) کے اِلحاد اور روافض کی تبرّا کے خلاف آواز اٹھائی، اور اللہ نے ان کو اُن کے مقصد میں کامیاب کیا، لیکن اس دل برگشتگی کے یہ معنی نہیں کہ اب تحقیق کے نام پر خالص جھوٹا الزام عائد کیا جائے یا تبرّا بازی کی جائے۔

مجیب صاحب نے چھٹے نمبر پر جو بات مُرید و مُراد کی لکھی ہے وہ درست ہے، اور یہ بات ہر مردِ مومن کہہ سکتا ہے، چوں کہ مجیب صاحب کو عربی نہیں آتی اور وہ نہیں جانتے کہ مُرید کے معنی کیا ہیں اور مُراد کس کو کہتے ہیں اس لئے وہ اس کو بیان کر گئے ہیں۔ مُرید ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں اور جس کام کا یا جس شے کا ارادہ کیا جائے وہ مُراد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی عظیم صفات میں سے ایک صفت ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا یا کسی کی پیدائش کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مُرید ہے اور وہ کام یا وہ چیز جس کا ارادہ کیا گیا ہے مُراد ہے لہذا ہر مخلوق، اچھی ہو یا بری، مومن ہو یا کافر، مُراد ہوا، اور جو مخلوق اللہ کی رِضا کا طالب ہو وہ مُرید ہے اور اللہ اس کا مُراد ہے۔ اگر حضرت مجدّد فرماتے ہیں کہ میں مُرید بھی ہوں اور مُراد بھی، تو اس میں کیا قباحت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رِضا کے طلبگار تھے اور اللہ کے مُرید تھے، اور ان کی پیدائش اللہ کے ارادے سے ہوئی لہذا وہ مُراد ہوئے۔ کسی جاہل نے اپنی جہالت

کی وجہ سے اعتراض کر دیا اور مجیب صاحب نے اس کو جھٹ سے نقل کر دیا۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔

مجیب صاحب نے ساتویں نمبر میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ حضرت مجدد کے مخصوص کلام کو بہ شکل عموم بیان کیا ہے، سالک جب انتہائے مقاماتِ عروج پر پہنچتا ہے اور ذاتِ بیچون و بیچگون سے بلاکیف فیوض حاصل کرتا ہے تو کیا اس وقت اور اس مقام پر سردارِ دو عالم صلی اللہ وسلم کی مبارک ذات محب اور محبوب کے درمیان واسطہ ہوتی ہے یا نہیں۔ اس مقام اور کیفیت کو حضراتِ مشائخ نے "وصلِ عُریان" سے تعبیر کیا ہے اور کسی صاحبِ کمال، عاشقِ مولائے ذوالجلال نے کہا ہے۔

من شوم عُریاں زتن او از خیال   تا خرامم در نہایات الوصال

حضرت مجدد فرماتے ہیں اس وصال کے وقت وساطت نہیں ہے اور حدیث شریف "لی مع اللہ ساعۃ" الخ۔ سے آپ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ بات آپ سے پہلے بہت سے مشائخ نے کہی ہے بجز اس خاص الخاص وقت کے حضرت مجدّد سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مدارجِ عالیہ میں واسطہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس وصلِ عُریان کے حصول کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل قرار دیتے ہیں۔ مجیب صاحب کو نہ وصلِ عُریان کی خبر نہ حقیقتِ حال کی۔ بس اکاذیب کے لکھنے اور بُرا کہنے سے انہیں کام ہے۔

پانچواں حصہ۔ شریعت کے سلسلے میں شیخ احمد کے ذہن میں ظواہر ہی تھے، یعنی روزے نماز کی پابندی یا پھر وجودیوں پر غیض و غضب، شیعہ اور ہندو وجودیوں دونوں پر۔ ص۲۴۶

تبصرہ۔ بے شک حضرت مجدّد کے ذہن میں، خیال میں، دل میں اور زبان پر قرآن و حدیث ہی کا ذکر تھا، یہی آپ کا سرمایۂ دین تھا، اور اسی کے آپ عاشق و شیدا تھے۔

نانِ جوین و خرقۂ پشمین و آبِ شور   سی پارۂ کلام و حدیثِ پیمبری
ہم نسخۂ دو چار ز علمے کہ نافع است   در دیں نہ لغوِ بوعلی و ژاژِ عُنصری
تاریک کُلبۂ کہ پئے روشنیِ آن   بیہودہ منّتے نہ برد شمعِ خاوری
بایک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جَو   در پیشِ چشمِ ہمّتِ شاں مُلکِ سنجری
ایں آن سعادتے است کہ حسرت برد براں   جویائے تاجِ قیصر و ملکِ سکندری

بے شک حضرت مجدّد کے ذہن میں ظواہر تھے۔ نہ اُن کو ملحد اور آزاد علماء سے لگاؤ تھا اور نہ گمراہ باطنیوں سے، وہ ابوالفضل اور اس کے اِلحاد کے سخت مخالف تھے۔ اور انھوں نے اس کے ردّ میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ جو بھی ابوالفضل کا ہمخیال ہے وہ گمراہ ہے۔ چاہے باطنی کہلائے چاہے بستوانی، چاہے اپنے کو وجودی کہے چاہے نوربخشی۔ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى"

(ترجمہ) یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ نے نہیں اتاری اس کی کوئی سند، نری اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیون کے چاؤ ہیں اور پہنچی ان کو ان کے رب سے راہ کی سوجھ۔"

جہانگیر کا بیان

مولانا ذکاء اللہ نے اقبال نامہ سے نوربخشیہ کے متعلق جہانگیر کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

"جب یہ نوشتہ (علماء کا فتویٰ) میرے پاس پہنچا تو مردم کشمیر مذہب میں ارتداد کی طرف میل رکھتے تھے، طوعاً و کرہاً مذہب حق میں ان کو لایا، بہت آدمیوں کو قتل کیا۔ ایک جماعت نے تصوف میں پناہ لی اور اپنا نام صوفی رکھا لیکن نہ وہ صوفی صافی ہیں نہ زندیقی، چند ملحدی مذہب رکھتے ہیں۔ چند آدمیوں کو گمراہ کرتے ہیں، حرام و حلال کی مطلق خبر نہیں رکھتے، شب بیداری و کم خوابی کو تقویٰ و طہارت جانتے ہیں جو کچھ ہاتھ لگے وہ کھا جاتے ہیں اور لے لیتے ہیں اور شرہ و حرص بہت رکھتے ہیں اور ہمیشہ خوابوں کی تعبیر دیتے ہیں اور اپنی کرامات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ اس سال میں یہ ہوگا وہ ہوگا، مغیباتِ آئندہ و گزشتہ کے اخبار میں مشغول رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں اور اس رسوائی سے چلے بیٹھے ہیں، اہل علوم کے علم کو نہایت مذموم و مکروہ جانتے ہیں اور بے شریعت راہِ طریقت پر چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل طریقت کو شریعت سے کچھ کام نہیں، غرض اس طرح کے ملاحدہ و زنادقہ اور جگہ دیکھنے میں نہیں آتے، عیاذاً باللہِ معاذ اللہِ، حق سبحانہ تعالیٰ کل اہلِ اسلام کو اس نوع کی آفات و بلیات سے اپنی عصمت میں مصون و محفوظ رکھے۔ بحقِ محمدٍ وآلہٖ" [1]

مجیب صاحب جن باطنیوں اور وجودیوں پر شفقت کر رہے ہیں ان کے متعلق جہانگیر یہ سب کچھ لکھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تصوف میں پناہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہلِ طریقت کو شریعت سے کچھ کام نہیں۔

مجیب صاحب لکھ رہے ہیں "روزے نماز کی پابندی"۔ بے شک، اِسلام کی شان نماز ہے، مُسلم کی پہچان نماز ہے، مُومن کی جان نماز ہے، نورِ ایمان نماز ہے، جس وقت حضرت مجددؒ نماز پڑھا کرتے تھے۔ دیکھنے والے متحیر رہ جاتے تھے۔ ان کے لب پر سُبحان اللہ اور دل میں یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی طرح نماز پڑھ رہے ہیں۔ بے شک بے دین و مُلحد اور مُنافق نماز سے بہت گھبراتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ منافقوں پر صبح کی اور عشاء کی نماز سے بڑھکر بوجھل کوئی شے نہیں اور اگر ان کو اس چیز کا پتہ چل جائے جو اُن میں ہے تو وہ ضرور ان دو نمازوں کے لئے آئیں گے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل آنا پڑے [2]

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ و ۱۴۸ [2] مشکات باب فضائل الصلاۃ۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ـــــــ (ترجمہ) اور البتہ نماز بھاری ہے مگر انہیں پر جن کے دل پگھلے ہیں جن کو خیال ہے کہ ان کو ملنا ہے اپنے رب سے اور ان کو اسی طرف اُلٹے جانا۔"

شیعوں کا باطنی فرقہ اب اِسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفۂ اثنا عشریہ میں ان کا حال لکھا ہے، جو بیان جہانگیر نے نوربخشیہ کے متعلق لکھا ہے وہ بہت حد تک اس فرقہ پر صادق آتا ہے۔ اور ہندو وجودیوں کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے مارچ ۱۹۶۶ء کے معارف میں لکھا ہے۔

"ویدانت اور بھگتی تحریک کے محرکوں کے یہاں وحدت وجود کا تخیل ضرور پایا جاتا ہے اور کسی کو انکار نہیں کہ ان کے فلسفہ میں بڑی دل آویزی ہے لیکن اسلامی تصوف اور بھگتی تحریک کے وحدۃ الوجود میں وہی فرق ہے جو دو مذہبوں میں ہوتا ہے۔"

بے شک حضرت مجدد کو ان گمراہیوں سے دلی نفرت تھی اور تمام عمر ان کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں کو اس ورطۂ ہلاکت سے بچائیں۔

چھٹا حصہ۔ دربار اور درباریوں کی جانب شیخ کا وہی رویہ تھا جو راسخ العقیدہ لوگوں کا ہونا چاہیئے ان کا خیال تھا کہ ریاست کی طاقت شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری ہے اور اس کے لئے وہ کوشاں رہے۔ غالباً ان کی اپنی ذاتی تو کوئی آرزومندی اس کے سوا کبھی رہی نہیں کہ ان کا اعتراف کیا جائے۔ لیکن ان کے خطوط میں جو امرا کے نام ہیں روح کی وہ عظمت کبھی بھی نظر نہیں آتی جو آزاد علماء کا امتیاز سمجھی جاتی تھی، بلاشبہ یہ ضرور تھا کہ القاب و آداب کے کچھ رسمیات ضرور برتے جاتے تھے اور صحیح وقت پر اور صحیح امور پر امرا کی تعریف و توصیف بھی ضرور تھی لیکن بسا اوقات ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں اور وہیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی" ص۲۲۷

تبصرہ۔ لکھا ہے "کہ ریاست کی طاقت شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری ہے۔"

چوں کہ مجیب صاحب کو علم نہیں ہے کہ شریعت کیا چیز ہے بنا بریں "ان کا خیال تھا" لکھ کر یہ بات لکھدی، اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ شریعت خدائی قانون کا نام ہے جس کا نافذ کرنا مسلم حاکم پر لازم ہے تو یہ بات نہ لکھتے۔ جو بھی حکومت ہوتی ہے اس کے قوانین ہوا کرتے ہیں، وہ حکومت ان قوانین پر خود بھی عمل کرتی ہے اور رعایا سے بھی کراتی ہے۔ حضرت مجدد اپنے وقت کی مسلم حکومت سے یہی چاہتے تھے کہ وہ شریعت پر عمل کرے اور خدائی قانون کا احترام کرے۔

لکھا ہے۔ "ان کی اپنی ذاتی تو کوئی آرزومندی اس کے سوا کبھی رہی نہیں۔"

مجیب صاحب یہ بات یہاں لکھ رہے ہیں اور "دوسرے حصّہ" میں لکھ آئے ہیں، "قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اس رف "ایک عالم" سے ان کا اشارہ اپنی طرف رہا ہوگا" مجیب صاحب اپنی دونوں باتوں میں تضاد ملاحظہ کریں۔ جناب مَن، بے اساس باتوں میں ایسا ہی تضاد ہوا کرتا ہے
اے بسا حسرت کہ از غفلت شدہ۔

لکھا ہے۔ "ان کا اعتراف کیا جائے"

جَنابِ مَن، کس چیز کا اِعْتِرَاف کیا جائے۔ عَلم کا، فَضل کا، راسخ العقیدگی کا، اخلاص کا، عشقِ نبوی کا، خدمتِ اِسلام کا، اَحیائے سنّت کا، اِماتتِ بدعت کا، اِستیصالِ اِلحادِ اکبری کا، سوزِ باطنی کا، وِلایت کا، یا اُن معارِف واَسرار کا جن کو آپ نے بیان کیا ہے۔

مَقامِ خواجہ بر تَر از گمان است   بروں از حدِ تقریر و بیان است
چہ گویم از کمالاتش کہ چون است   زہر وصفے کہ اندیشم فزون است
نہ سنجد ہر کہ داند اِز لقایش   نگاہِ ہیچ کس با نقشِ پایش
دِلش بحرے است زِاسرارِ الٰہی   کز و یک قطرہ از مہ تا بہ ماہی
ز نورش شد سوادِ ہند روشن   از و سرہند شد وادیٔ ایمن

مُتنبّی کا ایک شعر ہے جس کو میں آپ کے حسبِ حال پاتا ہوں۔

مَضَتِ الدُّهُوْرُ وَمَا اَتَيْنَ بِمِثْلِهِ   وَلَقَدْ اَتٰى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهِ

یعنی ؎ صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا   وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

لکھا ہے۔ "روح کی وہ عظمت کبھی بھی نظر نہیں آتی جو آزاد علماء کا امتیاز سمجھی جاتی ہے"

جنابِ مَن۔ روح کی وہ عظمت آپ کو اولیائے برحق اور علماء راسخین کے کلام میں ہرگز نظر نہیں آسکتی، اس دولت سے رضوی اور خود آپ مالا مال ہو رہے ہیں۔ اس عظمت کا بیان شیخ عبدالحق ان الفاظ سے کر رہے ہیں۔

"فیضی اگرچہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رصانت ممتازِ روزگار بود ولیکن حیف کہ بہ جہتِ وقوع و ہبوط در بادیۂ کفر و ضلالت رقم انگار و ادبار بر ناصیۂ احوال خود کشیدہ زبانِ اہلِ دین و ملّتِ جنابِ نبوت را از بردنِ نام دے و نام جماعتِ شومِ وے پاک است" [1]

(ترجمہ) فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور انشا پردازی میں یکتائے روزگار تھا لیکن وائے بدبختی کہ اس نے اپنے کو کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈال کر اپنی پیشانی پر رسوائی کا ایسا داغ لگایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتیوں کے لئے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا

---

[1] رودِ کوثر ص۳۶۰

نام لینا بھی درست نہیں "

حضرت مجدد کے مکاتیب میں رُوح کی عظمت اور نُور وعرفان ان اشخاص کو نظر آتا ہے جو شریعت کے ظواہر پر عمل کرتے ہیں اور روزے نماز کے پابند ہیں۔ مجیب صاحب نے اپنی لَن تَرانی بیان کردی اب وہ ایک وَلیؔ پروردگار حضرت خواجہ محمد ہاشم کے کلام کو بھی سُن لیں جو انھوں نے حضرت مجدد کے مکتوبات کے بارے میں کہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ز ہر یک نقطہ اش چوں نافہ تر　　شمیم وصلِ جاناں می زند سر
ولے آں کز برودت در زکام است　　چہ داند نافہ اش گرد مشام است

لکھا ہے۔ " القاب وآداب کے کچھ رسمیات ضرور برتے جاتے تھے "

اس بنا پر کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ "لوگوں کو ان کے مراتب پر رکھو" ان حضرات کی اپنی کوئی خواہش نہیں رہتی تھی، اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پر عمل کرنے کو سعادتِ دوجہاں سمجھتے تھے۔

اِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَةً　　وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَهْلًا وَّمَرْحَبًا

(ترجمہ) اگر وہ مجھ سے مرنے کو کہے تو میں فوراً امتثالِ امر کرتا ہوا موت کے داعی کو خوش آمدید کہتا ہوا اپنی جان پیش کردوں۔

لکھا ہے۔ ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں۔

حضرت مجدد نے نواب والاجاہ مرتضیٰ خان سیدِ والانسب شیخ فرید بخاری کو ان کی دیانت، صلاح، تقویٰ، بزرگی، سیادت، نجابت اور سعادت کی بنا پر محبت اور احترام بھرے مکاتیب ارسال کیے ہیں۔ مجیب صاحب کی نظر میں یہ خوشامد ہے۔ اگر یہی صورت حضرت مجدد ابوالفضل وفیضی جیسے ملحدین کے ساتھ اختیار فرماتے تو مجیب صاحب کو آپ کے مکاتیب میں ساری خوبیاں نظر آجاتیں، کیا رُوح کی عظمت، کیا اخلاق کی بلندی اور کیا تحریر کی قوّت اور جاذبیت۔ جس شخص کو اپنے دین ومذہب کی خبر نہ ہو، حقوقِ الٰہیہ اور حقوقِ نبویہ سے واقف نہ ہو، وہ ان باتوں کے سوا اور کیا کہے گا۔

زباں پر وہ آتا ہے جو مَن میں ہے　　رسیگا وہی جو کہ بَرتَن میں ہے

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے دو یتیم بچوں کی دیوار کا واقعہ بیان کیا ہے کہ صاحبِ علمِ لدنّی نے ں دیوار کی اصلاح فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے سبب دریافت کیا، انھوں نے کہا تا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ۔

(ترجمہ) اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی، رہتے اس شہر میں، اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ نیک، پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا، مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے۔"

اس آیت میں ہے کہ "ان کا باپ نیک" باپ کے بیان میں اختلافِ روایات ہے کہ حقیقی ہے یا ساتواں ہے یا دسواں۔ لہٰذا سب کا احتمال ہو سکتا ہے۔ جائے فکر یہ ہے کہ ایک مردِ صالح کے دسویں درجے کی اولاد اس مردِ صالح کی وجہ سے قابلِ رعایت ہے تو پھر سردارِ دو جہان محبوبِ رحمان صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اولاد کا کیا کہنا، اسی وجہ سے اللہ کے نیک بندے صحیح النسب سادات کا ادب کرتے ہیں اور دین سے بیخبر اس کو خوشامد اور چاپلوسی قرار دیتے ہیں۔

مجیب صاحب اگر مکتوبات کا مطالعہ کرتے تو یہ باطل خیال نہ لکھتے میں حضرت مجدد کے دو مکاتیب کا کچھ حصہ لکھتا ہوں یہ دونوں مکاتیب خان خانان مرزا عبدالرحیم خان فرزند بیرم خان کے نام ہیں (دفترِ اول کے مکتوب ۶۹ میں لکھا ہے)

"مخدوما! من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو می گویم — تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

اصحابِ دولت کے لئے تواضع اور اہلِ فقر کے لئے استغنا مناسب ہے، معالجہ بالضد ہوا کرتا ہے۔ آپ کے تین مکاتیب سے استغنا کے سوا کچھ مفہوم نہ ہوا۔ چاہے آپ کا مقصد تواضع ہی رہا ہو۔ آخری مکتوب میں آپ نے لکھا ہے "حمد و صلاۃ کے بعد بیان کیا جاتا ہے" آپ خود خیال کریں کہ یہ عبارت کس کو لکھنی چاہیئے، البتہ آپ نے فقرا کی بہت خدمت کی ہے، اس کے ہوتے ہوئے آدابِ خدمت کی رعایت بھی ضروری ہے۔ تاکہ فائدے کی صورت پیدا ہو، وَدُوْنَہَا خَرْطُ الْقَتَادِ[1] (اس کے بغیر نہایت دشوار) ہاں، متقی افراد تکلفات سے برطرف ہیں، لیکن تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کا کرنا مثلِ صدقہ دینے کے ہے، کسی نے خواجہ نقشبند سے کہا آپ تکبر کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔ میرا تکبر اللہ کی کبریائی کا پرتو ہے۔ فقرا کی جماعت کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں۔ ارشاد نبوی ہے۔ "رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ" ایسا بھی ہوتا ہے کہ بکھرے ہوئے بال والا، دروازوں پر سے دھتکارا ہوا اگر اللہ کی قسم کھا کر کہدے اللہ اس کی قسم پوری کردے یعنی جو اس نے کہا ہے وہی ہو جائے۔

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

آپ کے مخلصوں اور عزیز دوستوں کو چاہیئے کہ حقیقتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر آپ سے عرض کیا کریں اور آپ کو جو مشورہ دیں اس میں آپ کی بھلائی ملحوظ رکھیں نہ اپنی مصلحت کیونکہ یہ خیانت

---

[1] مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ خَرْطُ الْقَتَادِ عربی مثل ہے ٹہنی کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچے تاکہ پتے نچ جائیں۔ خرط کہتے ہیں اور قتاد ببول (کیکر) کو کہتے ہیں۔ ببول (کیکر) کی ٹہنی کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچنا بڑا کٹھن مرحلہ ہے یعنی یہ دشوار ہے۔

ہے'...... اگرچہ اس قسم کی باتیں تلخ معلوم ہوتی ہیں، لیکن آپ کو خوش آمد کہنے والے بہت ہیں، اسی پر اکتفا کریں، فقرا سے دوستی اسی واسطے ہوتی ہے کہ چھپے ہوئے عیُوب پر اطلاع ہو۔ آپ یقین کریں آپ کی بھلائی کے لئے یہ باتیں لکھی ہیں نہ از وجہ آزار۔"

اس مکتوب کے بعد جو مکتوب نمبر ۶۹ تحریر کیا ہے اس میں لکھتے ہیں۔

"اخوی ملا محمد صدیق کے ہاتھ آپ کا اِلتِفات نامہ پہنچا آپ نے کرم فرمایا اللہ تعالےٰ ہماری طرف سے آپ کو اجر دے چوں کہ آپ نے فقرا کے آداب کی رعایت کی ہے اور بات تواضع سے فرمائی ہے تو اس ارشاد کے بہ موجب مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (جس نے اللہ کے واسطے تواضع کی اللہ اس کو سر بلند کرتا ہے) آپ کی تواضع دینی و دنیوی رفعت کا سبب بنے۔"

خان خاناں کا مرتبہ، ان کی عزّت، حشمت، اور داد و دہش محتاج بیان نہیں، چوں کہ وہ از روئے نسب سیّد نہ تھے حضرت مجدّد نے فوراً ان کی اَنانیّت پر ضرب لگائی، ان کی قسمت میں دنیوی اور اخروی سعادت تھی سنبھل گئے اور آخر دم تک حضرت مجدّد سے ان کی محبّت و ارتباط میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ ہے حقیقی معنی میں رُوح کی عظمت، آزاد علمار کی تحریر میں مجیب صاحب کو جو عظمتِ روحی نظر آئی ہے وہ سَرابی ہے، دنیوی اغراض و مقاصد اور چاپلوسی کا مرقع ہے۔ جو فرق اسلام اور الحاد میں ہے وہی فرق حضرت مجدّد کی تحریرات اور آزاد علمار کی تحریرات میں ہے۔

مجیب صاحب اس واقعہ پر غور کریں، حضرت مجدّد کی جوانی کا آغاز تھا اور اسوقت ابو الفضل اکبر کا سب کچھ تھا، اس وقت حضرت مجدّد کی اس سے آگرے میں ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک دن اس نے حجّۃ الاسلام حضرت امام غزالی کے متعلق بیجا بات کہدی۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اگر ہم جیسے اہلِ علم سے شوقِ ملاقات رکھتے ہو تو اس طرز کی گفتگو سے اجتناب کرو، یہ فرما کر آپ وہاں سے اٹھ آئے اور آپ نے ابو الفضل کی گمراہی کے ردّ میں رسالہ "اثباتِ نبوت" عربی میں تحریر فرمایا۔ کیا مجیب صاحب اس کی مثال اس گروہ میں سے لا سکتے ہیں جن کی عظمتِ روح نے ان پر اثر کیا ہے۔

ساتواں حصہ۔ شیخ فرید بخاری مرتضیٰ خان کے تذکرے کے ذیل میں جو اکبر اور جہانگیر کے عہد کے ممتاز امرا میں سے تھے۔ (مترجم)

ملے شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات میں کئی ایک مکتوب شیخ فرید کے نام ہیں، شیخ فرید کے جوابات تو ہم تک نہیں پہنچے لیکن ان مکتوبات میں جو امور زیر بحث لائے گئے ہیں ان سے مشترک دلچسپیوں کا ضرور علم ہو جاتا ہے اور شیخ احمد کے اس یقین کا اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ فرید ان امور کے بارے میں کوئی نہ کوئی عمل اِقدام بھی ضرور کریں گے۔ ص۲۶۵

۲۔ ایک خط میں (ج۱ نمبر ۴۳) شیخ احمد نے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کا فرق بتایا ہے، یہ وہ مبحث تھا جو کسی ایسے شخص ہی سے چھیڑا جا سکتا تھا جو وجودی صوفیہ کو گمراہ اور منکر اسلام سمجھتا ہو۔ زیادہ غلط نہ ہوگا اگر ہم یہ سمجھیں کہ خط پڑھنے کے بعد شیخ فرید دیر تک سر کھجاتے رہے ہوں گے اور پھر ادب سے ایک طرف ڈال دیا ہوگا۔ ص ۲۶۹

۳۔ اگلے خط میں (ج۱ نمبر ۴۴) شیخ احمد نے رسول اللہ کی عظمت پر گفتگو کی ہے جس میں یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ کو ماننے والے کس قدر اعلیٰ اخلاقی مرتبہ کے مالک ہیں اور نہ ماننے والے کیسے پست لوگ ہیں اور یہ کہ رسول اللہ کی تقلید کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے۔

۴۔ پھر ایک خط میں (ج۱ نمبر ۴۵) جو خواجہ باقی باللہ کی وفات کے فوراً بعد لکھا گیا ہے انھوں نے شیخ فرید کا اس امر کے لئے شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے خانقاہ خواجہ میں رہنے والوں کے لئے رہنے سہنے کا اچھا انتظام کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ فرید اس تحریک اصلاح کو کس قسم کی مدد دے رہے تھے۔

۵۔ اگلا خط (نمبر ۴۶) ایک وعظ ہے۔

۶۔ پھر ایک اور خط ہے (نمبر ۴۷) جس سے پتا چلتا ہے کہ اکبر کا انتقال ہو چکا ہے۔ جہانگیر تخت نشین ہو چکا ہے۔ اور اب شیخ احمد خیال کرتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو انصاف کی رو سے جو مقام ملنا چاہیئے اسے واپس لانے کا وقت آگیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

تم جانتے ہو کہ پچھلے دور میں اسلام پر کیا کچھ گزری ہے۔ اسلام کی کمزوری پہلے زمانے میں جب کہ اسلام نیا آیا تھا اس سے زیادہ نہ تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے دین پر قائم رہیں لیکن پچھلے دور میں کفار کھلم کھلا اسلامی علاقوں میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام کے ظاہر کرنے سے عاجز تھے اگر اظہار کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے۔

اب جب کہ مانعِ شوکت اسلام بیچ میں سے ہٹ گیا ہے اور بادشاہ اسلام کے تخت نشین ہونے کی خبر مسلمانوں نے سن لی ہے۔ انھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ قول و عمل سے بادشاہ کی مدد کریں گے۔

دنیا دار علماء کی صحبت زہر کی طرح ہے اور ان کا فساد اوروں تک پہنچتا ہے پچھلے دور میں مسلمانوں پر جو مصیبت آئی وہ ان کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو انھوں نے بہکایا۔ گمراہی کے بہتّر فرقوں کے مقتدا یہی ہیں۔

اس لئے یہ فقیر ان کا ساتھ دینے کی آرزو رکھتا ہے جو اسلام کو طاقتور بنانے کی فکر میں ہیں اور مسلمانوں کو اس بری حالت سے نکالنا چاہتے ہیں۔

اس خط کا خاتمہ ایک دوسری ہی طرف کو مڑ گیا ہے۔ لکھا ہے۔

حامل رقعہ ہٰذا مولانا حامد کو سرکار سے وظیفہ ملا کرتا ہے۔ پچھلے سال آپ سے لے آیا تھا اس سال بھی امیدوار ہے۔ خدا آپ کو دینی و دنیوی دولت سے مالا مال کرتا رہے۔

ایک اور خط میں (ج۱ نمبر ۵۱) پھر وہی نصیحت و خوشامد کی آمیزش ہے جس میں شیخ فرید سے کہا گیا ہے کہ صرف اہل بیت ہی مسلمانوں کو غلط روی کے چکر سے بچا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ شیخ فرید بخارا کے سید تھے۔

تبصرہ۔ (۱) لکھا ہے "کئی ایک مکتوب شیخ فرید کے نام ہیں"

شیخ فرید کے نام حضرت مجدد نے بائیس "۲۲" مکاتیب ارسال کئے ہیں۔ اور یہ سب دفتر اوّل میں ہیں اور ان کے نمبر درج ذیل ہیں۔

۴۳ سے ۵۴ تک بارہ خطوط مسلسل، پھر ۶۳، ۶۴، ۱۰۳، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۳۳، ۲۰۹

مولانا نسیم احمد امروہوی نے "تجلیاتِ ربانی" میں لکھا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد مکتوبات آپ کے نام ہیں اور سب اہم ہیں (ص۵۷)

(۲) لکھا ہے "یہ وہ مبحث تھا جو کسی ایسے شخص" الخ۔

میری تعلیم و تربیت اِن مَعاہدِ علمیّہ میں ہوئی ہے جن کو نئی تہذیب کے دلدادگان دَقیانُوسی کہتے ہیں چاہے ان کو دَقیانُوسی کہا جائے چاہے تہذیبِ قدیم والا اور مذہبی۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو اصول و قواعد انھوں نے مباحثہ و مناظرہ اور رَدّ و قَدح کے بیان کئے ہیں اگر ان پر کوئی عامل رہے تو تہذیب و شرافت کا دَامَن اس سے کبھی نہ چھٹے۔ مجیب صاحب لکھ رہے ہیں۔ "یہ وہ مبحث تھا جو کسی ایسے آدمی سے الخ" کوئی ان سے پوچھے۔ آپ کو کیا خبر کہ شیخ فرید ایسے تھے یا ویسے اور وہ اس مبحث کے لائق تھے یا نہیں۔ حضرت مجدد میں اور ان میں جو رَوابِط تھے، ان کا علم مجیب صاحب کو نہیں! ان کو اس کی خبر نہیں کہ حضرت مجدد بہ منزلہ استاد کے تھے اور جناب شیخ فرید بہ منزلہ شاگرد کے شاگرد کی ذہنیت کا اندازہ استاد ہی کیا کرتا ہے۔ جو ناواقف اس معاملہ میں بولتا ہے اس کو اہلِ علم کی اصطلاح میں "فُضُولِی" کہا جاتا ہے اور اس کے کلام کی کوئی وقعت نہیں ہوا کرتی، مجیب صاحب اپنے کو کیوں فُضُولیوں کے زُمرہ میں شامل کر رہے ہیں۔

اس مکتوب گرامی میں حضرت مجدد نے ایسے اسرار و حقائق بیان کئے ہیں جن کا سمجھنا مجیب صاحب کے بس سے باہر ہے۔ اسی واسطے وہ لکھ رہے ہیں۔

"ایسے شخص ہی سے چھیڑا جا سکتا تھا جو وجودی صوفیہ کو گمراہ اور منکرِ اسلام سمجھتا ہو"

میں اس مبارک مکتوب کا کچھ خلاصہ لکھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"توحید شہودی، ایک کو دیکھنا ہے اور توحید وجودی، ایک کو موجود جاننا اور اس کے غیر کو نابود سمجھنا ہے، توحید وجودی علم الیقین کی قسم میں سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے۔ توحید شہودی راہِ سلوک کی ضروریات میں سے ہے۔ کیوں کہ فنا اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور مرتبہ عین الیقین اس کے سوا میسّر نہیں۔ اور علم الیقین بغیر اس معرفت کے حاصل ہے کیونکہ علم الیقین اس کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔ آفتاب کا دیکھنا اس کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو نیست و نابود سمجھا جائے۔ آفتاب کی روشنی کی تیزی نے ستاروں کو آنکھوں سے اُوجھل کر رکھا ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کی روشنی سے روشن ہو جائے تو وہ آفتاب کے ہوتے ہوئے ستاروں کو دیکھے گا۔ منصور حلّاج نے انا الحقّ کہا ہے اور بایزید بسطامی نے سُبْحَانِي مَا أَعْظَمُ شَانِي۔ اور یہ اقوال بظاہر شریعت کے مخالف نظر آتے ہیں اور اسی قسم کے اقوال اور مشائخ سے بھی منقول ہیں۔ ایسے اقوال کے متعلق مناسب یہ ہے کہ ان کو توحیدِ شہودی پر حمل کیا جائے نہ توحیدِ وجودی پر جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ توحیدِ شہودی پر حمل کرنے سے، شریعت کی مخالفت جاتی رہتی ہے۔"

آپ نے اسرار و حقائق بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے "ان پوشیدہ علوم کے بیان کرنے کی یہ وجہ ہوئی ہے کہ اس زمانے میں کچھ لوگوں نے تقلید کی بنا پر اور کچھ نے صرف از روئے علم اور بعض نے اجمالی طور پر علم و ذوق کے ملنے سے اور بعض نے الحاد و زندقہ کی بنا پر توحید وجودی کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ لوگ شریعت کے احکام سے اپنے کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ امورِ شرعیہ کے بجا لانے کا اقرار بھی کرتے ہیں تو اس کو طفیلی جانتے ہیں اور طریقت و حقیقت کو اصل۔ اللہ ایسے بُرے عقائد سے بچائے۔ بہادر اور ہمت والے وہ افراد ہیں جو شریعت کو اپنی جگہ اور اپنے مقام پر رکھتے ہوئے حقیقت کو طلب کرتے ہیں۔ الخ۔

اب مجیب صاحب اپنی فضولیت کو ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ حضرت مجدّد مُشفق استاد کی طرح شیخ فرید کو حقائق بتا رہے ہیں اور اہلِ حق کی توحید وجودی کا بیان کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ مُلحدوں نے توحید کے دامن میں پناہ لی ہے۔ ان سے پچ، یہی بات جہانگیر نے بھی نوربخشی مُلحدوں کے بارے میں لکھی ہے چوں کہ ابوالفضل سرگردہِ آزاد علماء تھا اور گمراہی کے رستے پر گامزن تھا اس لئے مجیب صاحب اسی کو حق سمجھے بیٹھے ہیں اور حضرت مجدّد پر الزامات عائد کر رہے ہیں۔

مجیب صاحب نے لکھا ہے "شیخ فرید دیر تک سر کھجاتے رہے ہوں گے۔"

ٹھیک ہے۔ ؂ چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ شیخ فرید باکمال تھے اور اصحاب کمال کی قدر کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت مجدّد کے پاس حقائق و معارف کا وہ خزانہ ہے

جس کی خبر اوروں کو نہیں۔ لہٰذا جو بھی معرفت حاصل کر سکتے ہو کر لو۔ وہ تو آپ کے گرامی نامہ کے انتظار میں رہتے تھے۔ اور جب بھی کوئی گرامی نامہ ان کو ملتا تھا سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ جناب مجیب اپنے احوال پر شیخ فرید کو تصور کر رہے ہیں، لیکن اَیْنَ الثَّرٰی مِنَ الثُّرَیَّا کہاں مٹی کہاں ثریّا (چھ تاروں کا جمگھٹ) اللہ سب کو سمجھ دے۔

حضرت مجدد اُس توحید کے مخالف تھے جس نے اکبر کو معبود بنایا۔ اُس توحید کے مخالف تھے جس نے پیروں کو مسجود بنایا، اُس توحید کے مخالف تھے جس نے اِباحیّت تک پہنچایا۔ اُس توحید کے مخالف تھے جس نے دین سے آزاد کر دیا۔ اللہ ایسی گمراہیوں سے بچائے۔

(۳) لکھا ہے رسول اللہ کی عظمت پر گفتگو کی ہے۔

کاش حضرت مجدد کی اس تحریر کا مجیب صاحب پر اثر ہوا ہوتا۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

(۴) لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قسم کی مدد دے رہے تھے۔

جنابِ من۔ مجھے یاد ہے جب آپ کے جامعہ کی اساس رکھی گئی تھی کہ مسلمانوں نے اور خاص کر حکیم حافظ محمد اجمل خان رحمہ اللہ نے اس کو کس قسم کی مدد دی تھی۔ کیا قوم کی اصلاح کے لئے جو کام بڑے پیمانے پر کئے جاتے ہیں، اہلِ دنیا اور اصحاب ثروت اس میں حصّہ نہیں لیتے ہیں۔

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن کہ در شریعتِ ما غیرازیں گناہے نیست

(۵) لکھا ہے۔ اگلا خط نمبر ۳۶ ایک وعظ ہے۔

جنابِ من یہ مکتوب مبارک وعظ نہیں ہے بلکہ اِلحاد اور بیدنی کے اثرات کو مٹانے کے لئے اِکْسِیرِ اَعْظَم ہے۔ آپ نے اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، شریعت کے احکام کی حقانیت کو واضح دلائل سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے لکھا ہے۔ اُن سب کا ثبوت بدیہی ہے، کسی فکر اور دلیل کے محتاج نہیں بہ شرطیکہ قوّت مدرکہ آفتوں اور باطنی امراض سے پاک ہو اگر کوئی صَفرا میں مبتلا ہے تو اس کے لئے قند و نبات میں تلخی ہے۔ اور اگر کوئی اَحْوَل ہے یعنی بھینگا تو وہ ایک شے کو دو دیکھے گا۔ سیر و سلوک اور تزکیہ نفس و تصفیہ قلب سے مقصود یہ ہے کہ باطنی آفتیں اور دل کی بیماریاں دور ہو جائیں۔ اور ایمان کی حقیقت ظاہر ہو اللہ ہم سب کو ایسے کامل ایمان سے مشرّف فرمائے۔"

(۶) لکھا ہے۔ "اس خط کا خاتمہ ایک دوسری ہی طرف کو مُڑ گیا ہے" الخ

مجیب صاحب نے چھٹے حصہ میں لکھا ہے۔

"ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کچھ کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اُتر آتی تھی۔"

اس کے بعد مجیب صاحب نے حضرت مجدد کے پانچسو چھتیس مکاتیب میں سے چھ مکاتیب پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان میں سے دو مکاتیب میں دنیوی ذکر ہے اور مجیب صاحب نے اس کا اظہار کیا ہے۔ اس طرح مجیب صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے مکاتیب کا تیسرا حصہ دُنیوی دلچسپیوں کا حامل ہے لہٰذا اسلام کی زبوں حالی کا جو بیان آپ نے کیا ہے یا شریعت غرّا کی تقویت کے لئے جو لکھا ہے دنیوی امور کی وجہ سے لکھا ہے۔ مجیب صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے شیخ محمد اکرام صاحب کی ایک تحریر سے جو کہ رُودِ کوثر میں ہے استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر محمد فرمان نے پراز حقائق نفیس مقالہ لکھا ہے میں اس کے اقتباسات لکھتا ہوں، وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"شیخ محمد اکرام صاحب نے رود کوثر کے صفحہ ۷۵ پر یہ بیان فرمایا ہے، کہ ان مکتوبات کا دقّتِ نظر سے مطالعہ کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ ان کے بعض خطوط کسی معمولی مقصد کے لئے لکھے گئے ہیں اور ان اُمرا سے باقاعدہ خط وکتابت نہیں تھی۔" اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ امرا کے نام خطوط نیاز مندانہ قسم کے ہوں گے اور جناب نے اپنے دوستوں یا عزیزوں کے لئے مراعات حاصل کرنے کے لئے بھی لکھے ہوں گے لیکن صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

مکتوبات کی تعداد ۵۳۴ ہے (صحیح تعداد ۵۳۶ ہے) ان میں سے بہ مشکل گیارہ مکتوبات ایسے نکلتے ہیں جن میں آپ نے کسی حاجت مند کی حاجت روائی کی غرض سے کچھ لکھا ہے حالانکہ اس کے ساتھ ہی کسی اہم مسئلے اور نکتے کو بھی بیان کر دیا ہے۔

ممتاز امرا...... کے نام مکتوبات کی تعداد سو سے اوپر ہی ہے، اپنے صاحبزادوں، مشائخ کرام، عالموں، قاضیوں اور دوسرے رفقا کے نام مکتوبات میں جن باتوں کا ذکر کرتے تھے اسی نوعیت کی باتیں اور شریعت و تصوف کے بارے میں ضروری نکات امرا کے نام جو مکتوبات ہیں ان میں بھی بہ کثرت موجود ہیں اور ان کی اہمیت کسی طرح دوسرے حضرات کے نام لکھے ہوئے مکتوبات سے کم نہیں ہے ہم نمونے کے طور پر صرف ایک مکتوب کو پیش کرتے ہیں۔"[1]

اس کے بعد پروفیسر فرمان صاحب نے مکتوب ۶۸ کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔ یہ مکتوب خان خاناں مرزا عبدالرحیم خان کے نام ہے چونکہ میں اس کو چھٹے حصہ کے اخیر میں لکھ چکا ہوں۔ اس لئے بار دیگر یہاں لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ پروفیسر صاحب نے مکتوب کا خلاصہ لکھکر یہ مصرع لکھا ہے۔

---

[1] حیات مجدد صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۴

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔ اور پھر حضرت خواجہ میر درد کا یہ شعر لکھا ہے:۔

زنہار ادھر کھولیو مت چشمِ حقارت   یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

پروفیسر فرمان صاحب نے امرا کے نام کے مکاتیب کا شمار کیا ہے اور یہ بھی معلوم کیا ہے کہ کونسے امیر کے نام کتنے مکتوبات ہیں۔ اور پھر ان مکاتیب کو شمار کیا ہے جن میں کچھ دنیوی ذکر بھی ہے اور اس حقیقت پر پہنچے ہیں کہ وہ گیارہ ہیں اور اَوسط ڈیڑھ فی صدی ہے۔ اس اَقَلِ قلیل مقدار کی طرف شیخ محمد اکرام صاحب نے "بعض" سے اشارہ کیا ہے اور پروفیسر مجیب صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ اس نہایت قلیل مقدار کو تہائی کرکے دکھا دیں۔ ایسے خطوط کو شیخ محمد اکرام صاحب نے "کسی معمولی مقصد" سے یاد کیا ہے اور مجیب صاحب لکھتے ہیں۔ "ان کی تعریف کے ڈانڈے خوشامد سے جا ملتے ہیں اور ہمیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شریعت کے لئے وہ جو کچھ کوشش کرتے تھے وہ دنیوی دلچسپی کے درجے پر اتر آتی تھی۔" یہ ہے اعلیٰ مثال مجیب صاحب کی حق گوئی اور معیارِ تحقیق کی جس کو تمام دنیا میں مشتہر کرنے کے لئے لندن میں چھپوایا ہے۔

(۷) لکھا ہے۔ پھر وہی نصیحت و خوشامد کی آمیزش" الخ

میں پہلے اس مبارک مکتوب نمبر ۱۵ کا ترجمہ لکھتا ہوں تاکہ مجیب صاحب کے قول کی حقیقت معلوم ہو۔ حضرت مجددؒ نے شیخ فرید بخاری کو لکھا ہے۔

"اللہ سے دعا کی جاتی ہے کہ سُلالۂ اعظام (بڑوں کی اولاد) کے وجود شریف کے طفیل، شریعتِ غرّا کے ارکان اور ملّتِ زہرا کے احکام قوت پا کر رائج ہوں۔ کام یہی ہے باقی ہیچ۔

آج کے دن گمراہی کے اس بھنور میں عاجز مسلمانوں کی نظر اہلِ بیتِ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی پر لگی ہوئی ہے۔ جس کے متعلق ارشادِ نبوی ہے۔ مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ۔ میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا بچ گیا اور جو رہ گیا ہلاک ہوا۔

آپ اپنی ہمتِ عالیہ کو پوری طرح اس کام پر لگا دیں اور یہ عظیم سعادت حاصل کرلیں اللہ کے فضل و کرم سے آپ کو جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب کچھ حاصل ہے۔ اگر ذاتی شرافت کے ساتھ یہ عزت بھی مل جائے تو سعادت کے چوگان (بلّے) سے سبقت کی گیند آپ ہی لے جائیں گے۔

شریعتِ حقہ کی ترویج و تقویت کی خاطر یہ حقیر اس قسم کی باتیں آپ کو لکھا کرتا ہے۔

رمضان مبارک کا چاند دہلی میں دیکھا گیا۔ حضرت والدۂ ماجدہ (والدۂ حضرت خواجہ باقی باللہ) کی مرضی توقف میں معلوم ہوئی۔ بنا بریں تا ختم قرآن مجید (تراویح میں) یہاں قیام رہے گا۔ باقی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ آپ کو دونوں جہاں کی سعادت نصیب ہو۔"

ناظرین کرام اس مبارک مکتوب کو ملاحظہ کریں۔ نہ کوئی ذاتی خواہش نہ کسی کی سفارش۔ اگر دُھن ہے تو ترویج اسلام کی اور اگر بات ہے تو شریعتِ حقّہ کی تقویت کی، کسی کو تحریر فرماتے ہیں۔ "آج وہ دن ہے کہ اس میں قلیل عمل کو پورے اِعتنا کے ساتھ قبول کیا جائے گا، اصحابِ کہف سے بہ جُز ہجرت کے کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا ہے، چوں کہ ان کا وہ عمل بر وقت تھا، نہایت مقبول ہوا" اور کسی کو لکھ رہے ہیں "اس میدان میں مَردِ مَیدَان آپ ہی کی ذات ہے" آپ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سب کچھ کر رہے تھے اور مجیب صاحب لکھ رہے ہیں "پھر وہی خوشامد کی آمیزش"، افسوس صد افسوس۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ سے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، دین و مذہب سے تعلق نہ ہوگا وہ اس کے سوا اور کیا کہے گا۔ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ۔

حضرت مجدد نے سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد لکھا ہے کہ اہل بیت اطہار کی مثال کشتی نوح علیہ السلام کی سی ہے، جو اس میں بیٹھا بچا اور جو نہ بیٹھا ہلاک ہوا۔ یعنی جو بھی اہل بیت اطہار سے محبت کرے گا۔ اللہ اس کی مشکلوں کو آسان کرے گا۔ اور مجیب صاحب تمسخرانہ انداز میں لکھ رہے ہیں۔ "صرف اہل بیت ہی مسلمانوں کو غلط روی کے چکروں سے بچا سکتے ہیں" میں آیت شریفہ "وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا" کا بیان لکھ چکا ہوں۔ مجیب صاحب کو نہ قول حق جلّ وعلا کا خیال ہے اور نہ ارشاد نبوی عَلٰی صَاحِبِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّحِیَّةُ کا اَدَب۔ وہ اگر حضرت مجدد یا کسی دوسرے ولیِ پروردگار کے متعلق لغویات لکھ رہے تھے تو اس کا تعلق ولایت سے تھا لیکن یہاں وہ بارگاہ نبوت تک جا پہنچے۔

اَدَب گاہیست زیرِ آسماں اَز عَرش نازُکتر
نَفَس گُم کردہ می آید جُنَید و بَایزید اینجا

آپ کا مبارک ذکر اور آپ کی محبت ایک مومن کے لئے سب کچھ ہے۔

"ہم صَندَلِ دَرد سَر ہم سُرمۂ بینائی"

حضرت مجدد نے اہل بیت اطہار کی کشتی نورانی کا سہارا لیا اور تمام عالم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کامیابی عنایت کی جو کسی کے خیال میں بھی نہ آسکتی تھی اور ابوالفضل و فیضی اور شریف آملی کی گمراہی جو اِلحادِ اکبری کے نام سے مشہور ہے، ایسی نیست و نابود ہوئی کہ اس کا نام لیوا تک کوئی باقی نہ رہا۔ اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِصَالِحِ الْمُؤْمِنِیْنَ "زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور نیک ایمان والوں کا" ؎

یارِ مَردانِ خُدا باش کہ در کشتیِ نُوح
ہست خاکے کہ بہ آبے نہ خرد طُوفاں را

لکھا ہے۔ "واضح رہے کہ شیخ فرید بخارا کے سید تھے"

حضرت شیخ فرید بُخاری کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری

تک پہنچ کر ستائیس واسطوں سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے۔ جس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا قیام لاہور میں تھا آپ کے اخراجات کے متکفل شیخ فرید ہی تھے۔ آپ اپنے زمانے کے مایۂ ناز افراد میں سے تھے۔ پہلے جہانگیر نے آپ کو صَاحِبُ السَّیْفِ وَالْقَلَم کا خطاب اور پھر مرتضیٰ خاں[1] کا خطاب دیا۔ آپ اپنے ہاتھ سے فقرا کو روپیہ پیسہ دیا کرتے تھے۔ آپ کے دَر سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں گیا۔ یتیموں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ ان کی کِفالت اور پرورش والدِ مہربان کی طرح کرتے۔ وہ آپ کی گود میں بیٹھ کر کھیلتے اور آپ خوش ہوتے۔ آپ کے دسترخوان پر پندرہ سو آدمی ہر روز کھانا کھاتے تھے۔

آپ کو شیخ فرید، شیخ فرید دہلوی، شیخ فرید بخاری کہتے ہیں۔ فرید آباد آپ نے بسایا ہے۔ رحمۃ اللہ[2]

جہانگیر نے کانگڑے کا قلعہ پانچ محرم ۱۰۳۰ھ کو فتح کیا۔ حضرات القدس کے حضرتِ نہم میں (ذکرامت ۳۳ و ۳۴ میں) لکھا ہے کہ یہ مہم شیخ فرید کے سپرد کی گئی تھی، انھوں نے حضرت مجددؒ کو برلئے دعا لکھا، آپ پر ظاہر ہوا کہ شیخ فرید سے یہ کام نہ ہوگا۔ آپ نے ان کو یہی بات تحریر فرمائی۔ چند دن نہ گزرے تھے کہ شیخ فرید کے انتقال کی خبر پہنچی پھر یہ کام راجہ بکرماجیت کے سپرد ہوا، وہ حضرت مجددؒ کے پاس آئے، آپ پر ظاہر ہوا کہ راجہ کامیاب ہوں گے چنانچہ آپ نے ان کو بشارت دی اور وہ کامیاب ہوئے۔

اس بیان سے خیال ہوتا ہے کہ حضرت سیّد فرید بخاری (مرتضیٰ خان) کی وفات ۱۰۲۹ھ میں ہوئی ہوگی۔ رحمۃ اللہ ورضی عنہ۔

آٹھواں حصّہ۔ شیخ احمد سرہندی سے پہلے اور بھی بہت سے صوفیہ ایسے گزرے ہیں جو علومِ شرعیہ کے متبحر تھے بلیکن شیخ احمد نے اس امر کی شعوری کوشش کی کہ تصوّف کو شریعت کی چاکری میں لے آئیں اور شریعت وہی جو کچھ ان کے تصوّر کے مطابق تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا ظواہر کی فتح اور اس کے ساتھ پھر اذکار و وظائف کا سلسلہ نتیجہ میں تصوّف ذکر و وظائف میں محدود ہوتا گیا۔

پھر اس میں تعویذ نویسی بھی داخل ہوئی اور اسے باقاعدہ علم کا درجہ مل گیا اور یہ امر خاصا دلچسپ ہے کہ کسی کو بھی اس کا خیال نہ آیا کہ تعویذ یا توان پڑھ آدمی کے ساتھ ایک فریب کاری ہے یا پھر خدا کے ساتھ ایک چال ہے۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر سے سکّہ بند صوفیہ اور سخت گیر متقشف علمار کے درمیاں فرق کم ہوتا گیا ہے دوسری طرف غیر سکّہ بند صوفیہ اگرچہ اب بھی ملتے ہیں لیکن وہ بھی پہلے کی مانند اب ایک

---

[1] لفظ مرتضیٰ کا استعمال حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ شائع وذائع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس مناسبت سے جہانگیر نے آپ کو یہ خطاب دیا ہو۔ (زید) [2] از تجلیات ربانی مختصراً۔

لادے ہوئے نظام کی جکڑ بندیوں کے خلاف حرّیت ذہنِ انسانی کے نمائندے نہ رہے۔ اب تصوف ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی زندگی کا ایک رُخ ہو کے رہ گیا اور بس اس کی آزادگیِ فکر جو گویا اس کی ساری توانائی تھی وہ ختم ہوگئی۔ اھ۔

تبصرہ۔ مجیب صاحب نے ان بہت سے صوفیہ میں سے کسی کا نام نہیں لکھا اور پھر لکھ رہے ہیں کہ تصوّف کو شریعت کی چاکری میں لے آئیں۔ چوں کہ مجیب صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ شریعت کیا ہے اور تصوّف کیا ہے اس لئے ایسی غیر ذمّہ دار باتیں لکھ رہے ہیں۔ خدا و رسول کے احکام کا نام شریعت ہے، کسی مسلم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ شریعت کا استخفاف کرے۔ مجیب صاحب نے حضرت مجدد پر بالکل غلط الزامات عائد کئے۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے۔ اب وہ حضرات صوفیہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ چوں کہ کسی کا نام نہیں لکھا ہے اس لئے جو کچھ ان کے دل میں آرہا ہے، صوفیہ کے نام پر لکھ رہے ہیں۔ اکبر کے دَور میں ملحدوں نے صوفیہ کے نام پر اپنے الحاد کی ترویج شروع کی تھی۔ اور سادہ لوح افراد کو ظاہر و باطن کے چکّر میں ڈال کر اباحت اور گمراہی کی طرف لے جا رہے تھے۔ جہانگیر نہ عالم تھا، نہ صوفی، تاہم وہ سمجھ گیا کہ یہ ملحد ہیں اور اس نے لکھ دیا، ”انھوں نے تصوّف میں پناہ لی ہے اور اپنا نام صوفی رکھا ہے نہ وہ صوفی ہیں نہ زندیقی چند مُلحدی مذہب رکھتے ہیں“ یہی صورت مجیب صاحب نے اختیار کی ہے۔

مجیب صاحب مذہبِ اسلام میں آزادیِ فکر کی تلاش کر رہے ہیں۔ جس شخص نے ایک اللہ کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے اور رسول اللہ کی نبوّت کا قائل ہوگیا ہے تو اب اس کو کب حق پہنچتا ہے کہ وہ لینن یا اسٹالن یا کسی دوسرے ملحد یا دَہریّہ کی پیروی کرے۔ چاہے کوئی خوش ہو یا ناخوش اسلام میں ان کفریات کے لئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ شریعت کو ایک لادا ہوا نظام قرار دیا جائے تو پھر اسلام ہے کیا چیز! کیا اسلام اس اِباحت کا نام ہے جس کی ترویج اِس دَوُر کے ملحد کر رہے ہیں۔

مجیب صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک چال کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ نہ وہ چال ہے اور نہ فریب کاری بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے جس کا وہ شخص معتقد ہے۔ ایک دن حضرت ابوالحسن خرقانی اسمِ ذات کے فوائد بیان فرما رہے تھے۔ اتفاق سے حکیم ابو علی سینا پہنچ گئے اور آپ کے بیان کو سُن کر متعجّب ہوئے کہ صرف لفظ مبارک اللہ کہہ دینے سے اتنے فوائد کیسے حاصل ہو سکتے ہیں کہ بیمار شفا پائے، کام بن جائے، مشکل آسان ہو جائے۔ حکیم صاحب نے اپنے خیال کا اظہار حضرت پر کیا۔ آپ سمجھ گئے کہ حکیم صاحب عِلّت و معلول اور سبب و مُسبّب کے چکّر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کو عملی طور پر سمجھانے کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ نے بھری محفل میں

حکیم صاحب سے فرمایا۔ "اَے خرتو چہ دانی" یعنی اے گدھے تو کیا جانے۔ حکیم صاحب کی خاطر و مدارات سلاطین و اُمرا کیا کرتے تھے۔ یہاں انھوں نے خر کا خطاب حاصل کیا، لہٰذا ان پر اس کا اثر ہوا۔ رنگ زرد پڑ گیا، پسینے سے کپڑے تر ہو گئے، حضرت نے جب حکیم صاحب کی یہ کیفیت دیکھ لی تو محبت سے ان کو خطاب کر کے فرمایا۔ میں نے نہ آپ کو مارا نہ حمّام میں بند کیا۔ بلکہ "اَے خر" سے خطاب کیا ہے اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ پر اس کا بڑا اثر ہوا ہے۔ جب کہ ایک حقیر حیوان کے نام میں یہ اثر ہو تو تمام عالم کے پیدا کرنے والے کے مبارک نام میں جو بھی اثر ہو کم ہے۔ یہ سُن کر حکیم صاحب آپ کی ولایت کے قائل ہوئے اور اپنے دل سے خیالاتِ فاسدہ کو نکالا۔ ان کا ضمیر کہہ رہا تھا[1]

بحمد اللہ کہ چشمم باز کردی   مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

مجیب صاحب نے اٹھارویں صدی کے اَواخر کے صوفیہ پر روشنی ڈال کر اس وقت کے صوفیہ کا بیان اپنے انداز سے کیا ہے۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس سے نہ اسلام کا کچھ تعلق ہے نہ اسلامی تصوّف کا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے اس وقت بھی نیک بندے موجود ہیں اور جب تک اللہ کے نیک بندے، علمائے حقّانی اور مشائخ ربّانی موجود رہیں گے قیامت آ نہیں سکتی۔ کیونکہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ اور دوسری روایت میں ہے۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ۔[2] یعنی "قیامت جب ہی قائم ہو گی جب اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لینے والا کوئی نہ رہے گا" اور "بدترین خلائق پر قیام قیامت ہو گی" اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے وجود کو قائم رکھے۔

جب دین و مذہب کو لادا ہوا نظام سمجھا جانے لگے گا، جب اللہ ربّ العزت کے مبارک نام اور اس کے ذکر سے اور اس کو حرزِ جان بنانے سے لوگ غافل ہو جائیں گے اور ان چیزوں کو ظواہر پرستی، فریب کاری اور خدا کے ساتھ ایک چال سمجھنے لگیں گے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ رُوحانیت اٹھ جائے گی، خلافتِ الٰہیہ ختم ہو جائے گی اور قیامت برپا ہو گی۔

حضرت مجدد نہ طالبِ جاہ تھے نہ طالبِ مال۔ آپ اسلام کے نہایت مخلص خادم تھے، آپ نے مدّۃُ العمر اس بات کی کوشش کی کہ خلق خدا ہلاکت سے بچے، آپ اللہ کے مبارک نام کا نقش دل پر لگاتے تھے اور غافلوں کو مولیٰ جل شانہٗ سے ملاتے تھے۔

باز آئے کہ بے روئے تو اے شمعِ دل افروز   در بزمِ حریفاں اثرِ نور و ضیا نیست
اے شمعِ سحر گریہ بہ حالِ من و خود کن   کیں سوزِ نہانی کہ مراہست ترا نیست

---

[1] یہ واقعہ مجھ سے صلاح الدین خاں سلجوقی ہراتی نے بیان کیا تھا۔ رحمہ اللہ

[2] مشکات۔ باب لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الخلق۔ از صحیح امام مسلم۔

پروفیسر مجیب صاحب نے اپنی اس انگریزی کتاب میں جو کچھ حضرتِ مجدّدؒ کے متعلق لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو نہ حضرت مجدّدؒ کا صحیح حال معلوم ہے اور نہ انھوں نے حضرتِ مجدّدؒ کے رسائل اور مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے۔ شاید انھوں نے جناب شیخ عبدالحق کا مکتوب اور بعض ناقابل ذکر اُردو رسائل دیکھے ہیں اور حضرت مجدّدؒ کے متعلق بُری رائے قائم کرلی ہے۔

مجیب صاحب کی تحریر سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں، شریعت اور طریقت دو ہمپایہ چیزیں ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کہاں اللہ اور اس کے رسول کا فرمان اور کہاں کسی امتی کا قول۔

اور مجیب صاحب کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ ظاہر کے مقابلہ میں باطن اصل ہے۔ اور یہ قول باطنیوں کا ہے جو کہ بعد میں اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اکثر ملحدوں نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔

مجیب صاحب اگر اکبری تجدید کا ذکر کرتے اور مُلّا مُبارک اور ان کے دونوں فرزندوں اور شریف آملی کا ذکر کرتے اور پھر وحدتِ ادیان کے فلسفہ کو بیان کرتے اور باطنیوں کی مدح سرائی کرتے تو مضائقہ نہ تھا، حضرت مجدّدؒ کو ان کفریات سے کیا واسطہ "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ" ترجمہ "تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ"۔ حضرت شاہ عبدالقادر موضح قرآن میں لکھتے ہیں۔ "یعنی تم نے ضد باندھی ہے۔ اب سمجھانا کیا فائدہ، جب تک اللہ فیصلہ کرے"۔ مجیب صاحب حضرت مجدّدؒ کو صالح المومنین (نیک مومنوں) کے واسطے چھوڑ دیتے اور لینن واسٹالن کے الحاد و دہریت سے اپنا دل بہلاتے۔ یا وحدتِ ادیان اور نیشنل ازم جیسی تحریکات کا ساتھ دیتے۔

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر　کو با جمالِ جاناں پنہاں چہ کار دارد

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ضمیمہ

میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہو چکا تھا کہ مولانا اسحاق جلیس[1] سے ملاقات ہوئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ جناب انوار الحق نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں حضرت مجددؒ کے متعلق کچھ اظہار خیال کیا ہے۔ مولانا نے حضرت مجددؒ سے متعلق مضمون کا اردو ترجمہ مجھ کو دیا۔ جس کو ذیل میں نقل کر رہا ہوں اور پھر اظہار خیال کروں گا۔

جناب انوار الحق کی کتاب

"دی فیتھ موومنٹ اوف مولانا محمد الیاس" یعنی مولانا محمد الیاس اور تحریک ایمان

مطبوعہ جارج ایلین اینڈ انون لمیٹڈ، رسکن ہاؤس میوزیم سٹریٹ

لندن در ۱۹۷۲ء

صفحہ ۲۲۔ اکبر کے دور حکومت میں ہندوؤں کے وہ طبقے جو انتظامی امور اور فوجی تنظیم کی وجہ سے ایرانیوں اور ترکوں کے کلچر سے قریب تر ہو گئے تھے، ان سے متاثر ہوئے اور بعض حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور راجپوتوں کی ایک جماعت کا مسلمان ہونا اکبر کی رواداری اور مساوات کا انتہائی بلند کارنامہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اکبر کی ہندوؤں سے قربت اور مرعوبیت کی وجہ سے علماء اور امرا میں دو طبقے پیدا ہو گئے، ایک وہ طبقہ تھا جو یہ محسوس کرتا تھا کہ اکبر کی یہ رواداری مسلمانوں کو بالآخر ہندو مذہب میں ضم کر دے گی۔ اس نے صوفیا کی جماعت میں جو اب تک ہندوستان میں متحد و متفق تھے ایک خلیج پیدا کر دی جو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئی، چنانچہ "اسلام خطرہ میں ہے" کا نعرہ بلند ہوا اور اس طبقہ کو شیخ احمد سرہندی کی قیادت میسر آگئی۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنا کام مہدوی تحریک (جو سیّد محمد جونپوری نے شروع کی تھی) کی مخالفت سے شروع کیا۔ انھوں نے ابوالفضل اور دوسرے علماء کی اس رائے سے اختلاف کیا کہ سچائی سے خدا پر ایمان لانے کے سلسلے میں رسول اللہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

---

[1] مولانا اسحاق جلیس مجلۂ پانزدہ روزۂ اردو "تعمیر حیات" ندوہ، لکھنؤ کے مدیر ہیں۔

شیخ احمد نے چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ سلسلہ کی تربیت پانے کے بعد آخیر میں نقشبندیہ سلسلہ کو اختیار کیا، نقشبندیہ سلسلہ کے عقائد کو مدِنظر رکھتے ہوئے انھوں نے حکومتِ وقت سے قریبی تعلق رکھا تاکہ وہ حکومت کو صحیح اسلامی عقائد کی نشان دہی کرتے رہیں۔

ان کا رویّہ ہندوؤں کی طرف سے بہ تدریج سخت ہوتا گیا وہ ان کو کافر جانتے تھے اور ان سے تجارت تک کے روابط رکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ شیخ احمد سرہندی کا یہ طریقہ کار بقیہ صوفیہ سے مختلف تھا۔

صفحہ ۲۳۔ اس دور میں عوام و خواص صوفیاء کے خیالات وافکار کو اختیار کرچکے تھے لیکن موقع پرست علماء اور صوفیاء نے کتابیں تصنیف کرکے مدارس میں درس دے کر اور فتاویٰ پر مہر ثبت کرکے اکبر کے مذہبی عقائد کو لبیک کہا۔ شیخ احمد نے تنہا اس طبقے کی مخالفت کی جو مذہبی رواداری اور آزادی کا خواہاں تھا۔ انھوں نے صوفیاء کی ایک جماعت تیار کی جو شریعت پر عمل کرتے تھے اور علماء وقت سے بہتر تھے چنانچہ شیخ احمد شریعت پر طریقت کے مقابلہ میں زیادہ زور دیتے تھے، وہ شریعت اور طریقت کے اختلاف کو دور کرکے طریقت کو شریعت کے ماتحت اور زیرِ اثر لانا چاہتے تھے۔ وہ مذہبی تعلیمات اور قوانین کو زیادہ اہم جانتے تھے، بہ نسبت صوفی علماء کے اقوال کے اور صحابۂ کرام کو زیادہ بلند مرتبہ جانتے تھے بہ مقابلہ تمام شیوخ کے۔ شیخ احمد نے ہندوستان میں اسلام کے احیاء کے سلسلہ میں بڑا نمایاں کام انجام دیا ہے۔

اس زمانہ میں شیعی عقائد ایران اور مشرقی عراق میں عام ہوگئے تھے، ہندوستان میں جہانگیر کی ملکہ نورجہاں شیعہ تھیں، جہانگیر کے وزیر بھی شیعہ تھے اور شیعی عقائد کا ہندوستان میں چرچا ہونے لگا تھا، ایران میں عقائد کے اختلاف نے بڑی پیچیدگیاں پیدا کردی تھیں اور سنّی حضرات اور سنّی علماء سخت مصائب کا شکار تھے، شیخ احمد چاہتے تھے کہ شیعی عقائد ہندوستان میں عام نہ ہوں، اس سلسلہ میں انھوں نے ایک رسالہ "ردِّ روافض" لکھا اور اپنے خطوط میں بھی شیعیت کی شدید مخالفت کی۔

شیخ احمد نے ان تبدیلیوں کی سخت مخالفت کی جو اکبر نے رائج کی تھیں۔ مثلاً انھوں نے جہانگیر کے سامنے تعظیماً سجدہ کرنے سے انکار کردیا جب کہ اور تمام علماء اسے اختیار کرچکے تھے، وہ علماء سمجھتے تھے کہ یا تو دربار سے دور رہا جائے ورنہ سجدہ کو مصلحتاً اختیار کرلیا جائے، شیخ احمد کی اس جراَت نے عوام کو شریعت کے اصولوں پر کاربند ہونے میں مدد دی اور اس طرح ہندوستان میں شریعت کی ازسرِنو تجدید ہوگئی۔ شیخ احمد نے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو تمام ہندوستان میں اور بیرونِ ہند اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے بھیجا۔

صفحہ ۲۶۔ شیخ احمد سے پہلے نقشبندی سلسلہ اور دوسرے ہندوستانی سلسلوں میں کوئی نمایاں فرق نہ تھا فرق صرف اتنا تھا کہ کونسا سلسلہ شریعت اور طریقت میں کتنی مطابقت رکھتا ہے لیکن اب ایک نیا فلسفہ اُبھر کر آیا جس نے ابنِ عربی کے "وحدت الوجود" کو جو اَب تک تمام صوفیاء کا متفقہ مسلک تھا رَدّ کر دیا تھا۔ شیخ احمد نے اس کا نام "وحدت الشہود" رکھا، باوجود اس کے کہ دونوں فلسفے بہ ظاہر ایک دوسرے سے قطعی الگ ہیں لیکن شیخ احمد "وحدت الوجود" کے مسئلہ سے قطعی انکار نہ کرتے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ صوفیاء کو اس پہلی منزل سے گزرنا پڑتا ہے۔

صفحہ ۲۷۔ ہندو مسلم معاشرت کے ایک دوسرے سے قریب آجانے سے جہاں فنونِ لطیفہ میں ایک دوسرے کی مدد اور ترقی اور ترویج ہوئی تھی وہیں ہندو فلسفہ نے مسلم صوفیاء میں ایک گہرا رنگ پھیلا دیا تھا۔ اب تک صوفیاء کے یہاں انسان اور خدا کے تعلق کا نام وحدت الوجود تھا۔ ہندو فلسفہ کے اثر کو ختم کرنے کے لئے شیخ احمد سرہندی نے وحدت الشہود کے فلسفہ کی اشاعت کی وہ مسلمانوں کو اور مسلم صوفیاء کو ہندو اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

شیخ احمد کا رویہ غیر مسلموں کے ساتھ خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ انتہائی سخت تھا پچھلے صوفیاء کے انداز سے بالکل مختلف تھا، قطعِ نظر مسلم بادشاہوں کے رویّہ کے، پچھلے صوفیاء خصوصاً چشتیہ سلسلہ کے بزرگ کبھی بھی غیر مسلموں سے سخت رویّہ نہ اختیار کرتے تھے۔ وہ اپنی بساط سے زیادہ اچھا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھتے تھے۔

شیخ احمد اس تصوّر سے اختلاف کرتے تھے، انھوں نے اپنے مریدوں کو خط میں لکھا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو حقیر بنانے کی کوشش کریں۔ اکبر کے طرزِ عمل اور ہندو عوام کے فائدے اٹھانے سے شیخ احمد پر جو تاثرات مرتّب ہوئے تھے ان کا ظاہری نتیجہ یہ ہی تھا کہ وہ ہندوؤں اور اکبر سے خصوصاً بُغض رکھنے اور نفرت کرنے پر مجبور ہوں یہ ہی حالت جہانگیر کے دَور میں بدستور رہی۔

صفحہ ۲۸۔ ایک خط میں شیخ احمد لکھتے ہیں کہ "ایکا داسی" کے دن ہندو کھانا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ مسلمان آبادیوں کے شہروں میں لوگ کھانا بازار میں نہ بیچیں لیکن برعکس رمضان کے مہینہ میں وہ کھانا پکا کر بازار میں بیچتے ہیں اور باوجود اس کے کہ آج کل ایک مسلمان بادشاہ حکمران ہے ہم غریب اس قدر بے حیثیت ہیں۔

شیخ احمد متواتر مسلمان افسروں کو تنبیہ کرتے رہے کہ وہ غیر مسلموں کو اپنی مجلسوں میں نہ آنے دیں اور اگر وہ آجائیں تو ان کی تحقیر کریں۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔ "اسلام کی عظمت کافروں اور باطل عقائد کے رد کرنے اور ان سے نفرت پیدا کرنے میں ہے۔ جو مسلمان کافروں کو عزیز رکھتا ہے وہ مسلمانوں کو حقیر

کرتا ہے کافروں کو عزیز رکھنے کے صرف یہ معنی نہیں کہ وہ ان کی عزت کرتا ہے اور انہیں اعلیٰ مقام پر بٹھاتا ہے بلکہ انہیں اپنی مجلسوں میں بٹھانا اور ان سے بات کرنا یہ سب عزت کرنے میں شامل ہے وہ کتوں کی طرح اپنے سے دور رکھنے چاہئیں، اگر ان سے کوئی کام اٹک جائے جو بغیر ان کی مدد کے ممکن نہ ہو تو اس بات کا خیال ذہن میں رکھتے ہوئے کہ غیر مسلم کبھی بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتے کام لینے کے لئے تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں۔ مکمل اسلام یہ ہے کہ دنیاوی ضرورتوں کی وجہ سے ان سے روابط قائم کیے جائیں اور انہیں اپنے قریب نہ آنے دیا جائے۔

یہ خطوط شیخ فرید کو لکھے گئے جو کہ جہانگیر کے گورنر تھے گجرات میں اور لاہور میں تعینات ہوئے شیخ فرید نے ان خطوط پر کم توجہ دی ایک خط میں شیخ احمد لکھتے ہیں کہ "اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کافروں کو ذلیل کرنے میں ہے۔ جزیہ سے مقصد کافروں کی بے عزتی اور تباہ کرنا ہے۔ کافروں کی عزت کرنا اسلام کی بے عزتی ہے یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے، بہت سے لوگوں نے اس رشتہ کو توڑا اور مذہب کو خراب کیا۔"

صفحہ ٢٩۔ جب جہانگیر نے شیخ فرید کو حکم دیا کہ وہ کانگڑہ فتح کریں تو شیخ احمد کو خواہش ہوئی کہ شیخ فرید وہاں کے مشہور مندر کو تباہ کر دیں جس میں ایک بہت بڑا بت تھا اس طرح سے شیخ فرید کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا جو انھوں نے کافروں کو عزیز رکھ کر کئے تھے۔

شیخ احمد شیخ فرید کو خط میں لکھتے ہیں۔ "پوری محنت سے ان ذلیل انسانوں اور جھوٹے خداؤں کی بیخ کنی کرنی چاہیے اور یقین ہے کہ تمہارا یہ عمل تمہاری ہندو نوازی کے جرم کا کفارہ ہوگا۔ کمزوری اور سخت سردی کی مجبوری سے میں تم تک نہیں آسکتا کہ تم کو اس عمل پر مجبور کرتا اور خود تمہارے ساتھ چل کر بت شکنی میں شریک ہوتا کہ یہ عمل میری بخشش کا ذریعہ ہوتا۔"

جب ہردے رام نے دو خطوں میں صوفیاء سے گہری عقیدت کا ذکر کیا اور یہ لکھا کہ وہ رحمان اور رام کو ایک ہی ذات سمجھتا ہے تو شیخ احمد نے سختی سے جواب دیا انسان اور اللہ میں بڑا فرق ہے۔

شیخ احمد کی سخت ہندو دشمنی اس سبب سے بھی تھی کہ اس دور میں چیتنیہ ١٤٨٦-١٥٣٣ نے ہندو مت کی جو تجدید کی تھی اس سے ایک نیا جوش اور ولولہ ہندوؤں میں تھا جس نے اکبر کی ہندو مسلم دوستی کی تمام کوششوں کو ناکامیاب کر دیا تھا۔ اکبر نے جزیہ اور گاؤ کشی ختم کر دی تھی۔ شیخ احمد نے اپنے خطوط میں اکبر کے ان دونوں احکامات کی مخالفت کی، اکبر کے ان احکام کی جہانگیر اور شاہ جہاں تو خلاف ورزی نہ کر سکے لیکن اورنگ زیب نے شیخ احمد کی خواہش پوری کر دی۔

باوجود اس کے کہ شیخ احمد پوری طرح متفق تھے کہ قدیم ہندوستان میں پیغمبر ہوئے تھے ہندوؤں

کو ذمّی نہ جانتے تھے بلکہ کافر سمجھتے تھے ان کا رویہ ہندوؤں کے سلسلہ میں انتہائی تلخ تھا۔ کوئی کتنا بھی شیخ احمد کے اس طریقہ کو جائز قرار دے اس لئے کہ وہ ہندومت کی تجدید کا ردِ عمل تھا لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا یہ نظریہ قرآن کے احکامات اور رسول اللہ کے اُسوہ کے خلاف تھا (صفحہ ۲۹ کے حاشیہ میں لکھا ہے) رسول اللہ نے کعبہ سے بتوں کو ہٹانے اور توڑنے کا حکم اس وقت صادر فرمایا جب کہ تمام مکّہ کے عوام نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس سے قبل رسول اللہ اور صحابہ جب کبھی کعبہ کو مُنہ کر کے نماز پڑھتے تھے یا عُمرہ کے زمانہ میں کعبہ میں نماز پڑھتے تھے بُت وہاں موجود ہوتے تھے۔ (حاشیہ تمام ہوا)

صفحہ ۳۱۔ شیخ احمد اپنے آپ کو مجدّد تصوّر کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ان کے دَور کا اسلام تمام غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رہے وہ مذہب کی ذرا سی تبدیلی جو قرآن کے احکام اور رسول ﷺ کی سنّت کے خلاف ہو گوارا نہ کرتے تھے یہاں تک کہ جو صوفی عقائد شریعت سے مطابقت نہ رکھتے تھے ان کے وہ مخالف تھے۔ اسلام کو تمام اجتہادی تصوّرات سے بچانے کے سلسلہ میں انہیں ہندوؤں اور شیعوں سے سخت نفرت تھی انھوں نے مسلمانوں کو وہ راستہ دکھایا جو انہیں تمام دوسرے مذاہب اور طبقوں سے الگ رہنے پر مجبور کرتا تھا۔

صفحہ ۳۵۔ سید احمد شہید چاہتے تھے مسلمان غیر اسلامی رواج و رسومات چھوڑ دیں لیکن اس کے باوجود شیخ احمد سرہندی کی طرح ہندومت اور ہندوؤں سے نفرت نہ کرتے تھے۔

صفحہ ۳۶۔ بنیادی خیالات میں سید احمد، شاہ ولی اللہ سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت شیخ احمد سرہندی کے (علاوہ چند جزوی اختلافات کے) لیکن وہ شیخ احمد سرہندی کے وحدت الشہود کے قائل ہیں۔

صفحہ ۳۴۔ صوفیاء کی روایات کی تنسیخ شیخ احمد سرہندی کے ذریعہ ہوئی جنھوں نے مجدّدیہ سلسلہ کی ابتدا کی جو کہ نقشبندیہ سلسلہ کی ایک شاخ تھی۔ انھوں نے ہندوؤں کے خلاف سخت اقدامات کے سلسلہ میں تبلیغ کی، وہ سب سے پہلے صوفی ہیں جنھوں نے اپنے سلسلہ کے وفود ہندوستان اور بیرونِ ہند بھیجے۔ انھوں نے کوشش کی کہ اسلام کو غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھیں اور اس کا طریقہ انھوں نے یہ اختیار کیا کہ مسلمان ہندوؤں سے کوئی رابطہ قائم نہ کریں اور دور رہیں۔ ان کا یہ رویہ یقیناً اس بات کا ردِ عمل تھا کہ اکبر کے دربار میں آزادیٔ عمل اور ہندو مسلم اتحاد اور قربت کی انتہا ہو چکی تھی، ردِ عمل ان تین صورتوں کی شکل میں ہوا، ۱۔ ہندوؤں اور شیعوں کے خلاف سخت رویہ، ۲۔ اسلام میں غیر اسلامی روایات کی سخت تردید، ۳۔ اسلام میں مذہبی وفود کا اجرا۔

صفحہ ۴۰۔ جدا اور خارج از اشتراک مسلم فرقہ کا تصوّر شیخ احمد سرہندی نے دیا تھا اور اس تصوّر

کو تقویت مدتوں مختلف ہندوؤں اور مسلمانوں سے ملتی رہی جو رفتہ رفتہ ایک سیاسی مسئلہ بن گیا کہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کی ضرورت ہے اور اس تصور کے قائد فلسفی شاعر اقبال تھے۔

صفحہ ۶۹۔ شیخ احمد سرہندی نے ہندوستان کے صوفیاء کے مختلف سلاسل میں اپنے وحدت الوجود کی مخالفت کی بناء پر نظریاتی اختلافات پیدا کر دیئے تھے، شاہ ولی اللہ نے ان اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور یہ کہا کہ یہ محض لفظی وجزوی فرق ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے وحدت الشہود اور ابن عربی کے وحدۃ الوجود، دونوں کا علیحدہ علیحدہ مطالعہ کرنے اور مقابلہ کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ درحقیقت ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

صفحہ ۱۶۸۔ مولانا الیاس اپنے فرقہ پر توجہ رکھتے تھے۔ لیکن شیخ احمد سرہندی کے برعکس ہندو طبقہ کے سلسلہ میں کبھی نفرت کا اظہار نہ کرتے تھے۔"

اظہارِ خیال:۔ جناب انوار الحق کا یہ بیان ڈاکٹر رضوی اور پروفیسر مجیب کے بیانات سے متفاوت ہے، اس میں نہ تبرا ہے، نہ بغض و عداوت کے جراثیم، اور نہ اتہام طرازیاں ہیں، نہ استخفاف واستہزا کا شائبہ، محسوس ہوتا ہے کہ ان کے مضمون کی اساس احیائے اسلام کی تحریک ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے تین اَدْوار کا ذکر کیا ہے، دَورِ مجدّد، دَورِ سیّد احمد، دَورِ مولانا محمد الیاس۔

انوار الحق صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت مجدّد کے بعض مکاتیب شریفہ کا مطالعہ کیا ہے لیکن حضرت مجدّد کے رسالہ اثبات نبوّت اور رسالہ ردّ شیعہ کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اور حضرت مجدّد کے مبارک احوال کو زبدۃ المقات اور حضرات القدس میں نہیں دیکھا ہے جو کچھ لکھا ہے رودِ کوثر سے لیا ہے اگر وہ خود حضرت مجدّد کی تحریرات اور زبدۃ المقامات وغیرہ کو دقیق نظر سے مطالعہ کرتے تو ان کی تحریر کا رنگ کچھ اور ہوتا۔ علماء اعلام کا مشہور قول ہے۔ اَلْحُکْمُ عَلَی الشَّیْ ءِ فَرْعٌ عَنْ تَصَوُّرِہٖ۔ جو تصور اور خیال کسی شے کے متعلق کر لیا جاتا ہے حکم اسی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، انوار صاحب نے رضوی صاحب اور مجیب صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور پھر ان مکاتیب شریفہ کو دیکھا ہے جو کہ حضرت مجدّد نے اراکین وعمائدینِ مملکت کو ارسال فرمائے ہیں اور یہ نظریہ قائم کر لیا کہ حضرت مجدّد کو ہندوؤں اور شیعوں سے سخت نفرت تھی' انوار صاحب پر لازم تھا کہ حضرت مجدّد کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ کو دیکھتے اور پھر کوئی رائے قائم کرتے۔ وہ خیال کریں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔ ترجمہ۔ اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان سے۔" کیا اس آیتِ مبارکہ کی وجہ سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

العیاذ باللہ تُند خو، سخت گیر قرار دے گا اور کہے گا کہ حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے ساتھ شدید الطبع، سخت خو، دُرُشت مزاج تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" کی طرف التفات نہیں کرے گا کہ "تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو جہاں کے لوگوں کے لئے رحمت بنا کر" اور کیا اس ارشادِ نبوی عَلٰی صَاحِبِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو بھلا دیا جائے گا "اِنَّمَآ اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ"[1] یعنی میں تو اہلِ جہاں کے لئے صرف تحفۂ رحمت ہوں۔

حضرت مجددؒ نے یقیناً رسالہ ردِّ شیعہ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں آپ کے چند خطوط بھی ہیں خوبی یہ ہے کہ انوار صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ میں یہ حقیقت بھی ظاہر کی ہے کہ

> "اس زمانہ میں شیعی عقائد ایران اور مشرقی عراق میں عام ہو گئے تھے، ہندوستان میں جہانگیر کی ملکہ نورجہاں شیعہ تھیں، جہانگیر کے وزیر بھی شیعہ تھے اور شیعی عقائد کا ہندوستان میں چرچا ہونے لگا تھا، ایران میں عقائد کے اختلاف نے بڑی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں اور سنی حضرات اور سنی علماء سخت مصائب کا شکار تھے۔"

انوار صاحب نے "سخت مصائب" لکھ کر اس سیاہ کارنامے کی طرف اشارہ کیا ہے جو ایران میں ہو چکا تھا کہ تلوار کے زور سے ایران میں یہ مذہب پھیلایا گیا۔ جو رافضی ہوا اس کی جان بچی جس نے انکار کیا قتل کیا گیا۔

حضرت مجددؒ نے جب ہندوستان کی حالت بگڑتی ہوئی دیکھی تو رسالہ "ردِّ شیعہ" لکھا۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو روافض کے ان "سخت مصائب" سے بچایا جو ایران میں مسلمانوں کو پیش آ چکے تھے۔ حضرت مجددؒ نے نہ کسی کو آزار دیا نہ کسی کو قتل کیا۔ اور پھر بھی آپ کی بیزاری اور شدت کا رونا رویا جا رہا ہے، اور شیعہ سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے اماموں کی طرح "معصوم" ثابت کئے جا رہے ہیں اور رضوی صاحب اس سلسلہ میں خوب مکائد کا جال پھیلا رہے ہیں اور جناب انوار اُن کے ہفوات کا اعادہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بچانے والا پروردگار جلّ شانہٗ ہی ہے لیکن اس دارِ اسباب میں اس وقت حضرت مجددؒ کی ذات کو اس نے سبب بنایا۔ رضوی صاحب کو دراصل غصہ اسی کا ہے، ہندوؤں کا ذکر صرف آڑ ہے۔

اس موضوع پر میرا ارادہ کچھ لکھنے کا نہ تھا کیونکہ اگر فی الواقع ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت مجددؒ کا نظریہ ہندوؤں اور کافروں کے ساتھ سختی کا تھا تو اس سے کوئی قباحت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ قباحت تو اس صورت میں ہے کہ آپ کی درشتی اور سختی ذاتی مصلحت کے لئے ہوتی۔ جب کہ آپ کے ذاتی مفاد کو کوئی دخل نہیں ہے اور آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسلام اور مملکتِ اسلام

---

[1] الجامع الصغیر جلد اول صفحہ ۸۹۔

کے لئے لکھا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھا ہے اور ائمۂ دین کے مسلمہ اقوال کا بیان کیا ہے، تو آپ پر کیا الزام۔ اگر کوئی شخص الزام عائد کرنے کی کوشش کرے تو وہ درحقیقت اسلام کے احکام پر اعتراض کر رہا ہے، میرے سامنے افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ ایمان افروز قول ہے جو آپ نے رحلت فرمانے سے کچھ پہلے حضرت طلحہؓ سے فرمایا اور میں اس کو "شیخ عبدالحق کا اختلاف" میں بیان کرچکا ہوں۔ آپ نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا حضرت طلحہ نے کہا۔ "آپ نے عمر کو اپنا خلیفہ بنایا اور جو کچھ لوگوں کو اُن سے پہنچا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، جب کہ آپ کی حیات میں ان کی یہ حالت تھی تو آپ کے بعد وہ کیا کریں گے، آپ مولیٰ جَلَّ شانہٗ کے پاس جا رہے ہیں وہ آپ سے پوچھ کرے گا۔" یہ سُن کر حضرت ابوبکر نے حاضرین سے کہا مجھ کو بٹھاؤ اور پھر آپ نے حضرت طلحہ سے فرمایا۔ "کیا تم مجھ کو اللہ سے ڈراتے ہو، میں جب اپنے پروردگار سے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو عرض کروں گا میں نے تیرے بندوں میں سب سے بہتر کو تیرے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے۔"

مع ہذا میں انوار صاحب سے اتنا کہوں گا کہ وہ ٹھنڈے دل سے کسی کی تحریر کا اثر لئے بغیر حضرت مجدد کے مکتوبات کو عمومی طور پر اور آپ کے رسالۂ اثبات نبوّت اور ردّ شیعہ کا دقیق نظر سے مطالعہ کریں اور کتاب زبدۃ المقامات اور کتاب حضرات القدس کو اچھی طرح سے دیکھیں اور پھر کوئی رائے قائم کریں۔ اگر آپ کے تمام مکتوبات و رسائل کا اور آپ کی صحیح سوانحِ حیات کا علم نہ ہو تو آپ کے متعلق صحیح رائے کس طرح قائم کی جاسکتی ہے۔ حضرتِ مجدد کے مکتوبات کا تقریباً پانچواں حصہ امرا اور عمائدینِ سلطنت کے نام ہے۔ آپ نے امرا کو وہ باتیں لکھی ہیں جن کا تعلق مملکتِ اسلامیہ سے ہے۔ آپ کی تمنا تھی کہ اسلامی سلطنت صحیح راستہ پر چل کر ترقی کرے۔ اور صحیح راستہ آپ کی نظر میں صرف وہی ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول نے بیان کردیا ہے،

انوار صاحب نے صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے۔ "اکبر کی ہندوؤں سے قُربت اور مرعُوبیّت کی وجہ سے علما اور امرا میں دو طبقے پیدا ہوگئے" الخ جب کہ اکبر ہندوؤں سے مرعُوب ہوگیا تھا تو پھر اس کے امرا اور نائبین کیوں کر مرعوب نہ ہوئے ہوں گے۔ اور اس جماعت کے مرعوب ہونے کی صورت میں اسلام کی اور مسلمین کی کیا خدمت کی جاسکتی ہے۔ حضرت مجددؒ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ آپ نے جدوجہد کر کے امرا اور اعیانِ مملکت کے دلوں سے اس خوف و رُعب کو نکالا اور اللہ کے فضل و کرم سے ہندوستان میں شریعت کی ازسرِنو تجدید ہوگئی۔

ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی نے ایک مضمون لکھا ہے جو کہ "رسالۂ مقالاتِ یوم مجدد"[1]

---

[1] یہ رسالہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری (پنجاب) پاکستان نے ۹ مارچ ۱۹۷۶ء کو نشر کیا ہے۔

میں چھپا ہے۔ اس مضمون میں "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" سے اکبر کے متعلق انگریزی عبارت نقل کی ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ اس نے (اکبر نے) اسلام سے رشتہ توڑ لیا تھا اور اس نے سورج سے یا اس کے نمونے سے جو زمین پر ہے (آگ سے) رشتہ جوڑ لیا تھا۔ اور ایک اور مستشرق گیرٹ نے عہد اکبری کی "مُغل رُول اِن انڈیا" یہ جو تصویر پیش کی ہے حسب ذیل ہے۔

عربی تعلیم کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی، داڑھی منڈوانے کی رسم شروع کی گئی، مسلم تہذیب کو تبدیل کیا جانے لگا، بادشاہ کے سامنے سجدہ شروع کر دیا گیا تاکہ پرانے خیالات کے مسلمان آزردہ دل ہوں، نئی مسجدوں کی تعمیر اور پرانی مسجدوں کی ترمیم ختم ہوئی، خود اکبر کی رہائش کا طریقہ اسلامی طریقے کی بجائے ہندو دھرم کے طریقے سے زیادہ قریب ہو گیا اور یہ سب کچھ اس نے خود کیا۔"

حضرت مجددؒ کی کچھ تحریریں "آپ کے زمانے کی مذہبی حالت" میں لکھ چکا ہوں۔ ان کو دیکھ لیا جائے، میں یہاں آپ کے ایک مکتوب گرامی کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں۔ اس کو بھی مطالعہ کر لیا جائے آپ سے ستونِ نورانی اور دُمدار ستارے کے متعلق خواجہ شرف الدین حسین نے دریافت کیا تھا۔ آپ نے یہ جواب ان کو تحریر فرمایا تھا کہ یہ چیزیں قربِ قیامت کی علامات میں سے ہیں اور لکھا ہے

"معلوم ہو۔ خبر میں وارد ہے کہ مہدی کا ظہور اس وقت ہو گا کہ کفر غالب آ جائے اور کھلم کھلا کافری ہونے لگے۔ اس دور کے غربائے اہلِ اسلام کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ فتنہ و آشوب کے زمانے میں عبادت کرنی ایسی ہے کہ کوئی ہجرت کر کے میرے پاس آئے۔" (اس حدیث کی روایت مسلم نے کی ہے)

اور پھر ایک صفحہ کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

"اے فرزند عزیز، مکرر لکھا جاتا ہے کہ یہ وقت توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہے اور یہ وقت دنیا سے الگ ہونے اور انقطاع کا ہے، کیونکہ یہ فتنوں کے وُرُود کا زمانہ ہے، اور قریب ہے کہ ماہِ نیسان کے مینہ کی طرح فتنے برسیں اور سارے عالم کو گھیر لیں۔" (اس کے بعد ابوداؤد کی ایک حدیث شریف نقل کی ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے)

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان دنوں "نگرکوٹ" کے اطراف میں "کفارِ دارُ الحرب" نے مسلمانوں پر اور بلادِ اسلام پر کیسے کیسے مظالم اور آفتیں توڑی ہیں اور کس طرح کی اہانتیں اور اذیتیں پہنچائی ہیں۔ رُسوا کرے اللہ پاک ان کو۔ بہ مقتضائے آخر زمان اس قسم کے بدنُمود شگوفے بہت کچھ پھوٹینگے۔ اللہ پاک ہم کو، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔" (دفتر دوم مکتوب ٦٨)

حضرت مجددؒ نے نگرکوٹ کے اطراف کے ہندوؤں کو کفار دارُالحرب کہا ہے اور یہ نگرکوٹ ہندوستان ہی کا ایک حصہ ہے جو کہ اکبر و جہانگیر کی مملکت میں واقع تھا۔

حربی اس غیر مسلم کو کہا جاتا ہے جو اسلامی مملکت کے امان و حفاظت میں نہ آیا ہو اور ذمّی وہ غیر مسلم ہے جو اسلامی مملکت کی حفاظت اور امان میں آ گیا ہو۔

انوار الحق صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں لکھا ہے۔

"حضرت مجددؒ ہندوؤں کو ذمّی نہ جانتے تھے بلکہ کافر سمجھتے تھے"

صحیح تعبیر "بلکہ حربی سمجھتے تھے" ہے، کیونکہ لفظ کافر عام ہے، ذمّی اور حربی اس کے افراد ہیں۔ دونوں پر یہ لفظ صادق آتا ہے۔

انوار الحق صاحب کی یہ عبارت ثابت کر رہی ہے کہ حضرت مجددؒ نے ذمیوں کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے، اب اگر حضرت مجددؒ نے باغیوں، سرکشوں اور فسادیوں کے متعلق امرا اور عمائدین کو لکھا ہے کہ ان سے نہ ڈرو، یہ ذلیل و خوار ہیں اور یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگر تم اپنے مولیٰ کے ہو کر رہو گے تو کیا برا کیا ہے۔

تعجب ہے، شیخ محمد اکرام نے رُودِ کوثر میں نگرکوٹ کے واقعہ کو بھی نقل کیا ہے اور پھر صفحہ ۲۲۲ کے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے "حضرت مجددؒ نے ہنود کے لئے ذمّی کا لفظ کہیں نہیں استعمال کیا، ہمیشہ اہل کفر کہتے ہیں۔" مع ہذا شیخ محمد اکرام حضرت مجددؒ کو تمام ہندوؤں کا مخالف سمجھتے ہیں۔

حضرت مجددؒ علیم ظاہر میں اَجلّہ علماءِ اعلام میں سے تھے۔ آپ کی عبارتوں کو جَلیلُ القدر علماء کی عبارات کی طرح حل کرنے کی ضرورت ہے، قطبِ شام، علامۂ روزگار عبد الغنی نابلسی نے ۱۰۸۸ھ میں "اِیضاحُ الدّلالات" لکھی ہے۔ اس میں علامہ زین الدین بن نجیم حنفی کے رسالہ "الخیر الباقی فی جوازِ الوضوءِ مِنَ الفَسَاقِی" سے یہ عبارت نقل کی ہے۔

"اِطْلَاقُ الْفُقَهَاءِ فِي الْغَالِبِ مُقَيَّدٌ بِقُيُودٍ يَعْرِفُهَا صَاحِبُ الْفَهْمِ الْمُسْتَقِيمِ الْمُمَارِسِ لِلْأُصُولِ وَالْفُرُوعِ وَاِنَّمَا يَسْكُتُونَ عَنْهَا اِعْتِمَادًا عَلَى صِحَّةِ فَهْمِ الطَّالِبِ الْحَاذِقِ"

(ترجمہ) حضرات فقہاء کا کلامِ مُطلَق زیادہ تر قیودات سے مقیّد ہوا کرتا ہے جس کو وہ صاحبِ فہم صحیح سمجھ سکتا ہے جس نے علم اصول اور فروع کی ممارست کی ہوئی ہو، فقہاء کرام ہر مقام پر اپنے مُطلَق قول کے قیود کا ذکر طالبِ حاذق کی فہم و فراست کی وجہ سے نہیں کیا کرتے۔"

حضرت نابلسی قدس سرہ نے کیا عمدہ بات کہی ہے اور کیسی اعلیٰ حقیقت کو ظاہر کیا ہے۔

افسوس ہے کہ حضرتِ مجددؒ جیسے نادرۃُ الدّہر، دُرِّ یتیم، فردِ اکمل، جامع شریعت و طریقت پر وہ افراد ردّ و قدح کر رہے ہیں جن کو نہ علومِ شریعت کی خبر ہے نہ اسرارِ طریقت کی، بلکہ بعض افراد

تو ایسے ہیں جن کو صحیح طور پر مذہب اسلام ہی کی خبر نہیں ہے وہ تو آج کل کے دعاوی "وحدتِ ادیان" "فلسفۂ لینن" "نظریاتِ ماؤ" وغیرہ کے دلدادہ ہیں کسی کا کعبہ "ماسکو" کسی کا رُخ بہ سوئے "پیکنگ" ایسے افراد حضرت مجدد پر جو بھی الزام عائد کردیں، کم ہے۔ کیا ان کی زبان سے مذہب اسلام بلکہ بانیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) محفوظ رہے ہیں۔ اِلَی اللّٰہِ الْمُفْزَعُ وَاِلَیْہِ الْمُشْتَکیٰ۔

حضرت مجدد جان و دل سے احکام شرعیہ کے مُطیع و مُنقاد تھے۔ ان کو ذمیوں کے حقوق کا پورا پورا علم تھا۔ وہ کسی حال میں ان کے حقوق میں سے بال برابر حق کو ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ یہ صریح الزام ہے کہ آپ کو مطلقاً ہندوؤں سے نفرت تھی۔ آپ صرف اُن ہندوؤں کے مخالف تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے حضرت مجدد صاف الفاظ میں شیخ فرید بخاری کو لکھ رہے ہیں۔

"کارِ این نابکاران استہزاء و سخریہ است بہ اسلام و اہلِ آن و منتظر اند اگر قابو بیابند مارا از اہلِ اسلام برآرند یا ہمہ را بہ قتل برسانند یا بہ کفر باز گردانند۔"

(ترجمہ) ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہلِ اسلام کا استہزا اور ہنسی مذاق ہے یہ اس گھات میں ہیں کہ ان کا بس چلے تو ہم کو اہلِ اسلام سے نکال دیں یا ہم سب کو قتل کر دیں یا پھر کفر کیطرف لوٹائیں۔"

حضرت مجدد کی ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے اکرام صاحب اور انوارالحق صاحب حضرت مجدد کو عام طور پر ہندوؤں کا مخالف کہتے ہیں۔ "حیرت اندر حیرت است۔"

بے شک حضرت مجدد نے جابجا ہندوؤں کو نجس لکھا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجِسٌ" لیکن آپ نے کسی وقت بھی ظاہری نجاست مراد نہیں لی ہے۔ اس سلسلہ میں خود حضرت مجدد نے مُلّا مقصود علی تبریزی کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے (دفتر دوم کا ۲۲واں مکتوب ہے) جس میں وضاحت سے یہ بات بیان کر دی ہے اور لکھا ہے کہ ابن عباس سے جو قول مروی ہے کہ مشرک کتے کی طرح نجس العین ہے۔ وہ از قسم شواذ ہے۔ اس قسم کے اقوال اکابر کے بہت ہیں اور یہ سب شایانِ تاویل و توجیہ ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے برتن سے طہارت کی ہے۔

شیخ محمد اکرام صاحب نے اگرچہ حضرت مجدد کے اس مکتوب اور بیان کا ذکر کیا ہے اور چوں کہ ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو چکا تھا کہ حضرت مجدد ہندوؤں سے بالعموم متنفر تھے اور ان کو نجس کہتے تھے اس لئے وہ لکھتے ہیں۔ "آخیر عمر میں حضرت مجدد کے طرزِ عمل میں زیادہ ملائمت آگئی" اور چونکہ یہ مکتوب دفتر سوم کا ہے جس میں اخیر کے پانچ سال کے خطوط ہیں، اس سے ان کے خیال کو مزید تقویت مل گئی۔ اگر اس اوّل اور آخر کے نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے

کہ حضرت مجدد اوائلِ احوال میں مذہب سے اور سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ سے واقف نہ تھے، حالانکہ یہ صورت نہ تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ آپ سے کسی نے پہلے یہ سوال کیا ہی نہ تھا، جب مُلّا مقصود علی تبریزی نے آپ سے استفسار کیا، آپ نے حقیقت بیان کر دی۔ آپ کے اِس بیان سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جہاں کہیں بھی مشرکین کو آپ نے نجس قرار دیا ہے، آپ نے نجاستِ معنوی مراد لی ہے۔

انوار الحق صاحب نے صفحہ ۲۹ پر فتح کانگڑہ کے سلسلہ میں حضرت مجدد کے جس مکتوب کا خلاصہ لکھا ہے، وہ دفترِ اول کا مکتوب ۲۹۹ ہے، یہ مکتوب تیرہ سطروں کا ہے، افسوس صد افسوس کہ انوار الحق صاحب نے اس مکتوب کا خلاصہ صحیح طریقہ پر نہیں بیان کیا ہے، حضرت مجدد نے ان الفاظ سے ابتدا کی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، ہر کسے را در دل تمنائے امریست از امور و تمنائے ایں فقیر شدت نمودن است بہ دشمنانِ خدا جلّ و علا و دشمنانِ پیغمبرِ او عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ الخ

(ترجمہ) سب تعریف اللہ کو اور سلام اس کے اُن بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔ ہر شخص کے دل میں کسی امر کی تمنا ہوتی ہے اور اس فقیر کے دل میں اللہ کے دشمنوں اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کیساتھ تشدد کرنے کی تمنا ہے۔

آپ نے شیخ فرید کو مکتوب ۱۶۳ میں دشمنانِ خدا اور رسولِ خدا کے متعلق یہ لکھا ہے "کارِ ایں نابکاران استہزا و سخریت است بہ اسلام و اہلِ آں و منتظر اند اگر قابو بیابند مارا از اہلِ اسلام برآرند یا ہمہ را بہ قتل برسانند یا بہ کفر باز گردانند" الخ۔ ان نابکاروں کا کام اسلام اور اہلِ اسلام کا استہزا اور سخریہ ہے، وہ اس گھات میں ہیں کہ ان کا بس چلے اور وہ ہم کو اہلِ اسلام سے نکال دیں یا سب کو قتل کر دیں یا پھر کفر کی طرف لوٹائیں"

انوار الحق صاحب نے مکتوب کے اس ابتدائی حصہ کو جو اساسِ کلام ہے حذف کر دیا ہے لہٰذا کلامِ خاص نے عام کی شکل پیدا کر لی اور مقید قول مطلق ہو کر رہ گیا، لہٰذا انھوں نے "شیخ احمد کی سخت ہندو دشمنی" کا نظریہ قائم کر لیا، چونکہ انھوں نے رُودِ کوثر، مسلم ریوایولسٹ موومینٹس، دی انڈین مسلمز وغیرہ پر اعتماد کیا ہے لہٰذا وہی کچھ کہا ہے جو اُن کے پیشروان کہہ چکے ہیں۔ اَلْمُحَقِّقُ عَلَى الْإِطْلَاقِ علامہ کمال بن الہمام نے فتح القدیر میں کیا خوب لکھا ہے۔

كَثِيْرًا مَا يُقَلِّدُ السَّاهُوْنَ السَّاهِيْنَ "بسا اوقات سہو کرنیوالے سہو کرنیوالوں کا اتباع کرتے ہیں" میں دیکھ رہا ہوں کہ اکرام صاحب نے ایک نظریہ قائم کیا، رضوی صاحب کیلئے وہ نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی مجیب صاحب نے فوراً اسکو اپنایا اور انوار صاحب اسکے قائل ہو گئے۔ انوار الحق صاحب نے صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے "شیخ احمد کا رویہ پچھلے صوفیا کے انداز سے بالکل مختلف تھا" الخ۔

جو شخص پروفیسر مجیب اور پروفیسر حبیب کے طریقہ کا گرویدہ ہوگا، وہ یہی بات کہے گا۔ حضرت مجدد کو خلقِ خدا "مجددِ الفِ ثانی" کے خطاب سے یاد کرتی ہے۔ انوار الحق صاحب نے پروفیسران کا اتباع کرتے ہوئے حضرت کو اسمِ محض سے یاد کیا ہے، انکو پتہ ہی نہیں ہے کہ مجدد کون ہوا کرتا ہے اور اس کا کام کیا ہے لہٰذا اُن کیلئے حضرت مجدد کے رویہ میں اور دوسرے بزرگانِ دین قَدَّسَ اللّٰهُ أَسْرَارَهُمْ کے احوال و طریقوں میں جو فرق نظر آیا، حیرت و استعجاب کا سبب بنا۔ اگر وہ حقیقت سے باخبر ہوتے کہ مجدد وہ عالی قدر ہستی ہے جس کے سپرد شریعت ——

کی تجدید اور بدعات سے تطہیر کا کام ہوتا ہے تو شاید یہ عبارت نہ لکھتے۔ ایک رسالہ میں علاّمہ سیوطی نے ہر صدی کے مجدّد کا ذکر کر کے رب العزت سے دعا کی ہے کہ نویں صدی ہجری کا ان کو مجدّد بنا دے۔ یہ عالی منصب اَجلّہ علماء کو ملتا ہے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی کو یہ منصب اسی واسطے ملا ہے کہ آپ نے غلو کرنے والوں کی تحریفات کا، باطلوں کے غلط دَعاوی کا اور جاہلوں کی غلط تاویلات کا خوب ہی ردّ کیا ہے، جیسا کہ میں پہلے حصے میں "مجدّد کس کو کہتے ہیں" کے بیان میں لکھ آیا ہوں چوں کہ آپ کے زمانے میں ملحدوں، باطنیوں اور نور بخشیوں وغیرہ کے لئے طریقت اور خاص کر مسئلہ توحید وجودی، دَامَن وُتّکا بن گیا تھا اس لیے ضرورت ایسے فردِ اکمل کی تھی کہ وہ اسرارِ طریقت سے پوری طرح واقف ہو اور خود بھی صاحبِ کشف و وِجدان ہو۔ حضرت مجدّد ہی کی ذاتِ والاصفات ان دونوں اوصاف کی جامع تھی اس لئے یہ گراں بہا خدمت آپ کے سپرد ہوئی اور اللہ نے آپ سے یہ کام کرایا۔

حقیقتِ حال یہ ہے تو پھر دوسرے مشائخ کبار کے طریقے سے آپ کے طریقہ کا موازنہ کب درست ہے۔ اس حقیقت کی طرف خود حضرت مجدّد اپنے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کو ایک مکتوب میں (دفتر دوم کا چھٹا مکتوب) لکھ رہے ہیں۔

"برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند و مقصود از خلقتِ من تکمیلِ ارشادِ خلق نیست معاملۂ دیگر است و کارخانۂ دیگر"

(ترجمہ) مجھ کو پیری مریدی کے واسطے نہیں لایا گیا ہے اور نہ میری پیدائش سے مقصود تکمیلِ ارشاد ہے بلکہ دوسرا معاملہ ہے اور نیا کارخانہ"

حضرت مجدّد نے دفتر اوّل کے مکتوب ایک سو باون ۱۵۲ میں شیخ فرید بخاری کو شیخ ابو سعید ابوالخیر اور سیّد اجل کا واقعہ لکھا ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مرتبۂ کمال میں جو کہ مرتبۂ ولایت ہے حق تعالیٰ جل شانہٗ کی محبت غالب ہے۔ اور مقام تکمیل میں جہاں کہ مقام نبوت سے حصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے" مقامِ نبوت سے مراد اتباعِ "بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ" ہے، جو حکم خدا نے کیا ہے اس کو خلق تک پہنچانا۔

جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا خلاصہ اس طرح پر ہے کہ ابو سعید ابوالخیر کے پاس ایک مجذوب آئے۔ وہاں سیّد اجل بھی موجود تھے۔ ابو سعید ابوالخیر نے مجذوب کو ترجیح دی، یہ بات سیّد اجل کو ناپسند ہوئی۔ ابو سعید ابوالخیر نے سیّد اجل سے کہا۔ اس مجذوب کی تعظیم اللہ کی محبت کے سبب ہے اور تمہاری تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے باعث۔

مقامِ تکمیل نہایت بلند مقام ہے، سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اس مقام کا تعلق حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے رکھا ہے۔ ارشاد کیا ہے۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ" (ترجمہ) اقتدا اور پیروی کرو اُن دو کی جو میرے بعد ہوں گے اور وہ ابوبکر و عمر ہیں"۔ اصحابِ تکمیل میں سے حسن بصری، پیر ہرات عبداللہ انصاری، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی مشہور افراد گزرے ہیں۔ اللہ تعالٰے نے حضرت مجدد کو بھی اس جماعت میں شامل فرمایا ہے۔

انوار الحق صاحب نے صفحہ ۱۹ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے بتوں کو ہٹانے اور توڑنے کا حکم اس وقت صادر فرمایا جب کہ تمام مکہ کے عوام نے اسلام قبول کر لیا۔ الخ۔

اگر انوار الحق صاحب یہ لکھتے "جب کہ مکہ فتح کر لیا" تو صحیح ہوتا کیونکہ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف جو بت نصب تھے وہ اس وقت اوندھے اور چت گرنے شروع ہو گئے جب سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ پہنچے اور آپ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے طواف کیا۔ آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی یعنی شاخِ خرما۔ آپ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ) فرما کر چھڑی سے بت کی طرف اشارہ کرتے تھے، اگر سامنے کی طرف سے اشارہ کرتے تھے وہ چت گرتا تھا اور اگر پشت کی طرف سے اشارہ کرتے تھے وہ اوندھا گرتا تھا۔ طواف کے بعد آپ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور وہاں کی تصاویر کو مٹوایا اور پھر آپ نے اہلِ مکہ سے خطاب کیا۔ اور ان سے فرمایا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ لِلّٰهِ۔ (ترجمہ) "کچھ الزام نہیں تم پر آج، بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان، جاؤ تم سب اللہ کے آزاد کردہ ہو"۔ اس کے بعد اہلِ مکہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے، بعض افراد جیسے صَفْوَان فرزند اُمیّہ اس وقت ایمان نہیں لائے اور بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔

البتہ جب تک مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے بتوں کے ہوتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا اور وہاں نماز پڑھی۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام کی غربت اور مسلمین کی کمزوری نمایاں تھی اور فتح مکہ کے دن سے "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کا ظہور ہوا (ترجمہ) اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے"۔

انوار الحق صاحب نے احیائے اسلام کی تین تحریکوں کا ذکر کیا ہے پہلی حضرت مجدد کی تحریک، دوم سید احمد شہید کی، سوم مولانا محمد الیاس کی۔

حضرت مجدد کی تحریک میں جو بات اُن کو کھٹکی ہے اور جس کو بار بار، جا و بے جا ذکر کر رہے

ہیں "ہندوؤں کے خلاف سخت اِقدامات" ہے اور وہ ہندوؤں کے ساتھ شیعوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جو شخص صحیح واقعات کا مطالعہ نہ کرے، رسائل اور مکتوبات کو دقّتِ نظر سے نہ پڑھے، اور اس وقت کے احوال پر نظر نہ رکھے، وہ یقیناً رضوی صاحب کے مکائد اور مجیب صاحب کی غلط بیانیوں سے متاثر ہوگا اور اسی طرح کے غیر ذمّہ دارانہ اور نادرست الزامات عائد کرے گا۔ ذمّی و حربی میں تفریق نہیں کرے گا، مُتعاہد اور مُستامن کو ایک سمجھے گا۔

مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ انوار الحق صاحب اس نادرست بات کو بار بار دہرا رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ رضوی صاحب اور ان کی جماعت کی وَاوَیلا کا اثر ہو، جس کے متعلق سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے کیا خوب لکھا ہے، "وہ تو صُلح کُل کی آڑ میں اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے تھے جو خدا کرے پوری ہو گئی ہو۔"

انوار الحق صاحب کے سامنے سَرہَند اور اس کے مضافات کا علاقہ موجود ہے۔ وہ دیکھیں کہ وہ علاقہ جو اسلامی علاقہ کہلاتا تھا کس طرح اسلام اور مسلمین سے خالی ہوا، حضرت مجدّد کے زمانے میں جس فتنہ نے سر اُبھارا تھا اور نگر کوٹ وغیرہ میں عرصۂ حیات اہل اسلام پر تنگ کر رکھا تھا، اس فتنہ نے آپ کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد کس طرح سرہند کو برباد کیا، حضرت کی کتنی اولاد شہید ہوئی اور جو زندہ رہا دوسرے مقامات کو چلا گیا، اگر حضرت مجدّد کا لکھنا از روئے تعصب تھا تو یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی، دارِ اسلام دارِ کفر کیسے بن گیا۔

اللہ کے نیک بندوں کی بَصیرت بہت تیز ہوتی ہے، وہ اللہ کے نور سے معاملہ کی تہ تک پہنچتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے ہیں بہ ظاہر ان کی زبان اور قلم کام کرتا ہے لیکن درحقیقت مولیٰ جَلّ شانُہٗ ان سے یہ سب کچھ کراتا ہے، حضرت مجدّد رُوحِی فِدَاہُ کو ان کے مخالف اور ناقدین کچھ بھی کہیں، لیکن یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ وہ قَلْبًا، رُوحًا، جَسَدًا، لِسَانًا، قَلَمًا دین برحق کے عاشق وشیدا و فدائی و خادم تھے، ان کی اپنی ذات کے لئے صرف یہ خواہش تھی کہ حضرت مولیٰ ان سے راضی ہو جائے، البتہ اسلام اور اہلِ اسلام کے لئے مُدَّۃَ العمر یہ کوشش رہی کہ ان کو عزت حاصل ہو اور یہ عزت دونوں جہاں کی ہو۔

حضرت مجدد نے کسی مُستامن (غیر مسلم) یا غیر تبرّائی (شیعی) سے نفرت نہیں کی ہے اور نہ کسی کو ان سے نفرت کرنے کو لکھا ہے، جس کے دل میں کچھ بھی حقیقت پسندی اور انصاف ہے اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان   اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

تعجب ہے اس بات کو ایک غیر مسلم یُوحنّا فریڈمان سمجھ گیا اور وہ لکھ رہا ہے "یہ ایک بے دلیل

دعوی ہے“ اور انوار الحق صاحب اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اگر حضرت مجدد کو مطلقاً ہر ہندو سے نفرت ہوتی تو آپ اس کی ہدایت اپنے خلفا اور اپنی اولاد کو کرتے اور وہ سب آپ کی ہدایت پر عمل کرتے۔ نہ آپ نے اس کی ہدایت کی اور نہ ان حضرات کا اس پر عمل رہا۔ بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہزارہا ہندو آپ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ ابھی چار سال پہلے کانپور کی طرف کے ایک سادھو سَو سَوا سَو چیلوں کے ساتھ جمنا پار آ کر ٹھیرے اور میرے پاس ایک دو افراد کو بھیجا کہ ہم حضرت مرزا جانِ جانانِ مظہر قدس سرہ کے مزار شریف پر حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ دن میں جس وقت چاہیں شوق سے آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ بعد ظہر آئے اور غروب آفتاب سے کچھ پہلے تک حضرات نقشبندیہ کے معمول کے مطابق حضرت کے مزار پر انوار پر مراقب رہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان کے پانچویں مرشد حضرت مرزا جانِ جانان کے خلیفہ تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے لطائف سے ذکر اسمِ ذات کرتے ہیں اور مراقبات کا شغل رکھتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس جماعت کو اور ان کے احوال کو دیکھ کر مجھ کو حضرت مجدد کا یہ قول یاد آیا کہ ”قسمِ دُوم محبت بہ ایشاں متعلق باشد و بہ یک وجہ ایشاں را محبوب سازد“ (دفتر سوم مکتوب صدم) اور ”تواند بود کہ حقائق بعضے از کفار نحوے از معنی محبوبیت داشتہ باشند کہ باعث حصولِ جذبِ شاں شدہ باشد“ (دفتر سوم مکتوب ۱۲۱) کی کیفیات کا ظہور عیاناً ہوا۔ اگر حضرت مجدد کو تمام ہندوؤں سے نفرت ہوتی تو وہ ان کیواسطے نوعے از محبت و برخے از محبوبیت و قسمے از جذب کا بیان کیوں فرماتے۔ اور آپ کے متوسلین، ہندوؤں کو کیوں بیعت کرتے۔

انوار الحق صاحب کہتے ہیں کہ ”جُدا اور خارج از اشتراک مسلم فرقہ کا تصور شیخ احمد سرہندی نے دیا تھا“ بے شک حضرت مجدد نے پوری کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم ہونے سے بچائیں۔ آپ ہی کی مساعی کا ثمرہ ہے کہ آج اسلام اور مسلمان ہندوستان میں پہچانے جا سکتے ہیں ورنہ عوام میں ابو الفضل کا الحادِ باطنی اور بیرون میں ”بحرُ الحیات“ اور ”مجمعُ البحرین“ پر عمل ہوتا نظر آتا۔

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کے مضمون کا ذکر اسی ضمیمہ میں گزر چکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”حضرت مجدد کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملی تشخص کو اُبھارا، ہندوؤں کی تاریخ کے عمیق مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے...... بُدھ دھرم، جَین دھرم اور پارسیوں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیا تھا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رکھا، ان کی...... کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو بھی اسطرح اپنے اندر جذب کر لیا جائے، حضرت مجدد نے شعائرِ اسلامی کے سلسلہ میں انتہائی مثبت اقدام فرمایا۔ الخ۔

انوار الحق صاحب نے صفحہ ۱۳۱ میں لکھا ہے۔ ”شیخ احمد اپنے آپ کو مجدد تصور کرتے تھے“ الخ

۔ امام ربانی مجدّدِ اَلفِ ثانی کا خطاب بہ ظاہر علاّمۂ روزگار عبدالحکیم سیالکوٹی نے دیا لیکن درحقیقت یہ مولیٰ جلّ شانہٗ کا عطیہ تھا اور "اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" کا ظہور تھا (ترجمہ) جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا رحمان محبت۔" مولیٰ جلّ شانہٗ کی محبت دینی یہ ہے کہ اس مردِ مومن وصالح کی محبت نیک بندوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے چنانچہ اللہ کے نیک اور صالح بندوں نے آپ کو حضرتِ مُجدّد کہنا شروع کیا اور یہ خطاب بہ منزلۂ اسمِ مخصَّص کے ہو کر رہ گیا۔ اکثر افراد تو آپ کا نام جانتے بھی نہیں اور حضرتِ مُجدِد ہی کہتے ہیں۔

حضرتِ مجدّد نے احیائے اسلام کی جو عظیم الشان بے مثال تحریک چلائی اور حکومت کا رنگ اللہ کے فضل وکرم سے بدل دیا سزاوارِ صدِ مدحت اور مستوجبِ ہزار ستائش ہے۔

سلام از ما رسد ہر دم بہ جانش　　　الٰہی از نورِ رحمت بر روانش

میرے نزدیک حضرت مجدّد کے احیائے دین ہی کا اثر ہے کہ شیعان علی ہندوؤں میں ضم ہونے سے رہ گئے ورنہ شروعات ہو گئی تھی۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز　　　ورنہ در مجلسِ رِندان خبرے نیست کہ نیست

حضرت مجدّد کی تحریکِ احیائے اسلام حضرات فقہائے کرام وائمۂ عظام کے مسلک پر تھی، آپ نے تمام بدعات سے اور متاخرین کے اِستحسانات سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے مبارک طریقہ کی پیروی کرنے پر زور دیا ہے۔ حضرات مشائخ میں سے جس کا قول بہ ظاہر شریعتِ مُطہّرہ کے خلاف پایا اس کی تاویلِ حَسَن کی ہے۔

حضرت مجدّد کے گرویدہ اَجلّۂ علما ہوئے اور ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ نے آپ کی تعریف میں نہایت ہی خوب اور بلند پایہ بات کہی ہے۔ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤمِنٌ تَقِیٌّ وَلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا فَاجِرٌ شَقِیٌّ (مومنِ پارسا ہی آپ سے محبت اور فاجر بدبخت ہی آپ سے بُغض کرے گا) حضرت شاہ صاحب نے جو بات فرمائی روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کیوں کہ جب کوئی نیک و پارسا مومن آپ کے مکتوبات اور رسائل کو پڑھتا ہے اس کو ہر لفظ میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کی چاشنی ملتی ہے وہ جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہے اتنا ہی وارفتہ ہوتا جاتا ہے۔ اور آزاد خیال مَارِقِیْنَ عَنِ الدِّیْنِ مُرُوْقَ السَّھْمِ مِنَ الرَّمِیَّۃِ آپ کی مبارک تحریرات کا مطالعہ کر ہی نہیں سکتے اور اگر کسی سبب سے کریں بھی تو آپ کی تحریر کا ہر لفظ ان کی خواہشات کے لئے بہ منزلۂ شمشیرِ بُرّاں یا شیرِ ژیاں ان کو نظر آتا ہے، لہٰذا وہ اپنے ظنونِ فاسِدہ اور اَوہامِ کاسِدہ کو بہ روئے کار لاتے ہیں اور آپ کی مذمّت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، اور اس صورت حال کی تخصیص حضرت مجدّد ہی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ یہی ہوتا چلا آیا ہے۔

دوسری تحریک مولانا سید احمد شہید کی ہے۔ ان کے زمانے میں اسلامی سلطنت اَنفاسِ اخیرہ لے رہی تھی، اقتدار نصاریٰ کے ہاتھ میں آچکا تھا۔ ان کو اپنی تحریک چلانے کے لئے آزاد مقام کی تلاش ہوئی۔ اور اسی جدوجہد میں انھوں نے اور ان کے نیک نہاد رفقا نے اپنی جانیں مولیٰ جلّ شانہٗ کی راہ میں نذر کردیں۔

متاعے بود جان، شد نذرِ جاناں　　دلم زیں بیش سامانے نہ دارد

اس تحریک میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک کا کچھ اثر آگیا، بنا بریں اس تحریک نے کچھ صورت افراط پیدا کرلی اور ہندوستان میں "وہابیت" کا اثر و نفوذ ہوا۔

ہندوستان زرخیز خطہ ہے۔ نہ صرف زراعت ہی کے لئے بلکہ مناہج فکری کیلئے بھی نور جہاں آئیں، تشیع ساتھ لے آئیں، سید احمد شہید وہابیت کے آثار چھوڑ گئے۔ انگریزوں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا اور انھوں نے نبوت کے لئے دروازے کھلوا دیئے، اور مسلمان فِرَق و اَحزاب میں بٹتے چلے گئے۔ اور چلے جائیں گے، کیونکہ جب دَورِ زوال آتا ہے ہر کام میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔

تیسری تحریک مولانا محمد الیاس کی ہے۔ ان کی تحریک انگریزوں کی غلامی کے دَور میں ہوئی حدیث صحیح ہے۔ "تم میں سے کوئی کسی منکر کو دیکھے تو پوری قوت سے اس کو مٹائے۔ اگر قوت استعمال نہیں کرسکتا تو اپنی زبان سے کام لے اور اگر زبان بھی نہیں ہلا سکتا تو دل سے متنفر ہو" مولانا محمد الیاسؒ نے دیکھ لیا کہ نہ ہاتھ ہلانے کا موقع ہے نہ زبان کا۔ لہٰذا کام اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ کسی کا نہ جواب دیا جائے نہ اس سے اُلجھا جائے۔ صرف اپنے برادرانِ اسلام کو، قادیانیوں، پادریوں، شدھیوں اور بے دینوں سے بچایا جائے۔ برادرانِ ملت میں سے جو بھٹک گئے تھے ان کو راہِ ہدٰی پر لانے کی کوشش کی اور بالکل خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے۔

بہرحال حضرت مجدد کی تحریکِ اصلاح ہو یا مولانا سید احمد شہید کی یا مولانا محمد الیاس کی یہ تینوں تحریکیں اسلامی اور مذہبی تحریکیں ہیں۔ تینوں مخلص تھے، تینوں کا مطمحِ نظر اسلام کی خدمت تھا تینوں نے احوال کو دیکھ کر جدوجہد کی، اُن کو اُن کی جدوجہد کا اَجر ربُّ العزت دے گا۔ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ وَرَضِیَ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

جمعہ ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کی غلامی سے ہندوستان آزاد ہوا اور یہاں غیر مذہبی (سیکولر) حکومت قائم ہوئی۔ غیر مسلم فرقوں نے اس آزادی سے فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے اپنے مذاہب کو تقویت دینے کے اسباب پیدا کئے اور دُنیوی میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے آزادی کا یہ مفہوم سمجھا کہ ہر شے بے قیدی ہوگئی ہے، جو جس کا دل چاہے کرے اور جو جس کے منہ میں آئے کہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے

کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔

ترمذی نے ایک مبارک حدیث آخر زمانہ کی حالت کے بیان میں روایت کی ہے، اس کا آخری حصہ اس طرح ہے۔ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰی اُولٰٓئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ[لہ] (ترجمہ) مولیٰ جلّ شانہٗ، فرماتا ہے۔ میں ان ہی میں سے ان پر ایسے فتنے برپا کروں گا جو مردِ دانا و حازِم کو حیرت میں ڈالدینگے۔" میں اس دور کی حالت اس حدیث شریف کے مطابق پا رہا ہوں۔ دیکھتا تھا کہ غیرمسلم اسلام پر اور مسلمانوں پر اعتراضات کرتے تھے اور اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ کسی مسلم کو غلط راہ پر لگائیں۔ اب یہ کام وہ افراد کر رہے ہیں جو اپنے کو مسلمانوں کا ہمدرد سمجھ رہے ہیں۔ میں ان کی خرافات اور کذب بیانیاں پڑھ کر حیران ہوتا ہوں کہ کیا ایک مُسْلِم اپنے مذہب برحق اور اپنے مخلص ائمہ اور بزرگوں کی تنقیص اس طرح کر سکتا ہے۔ ہاں۔ تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِی السُّفُنُ۔ اللہ تعالیٰ اس فتنۂ عمیاء سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

ایمان بہ سلامت چو لبِ گور بریم   اَحسنت بریں چستی و چالاکیِ ما

حافظ شیراز رحمہ اللہ و رضی عنہ کیا خوب کہتے ہیں۔

عیبِ رِندان مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت   کہ گناہِ دِگرے بر تو نہ خواہند نوشت
من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش   ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت
بر عمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روزِ ازل   تو چہ دانی قلمِ صُنع بہ نامت چہ نوشت

وَصَلَّی اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ

[لہ] مشکات، باب الریاء والسمعۃ فصل دوم از ابوہریرہ۔ حدیث کی ابتدا۔ یخرج فی آخر الزمان رجال۔

دوسرا ضمیمہ

میرے پاس برادرِ طریقت مولوی محمد نعیم اللہ خیالی سَلَّمَہُ اللّٰہُ وَحَفِظَہُ کا مکتوب بہرائچ سے آیا۔ انھوں نے مولانا مہر محمد خان شہاب مالیرکوٹلوی کے مضمون کا کچھ حصہ نقل کرکے ارسال کیا ہے، جس کا تعلق سُلطانُ الاَولیا حضرتِ شیخ محمد سیفُ الدین فرزندِ حضرتِ خواجہ محمد معصوم فرزند حضرتِ امام ربّانی مُجدّد و مُنوّرِ الفِ ثانی قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُم وَاَفَاضَ عَلَی العَالَمِیْنَ مِنْ بَرَکَاتِہِمْ وَ اَسْرَارِہِم سے ہے میں پہلے اس مضمون کو نقل کرتا ہوں اور پھر حقیقت کا اظہار کروں گا۔

مولانا شہاب کا بیان | حضرت شیخ احمد سرہندی "پابندِ شرع" جہانگیری دربار میں بلائے گئے، آپ نے نام نہاد جہانگیر کو نہ سجدۂ عبودیت کیا، نہ سجدۂ تعظیمی، پاداش میں گوالیار کے قلعہ میں نظر بند رکھے گئے، کچھ عرصہ بعد قلعہ سے نکال کر شاہی لشکر میں ٹھیرایا گیا۔ آخر وہاں سے رخصت ملی اور کچھ نقد و قوم بہ عنوانہائے مختلف دی گئیں، جنھیں اللہ کے فقیر نے قبول کرلیا۔

حضرت موصوف کے اس زمانے کے مکاتیب پڑھنے کی چیز ہیں، مگر جب آپ کی جانشینی خاندانی اور موروثی ہوگئی تو حضرت موصوف کے جانشین خواجہ محمد معصوم کی وفات پر اُن کے وارثوں میں سے ہر ایک دعویدار تھا کہ قیّوم میں ہوں اور دنیا میرے سر پر قائم ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے بیٹے سیف الدین کو اورنگ زیب کے پاس اَمر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر کے لئے بھیجا تھا، لیکن وہ جس شان سے رہتے تھے اس کا بیان کسی غیر سے نہیں ایک معتقد کی زبان سے سنئے۔

حضرت شیخ (سیف الدین) صاحب کے لئے سرہند میں دیبا کا خیمہ جواہرات اور مروارید سے ٹکا ہوا نصب ہوتا، جس کی چوبوں پر یاقوت جڑے ہوتے تھے، اس کے اندر ایک جڑاؤ کرسی رکھی جاتی جس پر آنجناب جلوہ افروز ہوتے اور جس کے گرداگرد نقیب اور چوبدار ہاتھوں میں سنہری اور روپہلی عصا لئے ہوئے کھڑے ہوتے۔ بادشاہ، شاہزادے اور اُمرا حاضر خدمت ہوکر کھڑے رہتے۔ جب تک حکم نہ ہوتا نہ بیٹھتے۔ (محولۂ رود کوثر بہ حوالۂ روضۂ قیومیہ)

یہ شان اورنگ زیب کے زمانے کی مجددی سجادہ نشین پابندِ شرع ہی نہیں مُعلّمِ شرع مستجابُ الدّعوات بزرگوار کی تھی۔" (مولانا شہاب کا بیان تمام ہوا)

نہ رفیقے نہ مونسے نہ ہمدمے دارم　　حدیثِ دل بہ کہ گویم عجب غمے دارم
رَبُّنَا اللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ

مولانا شہاب نے جو کچھ لکھا ہے اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ان تحریرات وتالیفات کی بنا پر لکھا ہے جو ان کی نظر سے گزری ہیں اور یہ بھی غلط نہیں کہ ان نوشتہا نے ان پر اثر ڈالا ہے لہٰذا جہاں بھی ان کو موقع ملا اپنے خیال کو بھی اسی انداز میں پیش کر دیا۔

رَوْضۂ قیّومیہ

اگر جناب شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے گروہ باطن سقیم کی اَباطیل کو لکھ کر حضرت مجدّد کو مطعون کیا ہے اسی طرح جناب ابوالفیض کمال الدین محمد احسان فرزندِ حَسَن احمد فرزندِ محمد ہادی فَرزَندِ عُبَیدُاللہ فَرزَندِ محمد معصوم فرزند حضرت مجدّد قدس اللہ اسرارہم نے خُزَعبلات[1] کا مجموعہ مرتّب کر کے ”رَوضۂ قیّومیہ“ کے نام سے موسوم کیا جس کی وجہ سے حضرتِ مجدّدِ اور آپ کی مبارک اولاد موردِ ملامت بنی۔ جناب شیخ اپنی سادگی کی وجہ سے گروہِ باطن سقیم کے دامِ تزویر میں اُلجھے اور جناب محمد احسان اِفراطِ محبت کا شکار ہوئے۔ وہ حضرت محمد زبیر فرزندِ شیخ ابوالعُلیٰ فرزندِ حضرت محمد نقشبند حجۃ اللہ فرزندِ حضرت محمد معصوم سے بیعت تھے۔ حضرت محمد زبیر اپنے دادا کے خلیفہ تھے اور ان کی وفات ۱۱۵۲ھ چار ذیقعدہ کو ہوئی۔ محمد احسان کو اُن سے حقیقی معنی میں عشق تھا ان کے دِماغ میں یہ خَبط سَمایا تھا کہ ان کے پیر اور پیر کے پیر اپنے اپنے وقت کے قیّوم تھے اور قیّومیّت کا عہدہ ان کے پیر پر ختم ہو گیا ہے۔ اب کوئی قیّوم قیامت تک نہ ہوگا۔ انھوں نے اپنے پیر اور اپنے دادا پیر کی قیّومیّت کے اثبات کے سلسلہ میں بہت کچھ رطب ویابس لکھ کر فرزندانِ حضرت محمد معصوم کو موردِ ملامت بنا دیا ہے۔

قیومیّت کے سلسلہ میں کوئی بحث پاکستان میں چلی تھی۔ مجھ سے ڈاکٹر غلام مصطفی خان (صدرِ شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد) نے کچھ دریافت کیا تھا۔ میں نے ۱۸ دسمبر ۱۹۶۴ء کو ایک طویل مکتوب ان کو ارسال کیا تھا۔ انھوں نے اس مکتوب کو اپنے رسالہ کے ساتھ، جس کا نام ”حضرت مجدّد الف ثانی۔ ایک تحقیقی جائزہ“ ہے ۱۹۶۵ء میں چھاپ دیا۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے رُودِ کوثر کے پانچویں اڈیشن کے صفحہ ۲۹۹ میں ”استدراک“ کی سرخی لکھ کر قیومیّت کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے اس میں میرے مکتوب کا کچھ حصّہ نقل کیا ہے۔ میں اپنے مکتوب کے اُس حصّہ کو نقل کرتا ہوں جو صفحہ ۳۰۱ پر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

”مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب رَوضۂ قیومیہ کا ذکر کر دیا جائے، کیونکہ قیومیّت کے سلسلہ میں بعض افراد اس کتاب کی عبارت سے متحیر رہ گئے ہیں اور ان کا متحیر ہونا اپنی جگہ صحیح ہے، یہ کتاب جناب محمد احسان مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، یہ حضرت خواجہ محمد زبیر کے خلیفہ تھے اور وہ اپنے دادا حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ کے اور وہ اپنے پدرِ بزرگوار خواجہ محمد معصوم

---

[1] خُزَعبلات کے معنی احادیثِ مُستَطرفہ باطلہ یعنی خوش کُن باطل باتیں جن کی کوئی اَساس نہ ہو۔

کے قدس اللہ اسرارہم۔ ان کو اپنے پیرومرشد سے کامل عقیدت تھی۔ دقائقِ علمیہ سے پوری طرح باخبر نہ تھے، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں قدس اللہ سرہ نے ان کو ایک خط لکھا ہے، تحریر فرماتے ہیں، آنچہ از احوال شہود نوشتہ اند کہ ہر ذرہ ظہور ذات اللہ تعالیٰ وتقدس معلوم می شود وایں را توحید متعارف دانستہ اند غلط است۔" روضۂ قیومیہ میں بھی ان سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ بعض واقعات بھی صرف از وجہ سماع قلمبند کر دیئے ہیں حالانکہ وہ صحیح نہیں ہیں، بنا بریں حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ قیومیت کے سلسلہ میں ان کا مسلک جادۂ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔"

اگر قیومیت کے سلسلہ میں محمد احسان نے رطب ویابس جمع کیا ہے حضرت محمد سیف الدین کے متعلق بھی تخیلات ہ۔ موعہ فراہم کرلیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت محمد معصوم کی اولاد میں حضرت محمد سیف الدین کی نرالی شان تھی، اپنے والد بزرگوار کی حیات میں آپ کا دائرۂ ارشاد بہت زیادہ وسیع ہوگیا تھا، آپ کے برادرانِ کلاں میں سے کسی نے فرمایا ہے اگر برادرم محمد سیف کی عمر کچھ زیادہ ہوتی، مشیخت انہی کی ہوکر رہ جاتی۔ اور دوسرے برادرِ کلاں نے فرمایا ہے ہمارے بھائی محمد سیف الدین ہمارا شرف ہیں۔ چوں کہ بادشاہ وشاہزادے اور امرا آپ سے بیعت تھے اس لئے خیمۂ دیبا اور جڑاؤ کرسی وغیرہ کا قصہ آپ کے احوال میں لکھ دیا گیا ہے۔

رودِ کوثر کے مطالعہ سے مجھ کو پروفیسر محمد فرمان کی کتاب "حیاتِ مجدد" کا پتہ چلا جو کہ ۱۹۵۸ء میں چھپی ہے لہٰذا میں نے اس کتاب کا بھی مطالعہ کیا اور یہ دیکھ کر دل خوش ہوا کہ پروفیسر محمد فرمان نے تذکرہ نویسی کا پورا حق ادا کیا ہے جو کچھ لکھا ہے از روئے تحقیق لکھا ہے۔ جن کتابوں سے انھوں نے استفادہ کیا ہے ان کا ذکر آخر میں کیا ہے، روضۂ قیومیہ کا ذکر سب سے آخر میں ہے وہ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں۔

"روضۂ قیومیہ خواجہ کمال الدین صاحب کی تالیف ہے، اس کے چار رکن ہیں یا حصے ہیں، پہلے حصے میں حضرت مجدد الفِ ثانی اور ان کے فرزندوں اور خلفا کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، دوسرے میں خواجہ محمد معصوم کے حالات اور اُن کے فرزندوں اور خلفا کا ذکرِ خیر موجود ہے، تیسرے ہیں حضرت خواجہ محمد (نقشبند) کے، ان کے فرزندوں اور خلفا کے حالات ہیں، چوتھے حصے میں خواجہ محمد زبیر کے، ان کے فرزندوں اور خلفا کے حالات ہیں۔

اس کتاب میں مکاشفات، کرامات اور قیومیت پر بڑا زور دیا گیا ہے، عقیدت کی فراوانی اور مبالغہ آرائی کی بدولت یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ہوسکتی اور ہم نے اس کتاب سے حتی الامکان بہت کم استفادہ کیا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ اسی کتاب پر حضرت مجدد الفِ ثانی

کے اکثر سوانح نگاروں نے انحصار کیا ہے اور ان کے مسلکِ تصوّف کے بارے میں جتنی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان سب کی بقا کا انحصار اسی کتاب پر ہے، مؤلف کے خلوص پر کسی قسم کا شبہہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس خلوص نے غلو اختیار کر کے تصوّف کی خدمت سے کہیں زیادہ اسے نقصان پہنچایا ہے، نقشبندی حضرات کے ہاں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس بیان سے انہیں ایک طرح کی ذہنی کوفت ہوگی لیکن ہم اس تنقید پر مجبور ہیں اور یہ تنقید حضرت مجدد کی تعلیمات سے محبّت کی بنا پر ہے کیوں کہ ان کے نزدیک کرامت اور کشف کی وہ حیثیت نہیں ہے جو مؤلف مذکور نے قائم کر رکھی ہے اور تمام کتاب کرامات ہی کے ذکر تک محدود ہو کے رہ گئی ہے اور تاریخی واقعات کی چھان بین میں مطلق توجہ نہیں دی گئی ہے۔"

پروفیسر محمد فرمان نے بہت صحیح لکھا ہے کہ حضرت مجدّد کے اکثر سوانح نگاروں نے اسی کتاب پر انحصار کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ فضل الدین ککے زئی تاجر قومی کتب خانہ لاہور نے ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں اس کتاب کا اردو ترجمہ چھاپ دیا، اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو عوام کو پسند ہے لہٰذا تھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت ہوگئی اور اردو زبان میں سوانح نگاروں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ کون "زبدۃ المقامات" کو دیکھے یا "حضرات القدس" اور "مقامات معصومی" وغیرہما کی تلاش کرے۔

حرفِ دل ۔ مجھکو ایک مدّت سے حضرت مجدّد کے حالات اور سوانح پڑھنے کا شوق ہے چنانچہ اردو کی درج ذیل کتابیں مطالعہ کیں۔

۱ ۔ حالات مشائخ نقشبندیہ از مولانا محمد حسن کرتپوری،
۲ ۔ مقامات امام ربّانی از مولانا محمد حسن کرتپوری،
۳ ۔ مجدّد الفِ ثانی کے حالات از مولانا ابوالفضل محمد احسان عبّاسی گورکھپوری۔
۴۔ جواہر مجدّدیہ از مولانا احمد حسین خان امروہوی۔
۵۔ سیرت امام ربّانی از مولانا ابوالبیان محمد داؤد پسروری امرتسری۔
۶۔ مجدّد اعظم از جناب محمد علیم۔
۷۔ خم خانۂ تصوّف از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب۔
۸۔ تذکرۂ مجدّد الف ثانی از مولانا محمد منظور نعمانی۔
۹۔ رودِ کوثر، پانچواں اڈیشن از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔
۱۰۔ حیاتِ مجدّد از پروفیسر محمد فرمان۔

ان کے علاوہ بعض رسائل اور تذکرے بھی نظر سے گذرے۔ ان سب میں رودِ کوثر پہلی

کتاب ہے جو دورِ جدید کے طرزِ تحریر پر لکھی گئی ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے اس کتاب میں حضرت مجدد پر کچھ تنقید بھی کی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ انھوں نے رَوضۃ قیّومیہ کا نظرِ غائر سے مطالعہ کیا ہے اور پھر انھوں نے دوسرے تذکرہ نگاروں کو دیکھا ہے کہ ان کا بڑا ماخذ یہی کتاب رہی ہے۔ اور یہ کتاب بے سر و پا باتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس لئے شیخ صاحب کی تنقید جادۂ صواب سے ہٹ گئی ہے۔ اس کا احساس سب سے پہلے (غالباً) پروفیسر محمد فرمان صاحب کو ہوا اور اس سلسلہ میں انھوں نے "حیاتِ مجدّد" لکھی، حیاتِ مجدد کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اچھی طرح حضرت مجدد کے حالات اور آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے اور بہت کام کی باتیں ان کو دستیاب ہوئی ہیں۔ میری نظر میں رُودِ کوثر کا مطالعہ کرنے والے کیلئے حیاتِ مجدد کا پڑھنا نہایت ضروری ہے، حیاتِ مجدد کی مثال "تعقّبات" کی سی ہے، جو امام ذہبی نے حاکم کی "مستدرک" پر لکھی ہے۔ اگر حیاتِ مجدد بہ طورِ ضمیمہ رُودِ کوثر کے ساتھ چھپے تو بہت بہتر ہو جس طرح تعقّبات کو مستدرک کے ساتھ طبع کر دیا گیا ہے۔

رُودِ کوثر کے متعلق پروفیسر محمد فرمان صاحب لکھتے ہیں۔

"حضرت مجدد کی زندگی کے اس سرسری خاکے کے بعد ہم دورِ جدید کے ایک مشہور اور بالغ نظر مورخ شیخ محمد اکرام کی کتاب رودِ کوثر کو اپنے سامنے رکھ کر جناب مجدد کی زندگی کے اہم واقعات پر دقّتِ نظر سے بحث کریں گے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شیخ محمد اکرام نے رودِ کوثر میں حضرت مجدد کے افکار اور طرزِ عمل پر سوانح کے جدید رجحانات کی روشنی میں تنقید کی ہے جو ہمیں محض اس لئے ناگوار نہیں ہے کہ حضرت مجدد سے ہماری عقیدت کو ٹھیس لگتی ہے بلکہ جناب اکرام کی تنقید پر منصفانہ نظر ڈالنا اس لئے بھی لازمی ہو گیا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اس کتاب کو زیادہ پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ہمیں اس امر کا مکمل احساس ہے کہ حضرت مجدد کی دوسری سوانح عمریاں عقیدت کی فراوانی اور مبالغے کی ارزانی کی بہ دولت جدید ذہنوں کے لئے قابلِ توجہ نہیں ہیں۔ ان حالات میں اگر شیخ اکرام کے بیان کی صحیح صورت واضح ہو جائے تو اس سے دوگونہ فائدے کا امکان ہے، ایک تو جدید مزاج کے لئے ایک طرح کی صحیح معلومات پیش ہو جائیں گی اور دوسرا قدیم رجحانات رکھنے والے حضرات کے لئے ایک متوسط راستہ متعین ہونے کا امکان روشن ہو جائے گا۔ ہم اپنے اس مقصد کے لئے صرف حضرت مجدد کے مکتوبات اور ان کی معاصرانہ سوانح عمریوں سے مدد لیں گے۔" لہ

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے رودِ کوثر کی ان عبارتوں کی طرف شیخ صاحب کو متوجہ کیا

لہ حیاتِ مجدد صفحہ ۸

ہے جو ان کی نظر میں اصلاح طلب ہیں اور سب سے پہلے ملحدانہ رباعی کا ذکر کیا ہے پھر شیخ صاحب کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ "آپ نے (حضرت مجددؒ نے) ایک رباعی لکھی تو مرشد نے فوراً انھیں ٹوکا اور ایک خط میں سختی سے ان پر سرزنش کی" اس عبارت کو نقل کر کے پروفیسر صاحب نے لکھا ہے۔ "شیخ صاحب کے بیان میں "سرزنش" کے لفظ پر ہمیں اعتراض ہے۔" [1]

شیخ محمد اکرام کو اللہ تعالیٰ اجر دے کہ انھوں نے رودِ کوثر کے پانچویں اڈیشن میں سرزنش کے لفظ کو بدل کر تنبیہ کر دیا ہے، پروفیسر فرمان صاحب نے لفظی قباحت کا ذکر کیا اور اس کا ازالہ ہو گیا اگر وہ اس معنوی قباحت کا بھی ذکر کر دیتے جو مجھ کو کھٹک رہی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کا بھی ازالہ ہو جاتا۔

معنوی قباحت کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ رباعی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ کی تنبیہ کا واقعہ اس وقت سے تعلق رکھتا ہے جب کہ حضرت مجددؒ مقامِ قلب میں تھے۔ اور وحدۃ الوجود کا آپ پر غلبہ تھا اور جب آپ درجۂ کمال و تکمیل کو پہنچے اور پھر آپ کو خلافتِ عظمیٰ ملی تو حضرت خواجہ نے آپ کو وہ مبارک مکتوب لکھا ہے جس کو خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کی فصل سوم میں حضرت خواجہ کی دستی تحریر سے نقل کیا ہے اور میں "وصول بہ کعبۃ الآمال" کے بیان میں اس کو لکھ چکا ہوں۔

کیا ابتدائی یا ثانوی تعلیم کے زمانے میں طالب علم سے غلطی نہیں ہوتی ہے اور کیا مشفق استاد اس کی اصلاح نہیں کیا کرتا۔ اور جب طالب علم قسمِ عالی میں (کالج میں) سب سے اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہو جائے اور پھر وہ قسم تخصص (پی۔ ایچ۔ ڈی) میں تمام ملک میں اعلیٰ تر کامیابی حاصل کر لے، ایسی کامیابی جو مثالی بن جائے (ریکارڈ ہو جائے) اور پھر وہ شعبۂ تعلیم کا صدرِ اعظم ہو جائے تو کیا اب ایسے یگانۂ روزگار کے حالات بیان کرتے وقت اس ابتدائی غلطی کا تذکرہ کیا جائے گا، یا اس کی بے مثال کامیابی اور اس کرامت نامے کا ذکر کیا جائے گا جو کہ آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو لکھا ہے اور اُس سے آپ کے ظرفِ عالی کا کچھ پتا چلتا ہے، افسوس کہ شیخ محمد اکرام نے پہلی صورت اختیار کی ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ روضۂ قیومیہ کے مطالعہ کا ردِ عمل ہے۔ روضۂ قیومیہ کے مصنف نے افراط و غلو کر کے حضرت مجددؒ کو موردِ الزام بنایا اور شیخ محمد اکرام نے تفریط کر کے پروفیسر ایم مجیب اور اَطہر عبّاس رضوی جیسے افراد کے واسطے راہِ طعن و ملامت ہموار کر دی۔

شیخ محمد اکرام نے رُودِ کوثر کے صفحہ ۲۹۲ میں لکھا ہے۔ "ان کے (حضرت مجددؒ کے) معترضوں میں شیخ عبدالحق محدث جیسے فاضل اور دیندار بزرگ تھے۔" بے شک حضرت شیخ معترض تھے اور ان کے

---

[1] حیات مجدد صفحہ ۹۔

مکتوب کو آج کل خوب ہوا دی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں میں بہت کچھ "شیخ عبد الحق کا اختلاف۔ و۔ مکتوب شیخ۔ و۔ مکتوب کا کچھ بیان" میں لکھ چکا ہوں۔ دشمنوں نے جناب شیخ سے کچھ لکھوالیا۔ بعد میں خود جناب شیخ کو اس کا افسوس ہوا لیکن حضرتؒ پر ردّ و قدح کرنے والے اب تک اسی مکتوب کو اُچھال رہے ہیں۔ اتنا نہیں کر سکتے کہ اس میں تحریر کردہ الزامات کو حضرت مجدّد کے مکاتیب سے ثابت کر دیں۔ کیا یہی راہِ انصاف ہے۔ گر سنگ ازیں حدیث بنالد عجب مدار۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا۔

نظرے بر کلام مولانا شہاب

مولانا شہاب نے لکھا ہے۔

"کچھ رقوم بہ عنوانہائے مختلف دی گئیں، جنھیں اللہ کے فقیر نے قبول کر لیا۔"

سیّد علی اکبر حسینی اردستانی کی کتاب "مجمع الاولیا" کی عبارت "گرفتاری اور اس کا مآل" کے تحت لکھ چکا ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے فقیر نے ان رقوم کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا۔

"مدارِ کارِ فقرائے باب اللہ بر توکّل است۔"

اور لکھا ہے۔ "جب آپ کی جانشینی خاندانی اور موروثی ہو گئی۔"

جناب من۔ یہ بات تو اس وقت کہی جاتی جب کہ یہ حضرات اپنے بلند مرتبہ مریدوں کو خلافت نہ دیتے اور معاملۂ ارشاد کا تعلق صرف اپنی اولاد سے وابستہ رکھتے لیکن ان حضرات نے تو یہ نہیں کیا ہے ان بزرگواروں نے سینکڑوں چراغ جلائے ہیں، دور دراز علاقوں کو روشن کیا ہے اور بے حساب دلوں پر اللہ تعالیٰ کے نام کا نقش لگا کر اسی وحدہٗ لاشریک کا عاشق و شیدا بنایا ہے۔

زِ نورَش قلبہا چو لانگۂ برق دلِ ہر ذرّہ در جوشِ انا الشرق

حضرت حمید نے بنگال میں شمعِ معرفت روشن کی، حضرت ہاشم نے برہانپور میں، حضرت سیّد آدم نے بنور میں، اور اُن پر خلقِ خدا کا اتنا ہجوم ہوا کہ بادشاہ کو اپنی سلطنت کی فکر ہو گئی اور آپ کو مدینۂ منوّرہ ہجرت کرنی پڑی، چنانچہ اسی پاک دیار میں راحت کی نیند سو رہے ہیں، میرے حضرت والد ماجد کے خلیفہ مولوی عبد العزیز نے گونا کرکائی، ضلع کھولنا بنگال میں خانقاہ بنائی اور ہزاروں دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کی۔

دلی سے اٹھا ابر تو بنگال میں برسا سونے پہ سہاگے کا اثر دیکھ رہا ہوں

اور حضرت سیدی الوالد کے ایک دوسرے خلیفہ استاذی مولانا مولوی محمد عمر نے گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں شمعِ ہدایت روشن کی، کتنی ہی نورانی مشعلیں بلوچستان اور افغانستان کی گھاٹیوں میں روشن ہیں، ہزاروں افراد۔ "در جوشِ انا الشرق" کا سماں پیدا کیے ہوئے ہیں۔ کیا اسی کا نام

خاندانیت اور موروثیت ہے۔

لکھا ہے۔ "قیوم میں ہوں اور دنیا میرے سر پر قائم ہے" قیوم کا بیان پہلے حصے میں "اولیائے حق" کی بحث میں گزر چکا ہے اور صحیح مسلم کی دو حدیثیں "تبصرہ بر کتاب جناب مجیب" کے آخر میں لکھ چکا ہوں۔ ملاحظہ کر لیں۔ دنیا تو ہر بندۂ مومنِ تقی کے سر پر قائم ہے۔ اگر بہ قول مولانا شہاب کے حضرت محمد معصوم کے وارثوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ میں قیوم ہوں اور دنیا میرے سر پر قائم ہے تو کیا غلط ہے۔ کیا صحیح مسلم کی حدیث سے ان کے دعوے کی تصدیق نہیں ہوتی ہے مع ہذا حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہوں۔

برکات معصومیہ کے صفحہ ۲۱۷ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ سیف الدین فرمایا کرتے تھے کہ قبلہ گاہی حضرت محمد معصوم کے مکتوبات موجود ہیں ان کو بہ نظرِ انصاف دیکھو کہ صریح عبارت سے کس کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور کس کے قرب و منزلت کا پتہ چل رہا ہے۔ اس سلسلہ میں شاہدِ عدل حضرت ہی کے مکتوبات ہیں۔ "و مردم در قیل و قالِ قیومیت" لوگ قیومت کے قصے چھیڑ رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ لوگوں کی قیل و قال کی وجہ سے اللہ کے اولیاء پر طعن و تشنیع کی جا رہی ہے ع خود سوئے ما نہ دید و خیارا بہانہ ساخت۔

لکھا ہے "اپنے بیٹے سیف الدین کو اورنگ زیب کے پاس.... بھیجا"

حضرت محمد معصوم کے چھ صاحبزادے تھے، صبغۃ اللہ، محمد نقشبند حجۃ اللہ، عبید اللہ مروج الشریعۃ، محمد اشرف، محمد سیف الدین محتسب الامۃ، محمد صدیق۔ حضرت سیدی الوالد قدس سرہ نے فرمایا ہے

حضرتِ خواجہ محمد معصوم آپ کی اولادِ مبارک قیوم

شیخ صفر احمد فرزندِ فضل اللہ فرزندِ عبد القادر فرزندِ محمد امین فرزندِ عبد الرزاق فرزندِ مخدوم عبد الاحد نے "برکات معصومی" لکھی ہے۔ یہ حضرت سیف الدین کے بھانجے اور ان کے والد حضرت محمد معصوم کے بھانجے تھے۔ ان کی کتاب مستند ہے میں اس کتاب سے اور خود حضرت سیف الدین کے مکتوبات سے جو اُن کے فرزندِ اکبر حضرت محمد اعظم نے جمع کیے ہیں حضرت سیف الدین کا مختصر حال لکھتا ہوں۔

مختصر حال حضرت محمد سیف الدین

قطب العارفین واصل مرتبۂ حق الیقین سلطان الاولیا حضرت شیخ محمد سیف الدین کی ولادت باسعادت سنہ ۱۰۴۹ھ میں سرہند میں ہوئی، آپ کے عمِ محترم حضرت محمد سعید نے کسی فرشتہ کو یہ آیت پڑھتے سنا۔ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔ (ترجمہ) سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن کھڑا ہو جی کر"

گل از خود رفت و سرو از جا شد و قمری بہ جوش آمد تو کردی در چمن تا جلوہ یک ہنگامہ برپا شد

تھوڑی مدت میں قرآن مجید پڑھ کر کتبِ متداولہ کی طرف رجوع کیا اور طفولیت سے معاملۂ حال میں مشغول ہوئے۔ آپ گیارہ سال کے تھے کہ آپ کے حضرتِ والد نے آپ کو فنائے قلب اور ولایتِ صغریٰ کی بشارت دی اور قبل از ایامِ بلوغت فنائے نفس اور ولایتِ کبریٰ کی بشارت سے مفتخر ہوئے اور عنفوانِ شباب میں مرتبۂ کمال کو پہنچ کر مقبول مولائے ذوالجلال ہوئے اور اپنے والد بزرگوار کی حیات میں صاحبِ ارشاد ہو کر بدعات کے دور کرنے اور ترویجِ شریعت میں مصروف ہو گئے ایک دن اپنی ہمشیرہ (والدۂ مؤلف کتاب) سے ملنے تشریف لائے اس وقت میری عمر (صفر احمد کی) دس سال کی تھی۔ اتفاقاً اَصحابِ دولت کی بات ہوئی۔ آپ کے چہرہ پر آثارِ انقباض پیدا ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ اہلِ دنیا کی صحبت سے نفس خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحبت سے ہم کو دور رکھے۔

آپ کے حضرت والد نے بادشاہِ خُلد مکان (سلطان اورنگ زیب عالمگیر) کے اِلحاح وطلب پر آپ کو دہلی بھیجا۔ جب قلعہ میں تشریف لیجانے لگے تو دروازے کے دونوں جانب دو مصنوعی ہاتھی کھڑے ملے آپ کے ارشاد پر وہ منہدم کرائے گئے۔ آپ کے امر معروف ونہی منکر سے بادشاہ خوش ہوئے اور اس سلسلہ میں آپ کے حضرت والد کو مکتوب ارسال کیا اور انھوں نے بادشاہ کو جواب ارسال کیا جو کہ ان کے مکتوبات کے تیسرے حصّے میں ہے۔[1]

آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد اعظم نے آپ کے مکاتیب کو جمع کیا ہے۔ مکتوب نمبر ۸۳ صوفی سعد اللہ افغانی کے نام ہے۔ اس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

لہُ الحمدُ علیٰ نعمائِہٖ، کمالات دستگاہ، معارف آگاہ، صوفی سعد اللہ به اعلیٰ مراتب کمال وتکمیل برسند، مخفی نہ ماند کہ بادشاہ بہ دخول طریقۂ علیہ مشرف گشتہ بسیار متاثر گشت، سہ صحبت با حضرت ایشان داشت، چون شاہِ جہاں وفات یافت بہ جہت ضرور متوجہ اکبرآباد گشت،[2]

بادشاہ طریقۂ عالیہ میں داخل ہو کر بہت متاثر ہوئے ہیں۔ ان سے تین مرتبہ صحبت رہی، چونکہ شاہجہاں کی وفات واقع ہو گئی بنابریں وہ آگرے کو روانہ ہو گئے"

(شاہجہاں نے) خود کلمہ شہادت پڑھا اور آیت رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھ کر شب دوشنبہ ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ کو انتقال فرمایا"،[3] رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ وَغَفَرَلَہٗ۔

زندگی بہرِ دیدنِ یار است   یار چوں نیست زندگی عار است

اس حساب سے جب آپ دہلی تشریف لے گئے اور بادشاہ عالمگیر، شاہزادگان محمد اعظم

---

[1] برکاتِ معصومی صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۴۔ [2] مکتوباتِ سیفی صفحہ ۸۶، ۸۷۔ [3] تاریخ ہندوستان جلد ہفتم صفحہ ۵۲۴

و محمد معظم، شاہزادی روشن رائے، نواب مکرم خان، حضرت حافظ محمد محسن (نواسۂ شیخ عبدالحق)، امام مسجدِ فتحپوری اور بہ کثرت خلق خدا آپ سے بیعت ہوئی تو آپ کی عمر شریف ستائیس سال کی تھی۔ اگر آپ کے مکاتیب کا جو کہ ایک سو نوے ہیں مطالعہ کیا جائے تو بادشاہ اور دونوں شاہ زادوں اور شاہ زادی روشن رائے اور دوسرے افراد کے احوال باطنی کا بھی علم ہوگا اور صحیح طور پر اندازہ ہوگا کہ آپ کے کیا حالات تھے اور آپ اسلام کی کیسی خدمت کر رہے تھے آپ کا حلقۂ ارشاد کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوا تھا، اور سخن طراز ایسے یکتائے روزگار ولی پروردگار کے متعلق کیسے افسانے گھڑ رہے ہیں۔ ؏ چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند"

شیخ صفر احمد نے لکھا ہے کہ ایک دن شاہ زادہ محمد اعظم جو بہت اخلاص سے بیعت ہوئے تھے آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ دروازہ پر مخلصین کی بھیڑ تھی۔ شاہزادے کی دستار گر گئی، یہ خبر بادشاہ تک پہنچی بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ان کے دور میں ایسا باکمال فرد بھی موجود ہے کہ خلائق پروانہ وار اس پر گر رہی ہے۔ اور لکھا ہے ایک مرتبہ شاہزادہ محمد اعظم نے آپ کی دعوت کی۔ اس دعوت میں آپ کے برادرِ کلاں محمد اشرف بھی مدعو تھے۔ بہ وقتِ طعام شاہزادہ آفتابہ لائے تاکہ آپ کے ہاتھ دھلوائیں۔ آپ نے شاہزادے سے آفتابہ لیا اور اپنے برادر صاحب کے ہاتھ دھلوائے، پھر آفتابہ شاہزادے کے حوالہ کیا اور انھوں نے آپ کے ہاتھ دھلوائے[1] اور لکھا ہے جب آپ کا قیام دہلی میں تھا آپ کے عم محترم محمد سعید کے فرزند عبدالاحد وحدت کی بھی دہلی آمد ہوئی جو کہ صاحبِ فضل وکمال اور شاعرِ شیوا بیان تھے۔ لیکن مرجع خلائق آپ ہی کی مبارک ذات رہی آپ کے حضرت والد کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

"سبحان اللہ عبدالاحد بہ ایں شیرینی کلام موصوف است وسیف الدین بہ این تمکین ووقار معروف وقبولیت بہ نصیب ایں گشتہ۔ خوش گفت۔

بہ مقبولی کسے را دسترس نیست   قبولِ خاطر اندر دست کس نیست

یعنی عبدالاحد کی تو یہ شیریں کلامی اور اس کی شہرت اور سیف الدین کا یہ تمکین اور وقار اور اس کا چرچا اور پھر بھی قبولیت سیف الدین ہی کے حصے میں آئی ہے۔ سچ ہے کہ مقبولیت میں کسی کی دسترس نہیں۔[2]

آپ نے دہلی سے جو عریضے اپنے حضرت والد کو ارسال کیے ہیں ان میں بعض جگہ یہ شعر بھی تحریر فرمایا ہے۔

تو مرا دل دہ و دلیری بین   رُو بہ خویش خوان و شیری بین

---

[1] برکات معصومی ص۳۱۴ و ص۳۱۵ [2] برکات معصومی ص۳۱۸

آپ کے عرائض دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جن اصحاب کمال کو دولتِ خلافت عنایت کرتے تھے ان کو حضرت والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کرتے تھے تاکہ آپ ان پر مزید عنایات فرمائیں اور اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمادیں۔ پہلے عریضے میں فضائل مآب محمد فاضل پسر میر محمد عارف منگل کوٹی کے متعلق لکھا ہے۔ "امیدوار ہے کہ شرف صحبت سے مشرف ہو" اور محمد صادق افغانی کے متعلق لکھا ہے "بہ توجہات عالیہ سیراب گردد وبہ عنایات وبشاراتِ مخصوص سربلند شود" اور صوفی سعد اللہ و ملّا درگی و ملّا عبد الخالق اور حاجی محمد شریف کے واسطے توجہاتِ خاصّہ کی التماس کی ہے اور ملّا محمد سالم کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی محبت میں فانی ہے۔ امید ہے "مثلِ یارانِ دیگر" رخصت کے وقت خلعتِ متبرک سے سرفراز اور بشارات عالیہ سے مبشّر ہوگا۔

آپ نے حقائق آگاہی حافظ محمد محسن دہلوی کو مکتوب ۶۵ لکھا ہے۔ ان کی ترقیات اور ان کے لئے توجہات غائبانہ کا ذکر اس میں ہے اور آخیر میں تحریر فرمایا ہے۔ "از اینجا ملحوظ می گردد واتحاد خاص باخود می فہمد، اغلب کہ نسبتِ ضمنیت آغاز نمودہ باشد" حضرات مشائخ کے نزدیک نسبتِ ضمنیت بہت بلند مقام ہے۔ مریدوں میں سے جس کو یہ مقام نصیب ہوجائے، اس نے اپنے مرشد سے سب کچھ پالیا۔ حافظ صاحب، خان مکرّم خان، خان محتشم خان، شیخ محمد باقر لاہوری اُن خوش نصیب افراد میں سے ہیں کہ آپ سے کسب سلوک کر کے اور خلافت سے مشرف ہوکر آپ کے حضرت والد کی خدمت میں پہنچے اور حضرت کی نوازشات اور خلافت سے ممتاز و مکرم ہوئے۔ آپ کے مکاتیب مبارکہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادی روشن رائے جن کی شہرت روشن آرا بیگم کے نام سے ہے منازل سلوک طے کر چکی تھیں بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام بھی کافی مکاتیب ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ کو دولتِ حضور و آگاہی نصیب ہوچکی تھی۔ تبرکاً ایک مکتوب آپ ہی کے شیریں الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ تحریر فرمایا ہے۔

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود   بادہ گر خام بُوَد پختہ کند شیشۂ ما

سلام وتحیہ ازیں خیر خواہ در معرضِ قبول آرند، سبحان اللہ ولا الحمد کہ استیلاء حضورِ او تعالیٰ بر نہجے غلبہ نمودہ کہ در اماکنِ غفلت وہنگامِ اختلاط بیشتر جلوہ می فرماید، ایں امر جلیل القدر را از اعظمِ عنایاتِ اوست سبحانہ واز قوتِ نسبتِ باطن خبری دہد ومشعر انجام کار، در نفحات الانس در احوالِ حضرت نقشبندی می آرد کہ شخصے از ایشاں پرسید کہ در طریقۂ شما ذکر جہر در خلوت وسماع می باشد، فرمودکہ نہ می باشد، پس گفت بناءِ طریقۂ شما بر چیست، فرمودند، خلوت در انجمن، بہ ظاہر با خلق وبہ باطن با حق سبحانہ وتعالیٰ،

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش   ایں چنیں زیبا صفت کم می بود اندر جہاں

آنچہ حق سبحانہ وتعالیٰ می فرماید کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، اشارت بہ ایں مقام است لیکن باید دانست کہ فرق است در حضورِ مبتدی وحضورِ منتہی، مبتدی چوں کہ بہ شرفِ فنائی اللہ متحقق نہ شدہ است ونفس او ہنوز باقی است، حضورِ او صاف نہ شدہ است ومنتہی چوں جمیع صفاتِ وجود را بہ اصل سپردہ وبہ فنائی اللہ مشرف شدہ حضور او در کمالِ انجلا است، لہٰذا آں حضور را "حضورِ خود بہ خود" نامند یعنی حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ خود را خود حاضر است، چہ سالک دریں وقت رَخت بہ صحرائے عدم کشیدہ ومظہرِ تجلیات اسمائی وصفاتی گشتہ، معشوق ہرگاہ می خواہد بہ باطن او بے خواست متجلی می شود، شکر ایں قسم نعمتِ عظمیٰ بہ جا آوردن ضرور است لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَالسَّلَامُ[1]

آپ نے اپنے حضرت والد کو بادشاہ کی باطنی کیفیت تحریر فرمائی ہے۔ آپ کے حضرت والد نے آپ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔ "باطن ایشاں را بہ نسبتِ اکابر معموری یابد امیدوار است کہ دریں نزدیکی بہ فنائے قلب مشرف شوند کہ درجۂ اولی است از درجاتِ ولایت"[2] ان کا باطن مجھ کو اکابر کی نسبت سے معمور نظر آتا ہے اور امید ہے کہ عنقریب ان کو فنائے قلب نصیب ہوگی جو کہ درجاتِ ولایت کا پہلا درجہ ہے۔" اور دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "لطیفۂ اخفیٰ اعلیٰ لطائف است وولایتِ آں فوق سائر ولایات است وایں لطیفہ را خصوصیتے است خاص بہ سرورِ کائنات ومفخرِ موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والبرکات فقیر نیز مناسبتے بہ لطیفۂ اخفیٰ درمی یابد والغیب عند اللہ"[3] لطیفۂ اخفیٰ تمام لطائف سے اعلیٰ ہے اور اس کی ولایت تمام ولایات سے برتر۔ اس لطیفہ کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصیتِ خاصہ ہے۔ میں بھی بادشاہ کی مناسبت لطیفۂ اخفیٰ سے محسوس کرتا ہوں۔ اور علم غیب تو اللہ ہی کو ہے۔" یعنی از روئے اصطلاح بادشاہ محمدی المشرب تھے۔

آپ کو اپنے حضرتِ والد سے عشق تھا اور ان کو بھی آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ جن دنوں آپ نے دہلی سے سرہند شریف مراجعت فرمائی (۱۰۶۷ھ میں) آپ کے حضرتِ والد پاؤں کے درد کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ اگر مسجد شریف نماز کے واسطے جاتے تھے تو ڈولی میں جانا ہوتا تھا۔ شیخ صفر احمد نے لکھا ہے۔ جب سرہند شریف میں حضرت سیف الدین کی تشریف آوری کا غلغلہ ہوا خلق خدا برائے استقبال شہر کے باہر پہنچی۔ لیکن آپ کے برادرانِ کلان ازراہِ بزرگی نہ گئے۔ آپ کے حضرت والد نے آپ کے بڑے بھائیوں سے تو کچھ نہ فرمایا البتہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے کہا۔ اگر میرے پاؤں میں درد نہ ہوتا میں تمہارے بیٹے کے استقبال کو جاتا۔ جب آپ

---

[1] مکتوبات سیفی مکتوب ۷۳ [2] مکتوبات معصومی تیسرا حصہ مکتوب ۲۲۰ [3] مکتوباتِ معصومی مکتوب ۲۳۲ حصہ سوم۔

کے برادران کو حضرت والد کی یہ بات پہنچی تو وہ بھی برائے استقبال تشریف لے گئے، [1]

اور لکھا ہے کہ حضرت محمد معصوم کی وفات کے بعد حضرت اُمّ المُرِیدِین نے اپنے دوسرے فرزند حضرت محمد نقشبند حجۃ اللہ سے فرمایا۔ کہ میرے بیٹے محمد سیف الدین کی درازی عمر کے واسطے تم بھی دعا کیا کرو انھوں نے کہا "اخوی محمد سیف الدین شرفِ ما است" بھائی سیف الدین ہمارا شرف ہیں بھلا ان کے لئے کس طرح دعا نہ کروں۔ پہلے بھی میں دعا کرتا تھا اور اب آپ کے امر شریف کے بموجب مزید دعا کیا کروں گا۔ [2]

اور لکھا ہے کہ دہلی سے تشریف لانے کے بعد اپنے حضرت والد کی خدمت میں رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے مزار پُرانوار پر گنبد بھی آپ ہی نے بنوایا۔ اگرچہ تعمیر گنبد کا سارا خرچہ روشن رائے بیگم نے برداشت کیا جو کہ آپ کی محبت میں بے نظیر تھیں۔ جو ابیات گنبد کے اوپر لکھوائے ہیں ان میں کا ایک شعر یہ ہے۔

اُو زِ سَیفُ الدین مُحَمَّد مُقتَدا   یافت سوئے ایں سَعادت اِہتِدا

آپ اپنے حضرت والد کا عرس شریف بلا شرکت غیرے اور اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت بہ وجہ اَلیق کیا کرتے تھے۔ [3]

اور لکھا ہے۔ کہ افراد ثقہ سے میں نے سنا ہے کہ جب حضرت محمد نقشبند حجۃ اللہ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے (۱۰۹۵ھ میں) آپ ان کی مشایعت میں کامل ایک منزل تک گئے اور جب جدائی کا وقت آیا تو حضرت محمد نقشبند نے فرمایا۔ میری عمر آخر کو پہنچی ہے، لہٰذا میرے بچّوں کی خبر گیری رکھنا۔ آپ نے ان سے کہا۔ مجھ کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ آپ کی عمر بہت ہوگی، البتہ مجھ کو اپنی حیات کی مطلق امید نہیں ہے اور میرے فرزندان آپ کی عنایت کے امیدوار ہیں" جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اسی کا وقوع ہوا۔ دونوں بھائیوں میں پھر ملاقات نہ ہوئی اور آپ دنیا سے سفر کر گئے۔ حضرت محمد نقشبند آپ کے بعد اُنتیس سال بہ حیات رہے۔ [4]

اور لکھا ہے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ آدھی رات کو اکیلے حضرت مجدد کے روضہ پر بہ وجد و شوق حاضر ہو کر مرقدِ اطہر کے چکر لگاتے اور فرماتے۔ "سَگِ درگاہِ مجدّدِ الفِ ثانیم" اور کبھی فرماتے "سَگِ درگاہِ بندگی شیخ احمد کابلی سرہندیم" یعنی درگاہ مجدّد الف ثانی کا، یا۔ درگاہ بندگی شیخ احمد کابلی سرہندی کا کتا ہوں" اور کبھی رات کے اسی حصّے میں اپنے حضرت والد کے مبارک روضہ پر جاتے اور بہ سوز و دردِ تمام یہ شعر پڑھتے۔

مَن کیستم کہ با تو دَمِ بندگی زنم   چندیں سگانِ کوے تو یک کمتریں منم

---

[1] برکاتِ معصومی صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ [2] برکاتِ معصومی صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱ [3] برکاتِ معصومی صفحہ ۳۱۸ [4] برکاتِ معصومی صفحہ ۳۲۱

(ترجمہ) میں کون جو تیری غلامی کا دم بھروں، تیری گلی کے بہت سے کتوں میں سے ایک کمتر کتا میں ہوں۔[1] اور لکھا ہے۔ وفات سے کچھ مدت پہلے سے آپ اس طرح اپنی وفات کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے کہ "حضرت مجددؒ نے اللہ کے لئے نذر مانی تھی کہ اگر اطبا میرے مرض کو لاعلاج قرار دے دیں تو میں نذر ادا کروں۔ چنانچہ جب اطبا نے آپ کے مرض کو لاعلاج قرار دے دیا تو آپ نے نذر ادا کی۔ اب جو بھی آپ کے مثل ہو ایسی نذر پر اقدام کرے اور آپ کی کہی ہوئی بات کہے۔" اور جس وقت آپ یہ مضمون بیان کیا کرتے تھے، آپ کی پیشانی اور رخساروں پر شوق و محبت کی علامات ظاہر ہوا کرتی تھیں اور اکثر آپ کا یہ معمول رہا کہ ظہر اور عصر کے مابین نیک بہنوں کو جمع کرتے جیسا کہ آپ کے والد بزرگوار کا معمول تھا اور حدیث شریف پڑھتے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے۔ اور اس دن جو کہ مقدمۂ موت تھا جب آپ نے حدیث شریف پڑھ کر کتاب بند کر دی، حاضرات میں سے ایک نے کہا۔ کچھ اور بھی پڑھیے۔ آپ نے فرمایا، اب اور محمد اعظم سے سننا (محمد اعظم آپ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور آپ کے مکتوبات کو انہی نے جمع کیا ہے) چنانچہ یہی ہوا، (آپ کی رحلت ہوئی اور محمد اعظم نے کتاب پڑھی) اسی آخری مجلس میں صلۂ رحمی کا ذکر آیا کہ صلۂ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ بہنوں میں سے کسی نے کہا کہ ہمارے بھائی عبید اللہ مروّج شریعت میں صلۂ رحمی درجۂ کمال پر تھی اور ان کی عمر پینتالیس سال سے نہ بڑھی، آپ نے فرمایا۔ ان کی عمر اس سے کم رہی ہوگی اور صلۂ رحمی کی وجہ سے اس عمر تک پہنچے ہوں گے۔" یہ بات فرما کر گویا آپ نے اپنی کم عمری کا بیان کر دیا، کیونکہ صلۂ رحمی میں آپ بھی یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی عمر سینتالیس سال تھی کہ شب بستم جمادی الاولی ۱۰۹۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ "ہے ہے ستونِ دین افتاد" تاریخ وصال ہے، فقیر (صفر احمد) اگرچہ کم عمر تھا دس سال کے) لیکن یہ واقعہ پوری طرح ذہن نشین ہے، اور جب بڑا ہوا اکثر افراد سے بھی سنا کہ جب آپ کے جنازے کو برائے تدفین لے چلے تو جنازہ لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں تیرنے لگا۔ "ہر چند مردم بہ قصدی جستند دستِ کم کسے بہ آں می رسید" جتنا بھی لوگ اُچھلے کم ہی کسی کا ہاتھ اس تک پہنچا، اس کیفیت کو دیکھ کر کافی غیر مسلموں نے کلمہ پڑھ لیا اور جب تدفین کی جگہ پہنچا ہوا جنازہ خود بہ خود نیچے اتر آیا۔[2]

شیخ صفر احمد نے وصال کا جو تاریخی مادّہ لکھا ہے اس کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

مصدرِ ورعِ شیخ سیف الدین   بود سلطانِ عالمِ ارشاد
چون بہ جنّت برفت از دُنیا   آبِ تقویٰ و زہد شد برباد
سالِ تاریخِ وصلِ آں حضرت   گشت "ہے ہے ستون دین افتاد"

---

[1] برکاتِ معصومی ص۳۲۱ [2] برکاتِ معصومی ص۳۲۲

سبحان اللہ وبحمدہ، کیا پاکیزہ ولادت تھی اور کیا پاکیزہ حیات اور کیا پاکیزہ ممات، آپ کے بڑے چچا حضرت محمد سعید نے آپ کی ولادت کے وقت کسی فرشتہ کو یہ تلاوت کرتے سنا تھا۔ "وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا" ترجمہ: سلام ہے اس پر، جس دن پیدا ہوا، اور جس دن مرے، اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر۔" آپ کے چچا پر جو مکاشفہ ہوا تھا اس کا ظہور پوری طرح ہوا۔ بلاشک آپ اللہ کے خاص الخاص بندے تھے پروردگار نے آپ کو دینی اور دنیوی نعمتوں سے نوازا۔ آپ متمتع ہوئے اور جب صدائے يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (ترجمہ) اے چین پکڑنے والی جی، پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔" سُنی، بہ صد شوق راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

بگیر ترکِ تعلّق زِ مُرغکے آبی
کہ اُو ز آب چو برخاست خُشک پر برخاست

آپ کی جلالتِ قدر کا اندازہ آپ کے حضرت والد کے ان مکاتیب سے کیے جائیں جو مکتوبات معصومی کی تیسری جلد میں تحت رقم ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۴۲ واقع ہیں۔ میں ان مکاتیب کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ مکتوب ۲۲۰ میں تحریر فرمایا ہے۔

تم نے لکھا ہے، فقیر کی نسبت نزول کی طرف مائل ہے ہاں تمہارا نزول اتم ظاہر ہوتا ہے، تمہارا یہ ارشاد اور اللہ کی مخلوق تک تمہارے فیض کا اس طرح پہنچنا اسی کا اثر ہے۔ چوں کہ عروج کے وقت اللہ کی طرف توجہ ہوا کرتی ہے اس لیے خلق سے بیگانگی اور بے مناسبتی رہتی ہے تم نے اس عروج کا ذکر کیا ہے جو ان دنوں تم کو ہوا ہے، تم نے جو تفصیل لکھی ہے اس کو پڑھ کر مجھے معنوی لذت حاصل ہوئی۔ "آرے مَحبُوبان را بہ قُلّابِ محبّت بہ راہِ اِجتبا کشاں کشاں می برند و مُریدان را بہ راہِ اِنابت بہ پائے خود می رَوند، از رفتن تا بردن فرق بسیار است۔" اَللّٰهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ " ہاں محبوبوں کو محبت کے آنکڑوں سے کھینچ کر راہِ اجتبا سے لے جایا جاتا ہے اور مریدوں کے لئے انابت کا راستہ ہے وہ اپنے پیروں پر چل کر جاتے ہیں۔ لے جانے اور جانے میں بڑا فرق ہے۔ اللہ چُن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے۔"

اس مبارک مکتوب سے آپ کی شانِ محبوبیت کا اور آپ کے عظیم ارشاد کا اندازہ کیا جائے ربّ العزت قُلّابِ محبّت سے آپ کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور خلقت کے دلوں کو آپ کی طرف پھیر رہا تھا، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

مکتوب ۲۲۲ میں تحریر فرمایا ہے۔

تم نے مجالس سُلطانی کے انوکھے اور نرالے اسرار کا ذکر کیا ہے، ہاں اہلِ کمال ہر جگہ سے اس

جگہ کے شایان اسرار کے برکات وفیوضات پایا کرتے ہیں اور زمین کے ہر قطعے سے اس کے شایان کمال حاصل کرتے ہیں۔ زمین کے کسی حِصّے کو معاملاتِ فنا سے مناسبت ہوا کرتی ہے اور کسی حِصّے کو معاملاتِ بقا سے لگاؤ ہوتا ہے، کوئی بقعہ شایانِ عروج ہوا کرتا ہے اور کوئی لائقِ نزول حرمِ مکّہ کے کمالات اور معاملات کچھ اور ہیں اور حرمِ مدینہ کے فیوضات اور وہاں کا کاروبار کچھ اور، ع ہر خوش پسرے را حرکات دگر است۔ "ہر پیارے بچّے کی ادائیں نرالی ہوا کرتی ہیں۔"

اس مبارک مکتوب سے آپ کی ہمہ گیری اور عالی ظرفی اور جامعِ کمالات ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ مکتوب ۲۴۲ میں تحریر فرمایا ہے۔

تمہارے دلپسند مکتوب نے خوش کیا، بادشاہِ دیں پناہ کے احوال معلوم ہوئے، بادشاہوں میں ایسے احوال کا ہونا عجائبات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ترقی دے۔ جب سالک اپنی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو دیکھنے لگتا ہے تو یہ تجلّی صفاتی ہے، اور اس تجلّی کا کمال یہ ہے کہ ان صفات کو اصل صفات کا ملحق پائے اور اپنے کو ان کمالات کا آئینہ دیکھے جو کہ بالکل خالی وسادہ اور عدمِ محض ہے۔ اس کیفیت اور حالت میں نہ ذکر ہے نہ توجّہ اور نہ حضوری، کیونکہ جب کمالات اصل سے ملحق ہو جاتے ہیں تو وہ سب حق تعالیٰ و تقدس کی طرف عاید ہو جاتے ہیں اس مرتبہ کے بعد اگر ذکر ہے تو خود بہ خود ہے اور اگر توجّہ اور حضور ہے تو وہ بھی خود بہ خود ہے۔ اس وقت عارف اپنا بوریا بستر باندھ کر صحرائے عدم کو چلا جاتا ہے اور ہر شے سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت۔ اور حالت کو فنائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں، کسی نے خوب کہا ہے ؎

معشوق من ارگشت ہمخانۂ ما   ویران تراز ونست ویرانۂ ما

اگر معشوق میرے گھر میں نزول کرتا ہے تو میرا گھر جو پہلے ہی سے ویران تھا مزید ویران ہو جاتا ہے کیوں کہ معشوق کے آنے پر خود مجھ کو بھی وہ گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔"

اس مبارک مکتوب سے اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے حالات و کمالات پر روشنی پڑتی ہے اور یہ سب کچھ حضرت شیخ سیف الدین کی تین توجّہات کا اثر ہے جیسا کہ آپ نے صوفی سعد اللہ کو تحریر فرمایا ہے اور میں اس کو نقل کر چکا ہوں۔ افسوس کہ ایسے ولی کامل کو موردِ ملامت بنایا جا رہا ہے۔ [اِنَّھَا لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ۔

مولانا شہاب نے لکھا ہے۔ "اورنگ زیب کے پاس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے بھیجا تھا، اس کا بیان کسی غیر سے نہیں ایک معتقد کی زبان سے سنئیے۔"

جنابِ من، بہتر یہ ہے کہ پہلے حضرت شیخ سیف الدین کے والد بزرگوار کا بیان پڑھ لیا جائے آپ کے حضرت والد نے سلطان اورنگ زیب عالمگیر کو شیخ سیف الدین سے اخذِ طریقہ کرنے

کے بعد دو مکاتیب ارسال کئے ہیں جو کہ آپ کے مکاتیب کی تیسری جلد میں نمبر ۲۲۱ اور ۲۲۷ ہیں میں ان دونوں مکاتیب کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

مکتوب ۲۲۱: حضرت سلطان کا مکتوب گرامی خواجہ محمد شریف بخاری اَعَزّ الاَوقات میں لائے (اس کے بعد آپ نے حضرت مولیٰ جلّ شانہٗ وعَمّ احسانہ کا مبارک ذکر کیا ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے) الحمد للہ والمنۃ کہ فرزند فقیر منظور نظر قبول ہوئے اور صحبت کا اثر ظاہر ہوا۔ آپ نے فقیر زادے کے امر معروف اور نہی منکر کرنے پر اظہار شکر کیا ہے۔ یہ ان کا شیوہ ہے۔ آپ کے اظہار شکر کرنے سے دعا گوئی میں اضافہ ہوا، کیونکہ اس تمام طمطراق بادشاہت اور دبدبہ سلطنت کے ہوتے ہوئے کلمۂ حق مسموع ہوا ہے اور ایک نامراد کی بات نے اثر پیدا کیا ہے۔ فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ترجمہ) تو خوشی سُنا دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس کے نیک پر، وہی ہیں جن کو راہ دی اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے۔" موضح قرآن میں تحریر فرمایا ہے۔ "چلتے ہیں اس کے نیک پر یعنی حکم پر چلنا کر اس کو کرتے ہیں، منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے، اس کا کرنا نیک ہے اس کا نہ کرنا نیک ہے۔"

مکتوب ۲۲۷: آپ نے زائد از یک ورق ان معارف کا بیان کیا ہے جن کا تعلق فنا سے ہے اور پھر حسن خاتمہ کے سلسلہ میں خوفِ الٰہی کا ذکر کر کے تحریر فرمایا ہے۔

"فقیر زادے کی خیر خواہی جو کہ منظورِ نظرِ عالی ہوگئی ہے ان کی سعادت اور امتیاز کا سبب ہے اور الحق کہ فقیر زادہ کمالات ظاہری اور باطنی رکھتے ہیں، عُزلت اور عَدمِ اختلاط کی ان کو عادت ہے اور ملنے جلنے کی طرف کچھ زیادہ رَاغب نہیں، صرف خیر خواہی کا جذبہ ان کو اس طرف لایا ہے۔"

مولانا شہاب نے حضرت شیخ سیف الدین کے خیمۂ دیبا اور جڑاؤ سنہری کرسی اور سنہری روپہلی عصا برداروں کا بیان زُبدِ کوثر سے لیا ہے اور زُبدِ کوثر میں رَوضۂ قیومیہ کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶ سے نقل ہے۔ میرے سامنے زُبدِ کوثر کا پانچواں اڈیشن ہے، اس میں یہ عبارت نظر نہیں آئی، غالباً شیخ محمد اکرام نے میرا مکتوب اور پروفیسر محمد فرمان کا تاثر "حیات مجدد" میں پڑھکر اس عبارت کو پانچویں اڈیشن سے خارج کر دیا ہوگا۔

مولانا شہاب نے ایک خوش اعتقاد کے مَن گھڑت افسانے پڑھ کر لکھدیا۔

"یہ شان اورنگ زیب کے زمانے کی مجددی سجادہ نشین پابند شرع ہی نہیں معلّم شرع مستجاب الدعوات بزرگوار کی تھی۔"

میں جنابِ شہاب اور ان کے ہمنوا اور ہمخیال افراد سے کہتا ہوں کہ کیا اَمیرُ المُومنین و خَلِیفَۃُ المُسلِمِین سَیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے معتقدوں نے رسالت

بلکہ اُلوہیت تک کا چرچا نہیں کیا ہے، کیا ان کے متعلق "تقیہ" جیسا گھناؤنا الزام نہیں تراشا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسوں حضرات حسنینؓ رضی اللہ عنہما کے متعلق الزامات نہیں تراشے ہیں، کیا ان الزامات اور اتہامات کی بنا پر کوئی شخص ان مبارک و مقدس حضرات کو طالبِ جاہ و منصب اور مغرور و متکبر اور دروغ گو کہنے میں حق بجانب ہوگا۔

حضرت محمد سیف الدین کے متعلق آپ کے والد بزرگوار نے جو کچھ ارشاد کیا ہے، حقیقت وہی ہے۔ "سیف الدین بہ ایں تمکین و وقار معروف" آپ کی شان استغنائی اور تمکین و وقار کو کم ظرفوں اور مخالفوں نے تکبر پر حمل کیا، آپ تک یہ بات پہنچی، آپ نے امام الطریقہ سیّد محمد بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کا قول دہرا دیا۔ "تکبّر ما از کبریائی اوست جلّ جلالہٗ" اور کرسی یا تخت کا قصہ یہ ہے کہ جب آپ دہلی تشریف لے گئے اور شاہجہاں بادشاہ کی وفات ہوئی اور عالمگیر بادشاہ مع امرا کے آگرے روانہ ہوگئے تو طالبانِ حق اس کثرت سے آپ کے پاس آئے کہ دور بیٹھے ہوئے افراد آپ کی طلعتِ نورانی کے دیدار سے محروم رہنے لگے، بنابریں آپ کے واسطے ایک بلند چیز کا بندوبست کیا گیا تاکہ آپ کی زیارت سے کوئی محروم نہ رہے، جیسا کہ علامہ ابن جوزی کے واسطے بغداد میں اور علامہ ابن تیمیہ کے واسطے دمشق میں کیا گیا تھا اور اجتماعاتِ عظیمہ میں مقرّرین اور واعظین کے واسطے تمام ممالک میں آجکل انتظام کیا جاتا ہے۔

میں ان افراد سے خطاب نہیں کرتا جو اپنی مایۂ ناز کتاب میں لکھ رہے ہیں۔ "شیخ معصوم کی وفات کے بعد مجدد کی رہی سہی عزت ختم ہوگئی۔ مجدد کے پوتے تو انتشار اور اخلاقی بدحالی کے پلیگ میں مبتلا رہے۔" بلکہ میرا روئے سخن اُن افراد کی طرف ہے جنہوں نے شیخ عبدالحق کا مکتوب یا کتاب روضۃ قیومیہ یا خویشگی کی کتاب معارج الولایت دیکھ لی ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اب دو ڈھائی سو سال سے حضرت مجدد کا سلسلہ ہی نقشبندیہ سلسلہ ہے۔ سمرقند، بخارا، بدخشاں، ہرات، افغانستان، بلوچستان، سندھ، ایران، ترکیہ اور ممالک عربیہ اور برما، چین، جاوا، ہندوستان، بنگال، پاکستان میں آپ ہی کا طریقہ رائج ہے، حضرت مجدد کے چار صاحبزادے صاحبِ ارشاد ہوئے۔ ان میں سے تیسرے صاحبزادے حضرت محمد معصوم کا ارشاد بہت زیادہ ہوا، اور حضرت مجدد کے اٹھارہ پوتے اصحاب کمال تھے، ان میں سے حضرت محمد سیف الدین سے یہ مبارک طریقہ خوب رائج ہوا، دنیا کے ہر گوشے میں آپ سے وابستہ افراد اللہ کے فضل و کرم سے موجود ہیں، ہزارہا اولیائے کبار آپ کے پیرو ہوئے ہیں۔ کیا ان سب اولیائے کبار نے کسی فاسق کی پیروی کر لی، بھلا فاسق کو ولایت سے کیا تعلق، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ، اس کے اولیا وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں میں اس دور کے نوخیز محققین سے یہ نہیں کہتا کہ وہ علماء اعلام اور اولیائے عظام کے معتقد

ہوں، یا حضرت مجدد اور آپ کی مبارک اولاد کی پیروی اختیار کریں، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ وہ جس کی بھی تاریخ لکھنے بیٹھیں تو پہلے اس کی طرف سے اپنے دل کے غبار کو صاف کر لیں، جو بات لکھیں پوری تحقیق سے لکھیں اپنے خیالات کی بنا پر غلط نتائج نکالنے کی کوشش نہ کریں اور ان مسائل میں مناقشہ اور مباحثہ کیا جائے جن کا علم پوری طرح ان کو ہو ورنہ بلاوجہ کی قیل وقال اور بحث و مباحثہ ہوگا۔ غیر مُسلموں کے متعلق ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے جو مناقشہ کیا ہے وہ اسی نوعیّت کا ہے، انھوں کے "رُودِ کوثر" کے صفحہ تین سو اٹھارہ میں لکھا ہے۔

"حضرت خواجہ (بزرگ معین الدین اجمیری) کے علاوہ جن دوسرے بزرگوں نے ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کی، ان کے حالات اور ارشادات بھی کسی غصّے کے جذبے سے عاری ہیں، حضرت مجدد کا نقطہ نظر اس سے بہت مختلف تھا ان کے خطوط میں غیر مسلموں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کثرت سے ہوا ہے اور انھیں ذلیل کرنے کی جا بجا تلقین ہے۔"

شیخ محمد اکرام نے یہ خیال نہ کیا کہ خواجۂ بزرگ اجمیری مُستامِن ہو کر اجمیر آئے تھے۔ اگر کوئی مسلم غیر مسلم کی حکومت میں امان لے کر رہے تو وہ مُستامِن ہے اور اگر کوئی غیر مسلم، مسلم حکومت کی امان میں رہے تو وہ ذمّی ہے۔ ان دونوں کو مملکت کے قوانین میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور حضرت مجدّد اسلامی مملکت کے ایک فرد تھے، آپ کو پورا حق بلا ہے کہ مملکت کو اسلامی قوانین سے آگاہ کریں۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا ہے۔

اگر شیخ محمد اکرام مُستامن، مُعاہد، ذِمّی اور حَربی کی فقہی اصطلاحات سے باخبر ہوتے تو اس بات سے جیسا کہ انھوں نے رُودِ کوثر کے صفحہ تین سو تیئس میں لکھا ہے۔ "حضرت مجدّد نے ہنود کے لئے ذمّی کا لفظ کہیں نہیں استعمال کیا، ہمیشہ اہل کفر کہتے ہیں۔" سمجھ لیتے کہ حضرت مجدّد کا غصّہ اور درشتی ان غیر مسلموں سے تھی جو ذمّی نہ تھے، جو اسلامی مملکت میں امن سے نہیں رہ رہے تھے۔ جن کو فقہی اصطلاح میں حَربی کہتے ہیں چنانچہ حضرت مجدد نے دفتر دوم کے مکتوب اڑتالیس میں صاف طور پر "کفارِ دارالحرب" لکھا ہے۔ یعنی اس علاقے کے کافر جہاں مسلمانوں سے جنگ و جدال کا سلسلہ قائم ہے۔ حضرت مجدّد نے اگر حربیوں کے ساتھ درشتی) کا اظہار کیا ہے تو اس میں کیا برائی ہے، وہ کونسی مملکت ہے جو اپنے ان مخالفوں کے ساتھ جو بر سرِ پیکار ہوں یا باغی ہوں سختی نہ کرتی ہو، حضرت مجدد نے نہ تمام ہندوں سے اظہارِ نفرت کیا ہے اور نہ اس کی تعلیم دی ہے۔ آپ ہندوستان میں انبیا کی بعثت کا بیان کرتے ہیں۔ دفتر اوّل کے مکتوب دو سو انسٹھ میں تحریر فرمایا ہے۔

"یہ فقیر جب اممِ سابقہ پر نظر ڈالتا ہے تو ملاحظہ کرتا ہے کہ ایسی جگہ بہت ہی کم ہے کہ جہاں کسی نبی کی بعثت نہ ہوئی ہو حتّٰی کہ سرزمینِ ہند میں جو کہ اس معاملہ سے دور نظر آتا ہے پیغمبروں کی

بعثت ہوئی ہے اور ان پیغمبروں نے اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض مقامات میں انبیاء علیہم السلام کے انوار محسوس ہوتے ہیں جو کہ ظلماتِ شرک میں بہ مثل روشن مشعلوں کے نظر آتے ہیں۔"

زبدۃ المقامات اور حضرات القدس میں بھی اس کا ذکر ہے اور مؤخر الذکر نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد نے یہ بھی ارشاد کیا کہ اگر چاہوں تو ان مقامات کی نشان دہی کر سکتا ہوں جہاں ان حضرات کی قبریں ہیں اور ان کے انوار وہاں چمک رہے ہیں۔

سرہند سے کچھ فاصلہ پر موضع برّاس ہے، وہاں کے ایک ٹیلہ کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ یہاں حضرات انبیاء آرام فرما ہیں۔ چنانچہ بعض افراد برائے زیارت وہاں جاتے ہیں۔

حضرت مجدّد کے مبارک طریقے اور مسلک پر آپ کی اولاد اور خلفاء عامل رہے اور اللہ کے فضل سے اب تک بہ نوعے و کیفیتے عامل ہیں آپ ہی کے طریقے میں ایک فردِ اکمل حضرت میرزا جانِ جاناں مظہر شہید قدس سرہٗ گزرے ہیں۔ کتاب "کلماتِ طیبات" میں آپ کے چودہویں مکتوب کا مطالعہ کیا جائے کہ آپ نے کیسے حقائق بیان فرمائے ہیں۔ اور غیر مسلموں (ہندوؤں) کے متعلق کیا کچھ تحریر فرمایا ہے۔ حضرت میرزا قدس سرہ حضرت مجدد کے عاشق و شیدا تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ ان کو "قیّم طریقہ احمدیہ" لکھا کرتے تھے یعنی حضرت شیخ احمد سرہندی کے طریقہ کا قائم رکھنے والا، سنبھالنے والا۔ آپ کے مکتوب گرامی کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں نہ تمام ادیان کا ذکر ہے اور نہ تمام انبیاء کا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ یعنی "اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے، کوئی ان میں ہیں کہ سنایا تجھ کو ان کا احوال اور کوئی ہیں کہ نہیں سنایا۔" ہندوؤں کی قدیم کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین کے قواعد میں نظم و نسق ہے۔ اور ان کا دین منسوخ شدہ ادیان میں سے ایک دین ہے اور بہ ظاہر جو شرک ان کے مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ اس شرک سے متفاوت ہے جو عرب میں رائج تھا، بتوں کو ان کا سجدہ "تحیت" کا ہے نہ "عبودیت" کا اور وہ بتوں کو مظاہرِ کمالات سمجھتے ہیں۔ اور تناسخ کے اعتقاد سے کفر لازم نہیں آتا۔ یعنی ہم اس عقیدہ کی بنا پر ان کو کافر قرار نہیں دے سکتے۔

نوخیز محققین کو نہ اصول کی خبر نہ فروع کی، نہ ان کو علوم شریعت سے کوئی تعلق ہے اور نہ اسرارِ طریقت اور رموزِ حقیقت سے، مستشرقین کے آراء ان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور وہ لینن و اسٹالن اور ماؤ کے پرستار ہیں، ان لوگوں نے اگر حضرت مجدد پر ہندو دشمنی کا الزام لگایا ہے، حضرت میرزا کو بھی بدنام بلکہ خارج از اسلام کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھا ہے

کہ حضرت میرزا قدس سرہ تناسخ کے قائل تھے۔ کہاں حضرت میرزا کا یہ ارشاد کہ تناسخ کے اعتقاد کی وجہ سے ہم ہندوؤں کی تکفیر نہیں کر سکتے اور کہاں ان لوگوں کا یہ الزام۔ ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

حضرت مجدد اور آپ کی مبارک اولاد کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے "شجرۂ مبارکہ" قرار دیا ہے۔ یعنی برکت والا درخت۔ اس مبارک درخت کی یہ کیفیت ہے کہ "جو شاخِ شجر پھوٹی پھولوں سے بھری نکلی"۔ اللہ کے فضل و کرم سے عالمِ اسلام ان کے فیوضات و برکات سے مستفیض اور بہرہ مند ہو رہا ہے۔

نا قصے گر کند ایں سِلسِلہ را طَعنِ قصور   حَاشَ لِلّٰہ کہ بر آرم بہ زَباں ایں گِلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بَستۂ ایں سلسلہ اند   رُوبَہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سِلسِلَہ را

آئینۂ جہاں نُما

حضرت مجدد اور آپ کی مبارک اولاد کے متعلق حضرت خواجہ نے فرمایا ہے۔ "دلہائے عجب دارند"۔ یہ حضرات اپنی پاک باطنی اور صاف دلی کی وجہ سے "آئینہائے جہاں نُما" بن گئے تھے۔

دَرْ سِفالیں کاسۂ رِنداں بہ خَواری مَنگَرید   کِیں عَزیزاں خِدمَتِ جَامِ جَہاں بیں کردہ اَند
قُدسِیاں بے بَہرَہ اَند اَز جُرعَۂ کاسِ الکِرَام   ایں تَطاوُل بیں کِہ بَا عُشّاقِ مِسکیں کَردہ اَند

جو بھی اِن حضرات کا مُعانِد اور مخالف ہوتا ہے وہ ان کے جہاں نُما آئینوں میں اپنے خیالاتِ فَاسِدہ اور اَوہامِ بَاطِلَہ کے خدوخال کو دیکھتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کھوج لگا کر کوئی پوشیدہ راز معلوم کر لیا ہے حالانکہ اس نے اپنے خفایائے بَاطِن کا عکس ان پاک آئینوں میں دیکھا ہے۔

اِذَا سَاءَ فِعْلُ الْمَرْءِ سَاءَتْ ظُنُوْنُہٗ   وَصَدَّقَ مَا یَعْتَادُہٗ مِنْ تَوَهُّمٖ

اِس وقت میرے سامنے دو افراد کی تحریریں ہیں، دونوں کا مقصد حضرتِ مُجَدِّدِ قُدِّسَ سِرُّہٗ کو غیر کامل اور نا اہل ثابت کرنا ہے۔ ڈاکٹر رضوی کو، فقیہ کالسٹ، شَرابی، ظَالِم، اِنتِقَام پسند، نَالَائِق، اِنتِشَار اور اَخلَاقِی بَدحَالی کے پلیگ، جیسے احوال نظر آئے اور پروفیسر مجیب نے، روح کی بے عظمتی، تعریف کے ڈانڈے جو خوشامد سے جا ملتے ہیں اور دیر تک سر کھجاتے رہنا، دیکھا ہے، ان دونوں صاحبان نے لَاشعُورِی طَور پَر اپنا خَدوخَال اور اپنے اَحوَال کو دیکھ لیا ہے اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے ہاتھ کوئی راز لگ گیا ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔

چوں خُدا خواہد کہ پَردہ کَس دَرَد   مَیلَش اَندَر طَعنَۂ پَاکاں بَرَد

دو واقعات

خوش نصیب افراد حضرت مجدد سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو واقعات لکھتا ہوں۔

(۱) حضرت حافظ محمد ہاشم مجددی[1] نے دوشنبہ ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۴ء میں کوئٹہ بلوچستان میں مجھ سے بیان کیا، کہ ایک جلسہ میں میری ملاقات مولانا سید سلیمان ندوی سے ہوئی۔ وہ مجھ سے بڑی محبت سے ملے اور مجھ کو اپنا یہ واقعہ سنایا۔

میرے تین دوست اپنی موٹر میں لاہور سے دہلی آئے۔ مراجعت کے وقت اصرار کر کے مجھکو اپنے ساتھ لیا۔ جب سرہند پہنچے وہ زیارت و فاتحہ کے لئے حضرت امام کے روضہ پر گئے۔ چوں کہ مجھ کو اس زمانے میں بزرگان دین سے لگاؤ نہ تھا۔ میں برائے فاتحہ نہ گیا، بلکہ مسجد شریف کی دیوار پر بیٹھ گیا جو کہ ایک گز اونچی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی رہی ہوگی۔ میرا منہ گنبد کی طرف تھا، میں نے دیکھا ایک شخص اکہرے بدن کے، کشیدہ قامت، نورانی چہرہ، داڑھی بہ قدرِ مسنون، بال زیادہ سیاہ اور کم سفید، سر پر دستار رکھے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا "تم فاتحہ پڑھنے کے واسطے نہیں گئے۔" میں نے بہ جواب "جی ہاں" کہا۔ انھوں نے اپنی نظریں اٹھا کر مجھ کو دیکھا اور پھر وہ میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ اور میں بیہوش ہوگیا، جب میرے رفقاء فاتحہ پڑھ کر آئے۔ انھوں نے مجھ کو اٹھایا اور مجھ کو ہوش آیا۔ میرا یہ خیال ہے کہ حضرت امام بہ شکلِ مثالی مجھ پر ظاہر ہوئے تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر نے میرے خیالات پر اثر ڈالا اور اس دن سے میرے خیالات بدلنے شروع ہوئے۔ الخ۔

(۲) شنبہ ۲۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۸۴ھ (۳۱ اکتوبر ۱۹۶۴ء) جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے ساتھ جناب محمد شریف (سابق شریف احمد) طارق ایم۔ اے۔ برائے ملاقات میرے پاس، ۹/۷ ایبٹ روڈ۔ لاہور۔ تشریف لائے۔ طارق صاحب سے میری صرف یہی ایک ملاقات ہوئی ہے۔ جس زمانے میں وہ مجھ سے ملے، وہ حقیقی معنوں میں ایک صوفیِ باصفا اور حضرتِ مجدد کے عاشق و شیدا تھے۔ انھوں نے اپنے کلام کا آغاز اس طرح کیا۔ "میں نے سُنا کہ میرے محبوب کی اولاد میں سے ایک صاحب لاہور آئے ہیں، میں بےچین ہوگیا اور ملنے چلا آیا۔" یہ کہہ کر چند منٹ تک ان پر خاص کیفیت طاری رہی، ان کی آنکھیں بند تھیں اور آنسو جاری تھے، پھر انھوں نے بیان کیا کہ میں سرہند شریف گیا تھا جب روضۂ مبارکہ پر حاضر ہوا اور فاتحہ پڑھی میں نے عیاناً اپنی آنکھوں سے حضرت مجدد اور آپ کے صاحبزادے حضرت محمد صادق کو دیکھا۔ کیا ہی نورانی چہرے تھے۔ ان کی نورانی شکلیں میری آنکھوں کے

---

[1] آپ کی ولادت ۱۳۲۳ھ میں ہوئی ہے۔ ٹنڈو سائینداد، قریب ٹنڈو محمد خان، ضلع حیدرآباد سندھ آپ کا مولد و مسکن تھا۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دین کی تکمیل مولانا معین الدین اجمیری سے کی۔ فنِ طب بھی حاصل کیا۔ اسرارِ طریقت اپنے والد بزرگوار حضرت محمد حسن سے حاصل کئے۔ آپ کی تحریر اور تقریر نہایت شیریں و پاکیزہ تھی۔ ۱۳۹۵ھ کے ماہ صفر میں اپنے گیارہویں دادا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مبارک عرس میں شریک ہوئے اور وہاں سے اپنی تالیفِ لطیف "زیارت فیض بشارت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم" مجھ کو ارسال کی اور یکشنبہ ۱۱ر رمضان ۱۳۹۵ھ۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء کو رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔ ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَرَضِیَ عَنْہُ۔

سامنے گھومتی رہتی ہیں۔ اس بیان کے بعد طارق صاحب پر پانچ سات منٹ وجد کی سی کیفیت طاری رہی۔ ان کی باطنی حرارت کا اثر نہ صرف مجھ پر بلکہ فاروقی صاحب پر اور میرے بہنوئی نواب زادہ لئیق احمد خان صاحب انصاری پانی پتی پر اور اُن دو چار افراد پر بھی ہوا جو کہ اس وقت وہاں بیٹھے تھے۔ پھر طارق صاحب نے نسبتِ شریفہ کے متعلق دریافت کیا اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے ایک پیر کا قول ذکر کیا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ مجھ کو معلوم تھا میں نے اُن سے کہا۔ میرے نزدیک وہ "اُویسیُ المَشرب" تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں بہ عافیت رکھے۔ مجھ کو جب ان کی صحبت یاد آجاتی ہے، درج ذیل اشعار پڑھتا ہوں۔

دیدم بہ خوابِ خوش کہ بہ دستم پیالہ بود　　تعبیر رفت و کار بہ دولت حوالہ بود
آں نافۂ مراد کہ می خواستم زِ بخت　　در چینِ زلفِ آں بتِ مشکیں کلالہ[1] بود
از دست بردہ بود وجودم خمارِ عشق　　دولت مساعد آمد و مَی در پیالہ بود
نالاں و داد خواہ بہ میخانہ می روم　　کانجا گشادِ کارِ من از آہ و نالہ بود
ہر کو بکاشت مہر، زِ خوبی گلے بچید　　در رہ گزارِ بادِ نگہبانِ لالہ بود

"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی محبت سے ہمارے دلوں کو معمور رکھے، اور ان کے فیوض و برکات سے ہم کو مستفید کرے۔

حضراتِ ائمہ دین اور اولیاء ربّ العالمین، دینِ برحق کے عاشق و شیدا تھے۔ ان نیک بندوں کی اپنی کوئی خواہش نہ تھی۔ اگر طلب تھی تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی تھی، ان کے پیشِ نظر ہر وقت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد رہا کرتا تھا۔ "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ"[2] (ترجمہ) تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن (ایمان دار) نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے پیرو (تابع) نہ ہو۔"

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ رضی عنہ پر معتصم عباسی کے حکم سے کوڑے پڑتے رہے، بدن لہولہان ہو گیا۔ دورانِ سزا میں دو مرتبہ معتصم ان کے پاس آیا اور کہا۔ "وَیْحَكَ اَجِبْنِیْ اِلٰی شَیْءٍ لَكَ فِیْهِ اَدْنٰی فَرَجٍ حَتّٰی اُطْلِقَ عَنْكَ بِیَدِیْ" افسوس ہے تم پر۔ تم مجھ سے ذرا سی ڈھیلی بات کہدو تاکہ میں اپنے ہاتھ سے تمہارے بند کھول دوں۔" آپ نے یہی جواب دیا۔ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَعْطُوْنِیْ شَیْئًا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ اَوْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ اے امیر المومنین آپ قرآن یا حدیث سے کوئی سند مجھکو دیدیں تاکہ میں یہ بات کہہ سکوں۔[3]

---

[1] کلالہ۔ بہ ضمِ اول، موئے پیچیدہ و بمعنی زلف نیز آمدہ۔ غیاث۔ [2] مشکات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، فصل دوم۔
[3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، جلد اول، صفحہ ۲۱۳۔

حضرت مجدد کے خلاف امرائے دربار نے سازش کی۔ عَبِیدُ الدَّرَاهِم وَالدَّنَانِیرِ وَالجَاہِ نے کفر کا فتویٰ لکھ کر آپ کو وَاجِبُ القَتْل قرار دیا اور جہانگیر سے جب کہ وہ قہر وغضب اور سُکر کے احوال میں تھا کہا گیا۔ آپ اُن کی گستاخی ملاحظہ کریں کہ انھوں نے نہ آپ کو سجدہ کیا اور نہ وہ تعظیم بجالائے جو عام طور پر ایک دوسرے کی آپس میں کی جاتی ہے (دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر جھکانا) مفسدوں کو یقین تھا کہ جہانگیر آپ کو قتل کرادے گا۔ لیکن اللہ کی رحمتوں نے آپ کو بچایا اور آپ گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہوئے۔

یہ حضرات اللہ کی رِضا حاصل کرنے کے لئے، ہتھیلی پر جان لئے پھرتے تھے۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شوق کا بیان ان الفاظ سے کیا ہے۔ لَوَدِدتُ اَن اُقتَلَ فِی سَبِیلِ اللہِ ثُمَّ اُحیٰی ثُمَّ اُقتَلَ، ثُمَّ اُحیٰی ثُمَّ اُقتَلَ، ثُمَّ اُحیٰی ثُمَّ اُقتَلَ [1]۔ تمنا رکھتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر جلایا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر جلایا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر جلایا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔" ان حضرات کے حسب حال کسی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　فرزند وعیال وخان ومان راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

بھلا ان پاکیزہ نفوس کو لینن اور ماؤ کے نظریات سے کیا تعلق۔ البتہ جو افراد اکبر کی طرح مفتاح سعادت کھو بیٹھے ہیں اگر لینن اور ماؤ کے نظریات کی تحسین کریں تو کوئی بڑی بات نہیں، کیوں کہ ان کو ہر جگہ اباحت کے ابواب کھلے ملینگے، ان کو نہ "شریعت کے ظواہر" کی شکایت رہیگی اور نہ "روزے نماز کی پابندی" کا ڈر [2] اور نہ "فرقہ وارانہ زہر کا انجکشن" تلاش کرنا پڑے گا اور نہ "پسپائی اور حسد کے جذبہ" سے تعلق رہے گا [3]

اب چند سال سے نوخاستہ محققین نے "وَحدتِ اَدیَان" کا نعرہ بلند کیا ہے اور انکو مستشرقین کی حمایت بھی حاصل ہوگئی ہے۔ جدت پسند افراد کے لئے یہ نعرہ شاید دلچسپی کا سامان فراہم کرے لیکن جن کو اپنے مذہب سے لگاؤ ہے، ان کے پیش نظر یہ ارشاد رب العزت ہے۔

یٰٓاَھلَ الکِتٰبِ تَعَالَوا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَینَنَا وَبَینَکُم اَلَّا نَعبُدَ اِلَّا اللہَ وَلَا نُشرِکَ بِہٖ شَیئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعضُنَا بَعضًا اَربَابًا مِّن دُونِ اللہِ فَاِن تَوَلَّوا فَقُولُوا اشھَدُوا بِاَنَّا مُسلِمُونَ۔ (سورہ آلِ عمران آیت ۶۴)

ترجمہ۔ اے کتاب والو آؤ ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی، کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی، اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز، اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوا اللہ کے، پھر اگر وہ قبول نہ رکھیں تو کہو، شاہد دو (گواہ رہو) کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔"

---

[1] مشکات کتاب الجہاد فصل اول از صحیحین۔ [2] پروفیسر ایم مجیب کے ارشادات ہیں۔ [3] ڈاکٹر رضوی کی تحقیقات ہیں۔

یعنی ہم تابع فرمان ہیں، "کیوں" اور "کس لئے" سے ہم کو بحث نہیں۔

فَاِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَۃً   وَقُلْتُ لِدَاعِیْ الْمَوْتِ اَهْلًا وَّمَرْحَبًا

اگر مجھ کو مرنے کے لئے کہا جائے تو فرشتۂ موت کو خوش آمدید کہتا ہوا مروں۔

اسلام نے ایک سیدھی بات کی دعوت دی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، شرک سے دور رہیں، کسی کے غلام نہ بنیں، کسی کو خوش کرنے کے لئے اپنے مولیٰ جلّ شانہٗ کو اور اپنے مذہب کو نہ بھولیں۔ حضرت مجدّدؒ نے اپنے مبارک مکتوبات میں بہت تاکید فرمائی ہے کہ بندہ کو چاہیئے کہ اپنی خواہشات کو نیست و نابود کرے کیونکہ "در تو یک یک آرزو ابلیسِ تست" اور ارشاد کیا ہے کہ لَا اِلٰہَ سے تمام خواہشات کی نفی کرنی چاہیئے کیونکہ خواہشات معبوداتِ باطلہ کی صف میں ہیں۔

مع ہذا اسلام دینِ یُسر ہے، سراسر خیر و برکت ہے، دینی اور دنیوی سعادت کا حامل ہے۔

اسلام بہ ذاتِ خود نہ دارد عیبے   ہر عیب کہ ہست در مسلمانیِ ماست

جس شخص کو ایسا بے مثال مذہب مل گیا ہو وہ دوسرے مذاہب کی طرف کیوں دیکھے۔

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغ است   از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَنِعْمَةً لَا تَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ فِی الْجَنَّةِ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

بوئے گُلِ ربّانی

معاندین کو اللہ سمجھ دے، اُن کے خارِ جفا سے جو باطنی کوفت اور قلبی اذیت پہنچی ہے، اُس کے ازالہ کے واسطے بوئے گُلِ ربّانی ہی اکسیرِ شفا ہے۔ "اِنَّ ذِکْرَہٗ ھُوَ الْمِسْکُ مَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ" کسی سرشار بادۂ احمدی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

نبی نیست لیکن بہ رنگِ نبی　　بجو شد ز گریش ہزاراں ولی
نگیں گشت در حلقۂ اولیا　　چو در انبیا خاتمِ انبیا
شقی گر بیاید شود بوسعید　　یزیدار بیاید شود بایزید

جناب محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے آپ کے پاکیزہ اور مستند احوال تحریر فرما کر "قرۃ العین" کے نام نشر کئے ہیں۔ اُس گلدستۂ باغِ ولایت کے کچھ پھول ہدیۂ ناظرین ہیں۔

فرماتے تھے، ہم کیا ہمارا عمل کیا، جو کچھ عطا ہوا محض فضل و کرم، مثلاً اگر کرم بہانہ چاہتا تھا تو وہ متابعت ہے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی، میں اپنی کامیابی کا مدار اسی کو جانتا ہوں۔ جو کچھ تھوڑا اور بہت مجھ کو ملا، متابعتِ سنّت سے ملا اور جو نہیں ملا وہ اس وجہ سے نہیں ملا کہ بہ لحاظِ بشریت اتّباعِ سنّت میں کوتاہی ہوئی ہوگی۔ اسی سلسلے میں فرمایا، ایک بار سہواً بیت الخلا میں سیدھا پاؤں پہلے رکھ دیا تھا، اس روز بہت سے فیوض کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ مستحبات ادا کرنے کا نہایت اہتمام فرماتے تھے۔ فرمایا مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھ لیا ہے۔ مستحب کو اللہ دوست رکھتا ہے، جو عمل خدا کو دوست ہو اس کے عوض میں اگر دنیا و آخرت دیدیں تو کچھ بھی نہیں دیا۔ فرمایا ہم کو استحباب کی رعایت کا اس قدر خیال ہے کہ وضو میں منھ دھونے کے وقت یہ ارادہ رہتا ہے کہ پانی پہلے سیدھے رخسارہ پر پہنچے، تاکہ دستِ راست کا استحباب ادا ہو جائے، پاسِ ادب اس درجہ ملحوظ تھا کہ ایک مرتبہ ایک حافظ فرش پر بیٹھے ہوئے آپ کو قرآن شریف سنا رہے تھے، جس جگہ آپ کی نشست تھی وہاں فرش پر ایک بچھونا زائد تھا آپ نے فوراً وہ بچھونا نکلوا دیا تاکہ حافظ کی نشست سے آپ کی نشست بہتر نہ ہو جائے۔ آپ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور ہر نیک و بد کے جنازے کی نماز ادا فرماتے، مریض کی عیادت فرماتے اور مسنون دُعائیں پڑھ کر اس پر دم فرماتے، زیارتِ قبور کے واسطے تشریف لے جاتے اور دعا و استغفار اہلِ قبور کے واسطے فرماتے۔ قبروں کے بوسہ کو اچھا نہیں خیال فرماتے تھے، موتیٰ سے استعانت کو جائز فرماتے تھے۔ کسی نے مخلوق کی جفا اور ملامت کی شکایت کی تو تحریر فرمایا کہ خلق کی جفا اور ملامت گروہِ فقرا کے لئے جمال اور صیقلِ زنگار ہے اس سے ملول اور مکدر کیوں ہوتے ہو جس زمانے میں فقیر قلعہ میں قید تھا معلوم ہوتا تھا کہ ملامتِ خلق کے دل بادل شہر اور دیہات سے نورانی

سحاب بن کر چلے آتے تھے۔ مدت تک تربیتِ جمالی سے راہ طے کی ہے، اب تربیتِ جلالی سے منزلِ سلوک طے کرو، مقامِ صبر بلکہ مقامِ رضا میں ثابت قدم رہو، جمال وجلال کو برابر مانو۔ تم نے لکھا ہے جب سے فتنہ کا ظہور ہوا نہ ذوق رہا نہ حال، ہونا یہ چاہیئے کہ ذوق وحال دوگنا چوگنا ہو۔ جفائے محبوب میں وفائے محبوب سے زیادہ لذت ہے۔ عوام الناس کی سی باتیں کرتے ہو یہ کیا بلا ہے۔ محبتِ ذاتی سے دُور مت ہو، جلال کو جمال سے بڑھ کر تصور کرو۔ انعام سے ایلام بہتر ہے، جمال وانعام میں مُحِب کی خاطر کا بھی لگاؤ ہے۔ جلال وایلام میں خالص مُرادِ محبوب ہے۔ خاطرِ مُحِب کا شائبہ نہیں، یہاں وقت اور حال پہلے سے بہتر ہے۔ الحمد اور استغفار کا ورد بکثرت فرماتے۔ تھوڑی —— نعمت پر بھی بہت سا شکر فرماتے، اگر کبھی ترکِ اَولیٰ ہوجاتا تو استغفارِ کثیر فرماتے، مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ یہ ہمارے اعمال کی شامت ہے مگر بہت سے گناہوں کا صابون ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ قید کی مصیبت حضرت پر کیوں نازل ہوئی۔ فرمایا ہمارے اعمالِ بد کے باعث ہے اور یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی۔ مَآ اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ باوجود کثرتِ عمل اور عبادت کے یہی خیال غالب تھا کہ مجھ سے کچھ نہیں ہوسکا اپنا قصور ہر وقت پیشِ نظر رہتا تھا یہی تعلیم دوستوں کو تھی۔ فرماتے تھے خود پسندی عمل صالح کو اس طرح فنا کردیتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔ ارشاد تھا کہ اپنی خفیہ بُرائیوں کو پیشِ نظر رکھ کر اچھے اعمال سے بدگمان رہنا چاہیئے۔ ایک روز صاحبزادہ (محمد صادق) کی روح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کھانا پکوایا تھا۔ کمالِ انکسار سے فرمایا کہ یہ ہمارا کھانا کیونکر قبول ہوگا، اس لئے کہ شرطِ قبول تقویٰ ہے۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اللہ پرہیزگاروں سے قبول فرماتا ہے۔ اِسی خیال میں تھے کہ ندا آئی۔ اَنْتَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ تم پرہیزگاروں میں شامل ہو۔ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔ مقصود ازیں گفتگو اظہارِ نعمتِ حق است سُبْحَانَهٗ وترغیبِ طالبانِ ایں طریقت نہ تفضیلِ خود بر دیگراں، معرفتِ حق جَلَّ وَعَلَا بر آں کس حرام است کہ خود را از کافرِ فرنگ بہتر داند۔ فَکَیْفَ اَکَابِرِ دِیْن۔

ولے چوں شرم ابرداشت از خاک
سرزد ار بگذرانم سرز افلاک
من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری
کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بروید از تن صد زبانم
چو سوسن شکرِ لُطفش کے توانم

رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَاَرْضَاهُ عَنَّا"

مراجع کتاب "حضرت مجدّد اور ان کے ناقدین"

نمبر شمار	نام کتاب ونام مؤلف اور کیفیت
۱	ترجمۂ قرآن مجید از حضرت شاہ عبدالقادر مع موضح قرآن۔
۲	تفسیر روح المعانی از سید محمود آلوسی، مطبوعۂ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ۔
۳	تفسیر سواطع الالہام از ابوالفیض فیضی، مطبوعۂ نول کشور ۱۳۰۶ھ۔
۴	تفسیر درالاسرار از شیخ محمود مفتی شام، ملک شام میں چھپی ۱۳۰۶ھ۔
۵	صحیح امام بخاری مطبوعہ ہند۔
۶	جامع ترمذی مطبوعۂ ہند۔
۷	مشکات المصابیح مطبوعۂ ہند۔
۸	مرقات المفاتیح از ملّا علی قاری، طبع کردۂ ابنائے سورتی، بمبئی۔
۹	فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی، مطبوعۂ بولاق مصر ۱۳۰۰ھ۔
۱۰	الاصابہ فی تمیز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی طبع کردۂ مدرسۂ اسقف، کلکتہ۔
۱۱	لسان المیزان از ابن حجر عسقلانی طبع کردۂ دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ۔
۱۲	الطبقات الکبریٰ از ابن سعد، مطبوعۂ بیروت ۱۳۸۰ھ۔
۱۳	الجامع الصغیر از جلال الدین سیوطی، مطبوعۂ میمنۂ مصر ۱۳۲۱ھ۔
۱۴	انسان العیون (سیرت حلبی) از علی حلبی، طبع کردۂ محمد افندی مصطفیٰ ۱۳۰۸ھ۔
۱۵	مطابقۃ الاختراعات العصریۃ از احمد العماری۔ طبع چہارم مکتبہ قاہرہ ۱۳۸۷ھ۔
۱۶	موضوعات کبیر از ملّا علی قاری۔ طبع کردۂ مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ۔
۱۷	تدوین حدیث از سیّد مناظر احسن گیلانی،
۱۸	فتح القدیر از علامہ ابن الہمام، مطبوعۂ تجاریہ کبریٰ، مصر، ۱۳۵۶ھ۔
۱۹	ایضاح الدلالات از علامہ عبدالغنی نابلسی۔
۲۰	سل الحسام الہندی از ابن عابدین (رسائل ابن عابدین) مطبوعہ ترکیہ ۱۳۲۱ھ۔
۲۱	رقعات حضرت خواجہ باقی باللہ (در مجموعہ) قلمی نسخہ، محررہ ۱۲۸۰ھ۔
۲۲	مکتوبات حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی طبع کردۂ مولوی نور احمد پسروری امرتسری۔

نمبر شمار	نام کتاب و نام مؤلف اور کیفیت
۲۳	مکتوبات حضرت امام ربانی در عربی مطبوعہ میریہ مکہ مکرمہ سنہ ۱۲۱۷ھ۔
۲۴	رسالہ مبدا و معاد از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ سنہ ۱۲۶۷ھ۔
۲۵	رسالہ اثبات نبوت از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ سنہ ۱۲۶۷ھ۔
۲۶	رسالہ مکاشفات غیبیہ از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ سنہ ۱۲۶۷ھ۔
۲۷	رسالہ رد شیعہ از حضرت مجدد (در مجموعہ) قلمی نسخہ محررہ سنہ ۱۲۶۷ھ
۲۸	مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم حصہ سوم قلمی، انگریزوں کے غدر سے پہلے کا تحریر کردہ
۲۹	مکتوبات حضرت محمد سیف الدین، قلمی، مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۲۵۱ھ کو لکھا گیا ہے۔
۳۰	مکتوبات حضرت شاہ غلام علی، مطبع عزیزی مدراس میں سنہ ۱۲۳۴ھ کو طبع ہوا۔
۳۱	نفحات الانس از مولانا جامی، قلمی، محررہ سنہ ۹۹۲ھ در مقام بڑوچ۔
۳۲	رشحات عین الحیات از ملا علی کاشفی، قلمی، مجدول عمدہ غالباً دو سو سال پہلے کا تحریر کردہ
۳۳	مبلغ الرجال از خواجہ عبید اللہ، خواجۂ کلاں، قلمی، محررہ سنہ ۱۲۶۸ھ۔
۳۴	رباعیات و شرح رباعیات از خواجہ محمد عبد اللہ، خواجۂ خورد، قلمی، محررہ سنہ ۱۲۶۸ھ۔
۳۵	عبقات از شاہ محمد اسماعیل۔ مطبوعہ مجلس علمی کراچی در سنہ ۱۳۸۰ھ۔
۳۶	زبدۃ المقامات از خواجہ محمد ہاشم کشمی، قلمی، محررہ سنہ ۱۳۰۰ھ۔
۳۷	حضرت القدس از شیخ بدر الدین سرہندی قلمی، محررہ سنہ ۱۰۹۹ھ۔
۳۸	مجمع الاولیا از علی اکبر حسینی، قلمی در انڈیا آفس لائبریری لندن و در رضا لائبریری رامپور
۳۹	جامع کرامات الاولیا از یوسف نبہانی۔ مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر، سنہ ۱۳۲۹ھ۔
۴۰	مقاماتِ معصومی از صفر احمد مخدومی، قلمی، محررہ سنہ ۱۲۹۲ھ در مدینہ منورہ۔
۴۱	مقاماتِ مظہری از شاہ غلام علی مطبوعہ احمدی سنہ ۱۲۶۹ھ۔
۴۲	بشاراتِ مظہری از شاہ نعیم اللہ بہرائچی نوشتہ سنہ ۱۲۰۷ھ عکس نسخۂ انڈیا آفس لائبریری
۴۳	رسالہ احقاق الحق از قاضی ثناء اللہ۔ آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ در سنہ ۱۱۹۰ھ
۴۴	رسالہ شاہ غلام علی در دفع اعتراضات شیخ عبد الحق۔ انگریزوں کے غدر سے پہلے کا لکھا ہوا۔
۴۵	رسالہ شاہ عبد العزیز در دفع اعتراضات بر کلام حضرت مجدد ضمیمۂ فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مجتبائی
۴۶	انوارِ احمدیہ از وکیل احمد سکندر پوری۔ مطبوعہ مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۰۹ھ
۴۷	ہدیۂ مجددیہ از وکیل احمد سکندر پوری۔ مطبوعہ مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۱۱ھ
۴۸	تذکرۂ امام ربانی از محمد منظور نعمانی۔ مطبوعہ دفتر الفرقان لکھنؤ سنہ ۱۳۷۸ھ
۴۹	وحدۃ الوجود از عبد العلی بحر العلوم مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی سنہ ۱۳۹۱ھ

نمبر شمار	نام کتاب و نام مؤلف اور کیفیت
۵۰	دُرِ لاثانی از شاہ ہدایت علی۔ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۵۷ھ
۵۱	تجلیاتِ ربّانی۔ از نسیم احمد فریدی مطبوعہ دفتر الفرقان لکھنؤ ۱۳۷۶ھ
۵۲	رودِ کوثر۔ از شیخ محمد اکرام۔ مطبوعہ فیروز سنز بار پنجم ۱۹۷۰ھ
۵۳	حیاتِ مجدّد۔ از محمد فرمان۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸ھ
۵۴	مقالاتِ یومِ مجدّد۔ مطبوعہ میاں جمیل احمد شرقپور لاہور ۱۹۷۵ھ
۵۵	تذکرۂ مولانا ابو الکلام آزاد مطبوعہ لاہور
۵۶	مقاماتِ خیر۔ طبع شدہ از درگاہ شاہ ابو الخیر ۱۳۹۲ھ
۵۷	اردو ترجمہ تزکِ جہانگیری۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء
۵۸	سبحۃ المرجان۔ از سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ قلمی خوشخط مجدول، عمدہ
۵۹	ابجد العلوم از سید صدیق حسن خان مطبوعہ صدیقیہ بھوپال ۱۲۹۶ھ
۶۰	نزہۃ الخواطر از سید عبد الحی مطبوعہ حیدر آباد دکن
۶۱	تاریخ ہندوستان۔ از محمد ذکاء اللہ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۱۶ء
۶۲	شذرات الذہب۔ از عبد الحی ابن العماد مطبوعہ تجاریۂ کبری بیروت
۶۳	تاریخ الامم والملوک از طبری مطبوعہ استقامہ مصر ۱۳۵۷ھ
۶۴	تاریخ البدایۃ والنہایہ از ابن کثیر۔ مطبوعہ مصر بار اوّل ۱۳۵۱ھ
۶۵	تاریخ مرآۃ الجنان۔ از عبد اللہ یافعی۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۷ھ
۶۶	طبقات الشافعیۃ الکبری مطبوعہ مصر ادارۃ الخطیب در ۱۳۲۴ھ
۶۷	سفینۃ الاولیاء۔ از دارا شکوہ محررہ ۱۰۶۱ھ
۶۸	سفینۃ الاولیاء۔ مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۳ء
۶۹	آثار الصنادید۔ از سید احمد خاں مطبوعہ نولکشور، بار سوم ۱۹۰۰ء
۷۰	حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۸۴ھ
۷۱	احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری از محمد اقبال مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ
۷۲	شاہ محمد غوث گوالیاری۔ از محمد مسعود احمد۔ مطبوعہ میر پور، سندھ ۱۳۸۴ھ
۷۳	ارواح ثلاثہ مطبوعہ امداد الغربا۔ سہارنپور ۱۳۷۰ھ
۷۴	التعریفات از سیّد شریف عبد القاہر جرجانی۔ مطبوعہ استانبول ۱۳۲۷ھ
۷۵	فرہنگ آصفیہ از سید احمد دہلوی۔ مطبوعہ گلزار محمدی پریس لاہور ۱۹۱۸ء
۷۶	غیاث اللغات

حضرَتِ مُصنّف دامت برکاتہٗ کی بعض

دوسری کتابیں

۱۔ وَحدَۃُ الوُجُود | مِلنے کا پتہ :۔ ندوۃ المصنّفین۔ اُردو بازار دہلی ۶

۲۔ علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے ہمعصر علماء | مِلنے کا پتہ :۔ مجلس روضۃ المعارف المجدّدیہ

۲۲-۷-۱۹۳۔ روبرو مدینہ بلڈنگ حیدرآباد

۳۔ بزمِ خیر از زید در جواب بزمِ جمشید۔

۴۔ مَنھَجُ الاَلبَاءِ فِی السَّلَامِ عَلَی الاَنبِیَاءِ وَالرِّضَاءِ عَنِ الاَولِیَاء۔

۵۔ مجموعۂ خیر البیان (تین رسالوں کا مجموعہ) خَیرُ البیان۔ خَیرُ المورد۔ نظمِ شمائل۔

۶۔ مَنَاھِجُ السَّیرِ وَمَدَارِجُ الخَیر (فارسی) سلوک نقشبندیہ مجدّدیہ کے بیان میں

۷۔ مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر ۱۳۹۲ھ) پہلی طباعت ۲۰×۲۶/۸

مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر ۱۳۹۲ھ) دوسری طباعت۔

آفسٹ ۱۸×۲۲/۸

۸۔ مقاماتِ اخیار (سوانح حیاتِ ابوالخیر ۱۳۹۴ھ) فارسی۔ آفسٹ

مِلنے کا پتہ

حضرتِ شاہ ابوالخیر اکاڈمی۔ درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر
شاہ ابوالخیر مارگ۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶